وہ کون تھا؟



انوار صدیقی

ایک حیرت انگیز انہونی داستان

وہ کون تھا؟

انوار صدیقی

اسٹاکسٹ:۔
مکتبہ القریش ◎ سرکلر روڈ
اردو بازار، لاھور۲۔ فون:7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com

انتساب:

اس ناکردہ جرم کے نام......
جس نے مجھے احساسِ محرومی کی
لذتوں سے آشنا کر دیا......!
سسک سسک کر مرنے کا ایک ایک لمحہ
اسی کی یاد سے وابستہ ہے......
جو...... مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے......!!

دُھواں......!

محمد علی قریشی کا فون تیسری بار آیا ــــ پھر یاد دہانی کرائی گئی ــــ ''انکل...... تازہ ناول ہر طرح سے تیار ہے صرف آپ کی جانب سے شروع کے صفحات موصول ہونے کا انتظار ہے۔'' ــــ میں نے وعدہ کرلیا کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بیماری سے تھوڑا وقت مستعار لے کر پیش لفظ روانہ کر دوں گا۔ مجھے بھی اپنے چاہنے والوں سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں، پھر شاید وقت ملے نہ ملے، یقین سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

''انکا رانی'' میں ''شوشہ'' کے عنوان سے جو تحریر کیا گیا اس کے آخر میں ایک اشارہ بھی تھا ــــ ''قارئین زندہ ــــ انکا باقی'' ــــ جی ہاں، میں آج برملا اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ انکا رانی کا جو مکمل گراف میرے ذہن میں محفوظ ہے ابھی مکمل نہیں ہوا۔ میں نے انکا کے کردار میں جو دھنک رنگ بھرے، اس کے بارے میں جو سوچا، اس کی وساطت سے قارئین کو جو پیغام دینا چاہا وہ ابھی تک پوری طرح اجاگر نہیں ہو سکا۔ بات پر بات نکلتی آئی۔ کہانی طول پکڑتی گئی۔ ''انکا رانی''، مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچ گئی لیکن جو اصل پیغام تھا وہ باقی رہ گیا ــــ مجھے اس تشنگی کا احساس ہے ــــ!

زندگی نے وفا کی تو اس اہم پیغام کو انکا کے کردار پر بس ایک اور ناول میں ضرور مکمل کر دوں گا ورنہ بات ادھوری رہ جائے گی ــــ میں نہ رہا تو میری اس خواہش کی تکمیل میرے عزیز دوست اور آپ سب کے جانے پہچانے قلم کار اقلیم علیم کریں گے۔ میں نے اپنے ذہن میں محفوظ تمام پہلوؤں اور کہانی کے پیچ وخم، نشیب و فراز سے انہیں آگاہ کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اقلیم علیم میری اس خواہش کو رد نہیں کریں گے ــــ قارئین کو فی الحال یہ بتانا کافی سمجھتا ہوں کہ انکا رانی کی بے پناہ قوتیں اور سیّد مجذوب کے معجزے حرفِ آخر نہیں ہیں۔ لازوال قوتوں کا سرچشمہ صرف اس کی ذاتِ واحد ہے جو ''رَبُّ الْمَشرِقَینِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَینِ'' ہے ــــ اس کا صرف ایک اشارہ جمیل احمد خاں کے دماغ کی ساری ''خنّاس'' کا قلع قمع کر سکتا ہے۔ انکا رانی کی شوخیوں اور شیطانی قوتوں کو اس کے سامنے دم مارنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سیّد مجذوب کی تمام روحانی قوتیں بھی اس کی مصلحتوں کے

پیش نظر کسی کام نہ آسکیں گی۔ ایسی بے سروسامانی کے عالم میں جمیل احمد خاں کی وحشتوں اور جنون کا عالم کیا ہوگا۔ جب اوپر سے ''ترکی تمام شد'' کا فیصلہ صادر کر دیا جائے گا؟____ ساری شیطانی اور روحانی قوتیں ''دم بخود'' رہ جائیں گی۔ انکارانی کا رنگ پھیکا پڑ جائے گا۔ سیّد مجذوب کی عقل دنگ رہ جائے گی۔ جمیل احمد کی بوکھلاہٹیں اور دیوانگی بھی دیدنی ہوگی____!!

میں یہ باتیں اس لئے تحریر میں لا رہا ہوں کہ زندگی کا آخری ''سنگ میل'' کا دھندلا دھندلا سا عکس اب واضح ہونے لگا ہے۔ کون جانے کب اور کہاں زندگی کی شام ہو جائے اور عمر کا سورج غروب ہو جائے____؟ 8 فروری 1981ء کی بات ہے جب اپنے تحریر کردہ اسٹیج ڈرامے ''گرو ہو جا شروع'' کی ریہرسل کے موقع پر مجھ پر پہلی بار شدید ہارٹ اٹیک کا حملہ ہوا جس سے میرے قلب کا ایک حصہ بری طرح متاثر ہو کر ناکارہ ہو گیا۔ آپ کا ہر دل عزیز فنکار، بین الاقوامی شہرت کا مالک اداکار معین اختر گواہ ہے کہ اسی نے مجھے بے ہوشی کے عالم میں ''امراضِ قلب'' کے ہسپتال تک پہنچایا تھا۔ ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کرنے کے بعد ''مایوسی'' کا اظہار کیا لیکن خدا کی رحمت شاملِ حال تھی۔ میں موت کے منہ کا ''تر نوالہ'' نہ بن سکا۔ اس قادر مطلق کا فیصلہ اٹل تھا۔ مجھے زندگی کی طرف واپس لوٹا دیا گیا۔ میں ''موت کے ذائقے'' کو بھول کر پھر زندگی کے ہنگاموں میں کھو گیا____ زندگی اور موت کے درمیان دھوپ چھاؤں کا کھیل تب ہی سے چل رہا ہے لیکن کب تک؟____ ایک فانی انسان کب تک موت سے ''آنکھ مچولی'' کھیل سکتا ہے؟____ کبھی نہ کبھی تو اسے خالق کے سامنے سر جھکا کر پیش ہونے کی خاطر ''رختِ سفر'' باندھنا ہوگا۔ ''کُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوت'' کی حقیقت سے کون کافر روگردانی کرسکتا ہے____؟

ستمبر 1996ء میں امریکہ میں ''انجیوگرافی (ANGIOGRAPHY) اور ''انجیو پلاسٹی (ANGIOPLASTY) کے عمل سے گزرا____ قادر مطلق نے کچھ مہلت اور عطا کر دی۔ زندگی کی گاڑی پھر چل پڑی۔ لیکن جولائی 2003ء میں ایک ایسے ''قلبی حادثے'' سے دوچار ہوا جس نے میرے وجود کی بنیادوں میں ان گنت دراڑیں پیدا کر دیں پھر میں سنبھل نہ سکا۔ زخم ناسور کی شکل اختیار کر جائیں تو کسی مسیحا کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دنیا میں ابھی تک کوئی ایسا آلہ ایجاد نہیں ہوا جو جذبات و احساسات کا ایکسرے (XRAY) کر سکے۔ انجکشن

اور دواؤں کی کھٹی میٹھی تلخ اور کڑوی کسیلی گولیاں تو دل کا بہلاوا ہیں۔ کچھ نادیدہ زخم ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا علاج صرف وہی کر سکتا ہے جس نے زخم پہنچائے ہوں۔ اگر وہی روٹھ جائے تو____؟

بہرحال، میں اپنے درد کو سینے میں چھپائے دنیا دکھاوے کی خاطر مسکراتا رہا۔ دوسروں کے علاوہ خود اپنی ذات کو بھی فریب سے دوچار کئے رہا لیکن اسی اندر اندر کی گھٹن نے مجھے پھر ڈاکٹروں کے دروازوں پر دستک دینے پر مجبور کر دیا____ ادھر تقریباً دو ماہ سے پھر بستر پر پڑا ہوں۔ جدید ٹیکنالوجی کی پیچیدہ مشینوں اور ''مختلف امتحانات'' کے ذریعے میرے مرض کی تازہ نوعیت کا سراغ لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے____ میرے معالج نے میری کیفیت کو خطرناک (SEVERE) قرار دیا ہے۔ انہیں اب اس کا علم ہوا ہے!____ میں ایک سال پیشتر ہی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا تھا____ لیکن اب جب زندہ رہنے کی کوئی تمنا ہی نہ رہی تو پھر فکر کس بات کی؟

جب زندگی کی طرف پلٹ کر دیکھتا ہوں تو ماضی کے پیچ و خم میں قدم قدم پر شرمندگی اور اپنی کوتاہیوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ پھر بھی میں اس کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی۔ میری تمام خطاؤں کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں درگزر کر دے گا۔ معاف فرما دے گا۔

میں ایک عام انسان تھا۔ میرے کرم فرماؤں، میرے دوست و احباب اور میرے پرستاروں نے میری تحریروں کو اپنی پسندیدگی کی سند دے کر شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ میں فرداً فرداً اپنے تمام چاہنے والوں کا شکرگزار ہوں جنہوں نے مجھے ذرّے سے آفتاب بنانے کی دوڑ میں حصہ لیا کہ اگر ان کی پذیرائی شاملِ حال نہ ہوتی تو آج انوار صدیقی کے نام سے بھی کوئی واقف نہ ہوتا____ میں جو کچھ بھی ہوں ان ہی پرستاروں کی کرم نوازی کا صلہ ہے۔

آج میں اپنے تمام عزیز و اقارب، اپنے رفقاء، اپنے چاہنے اور روٹھنے والوں، اپنے پرستاروں، اپنے بہترین دوستوں اور بدترین دشمنوں کے آگے بھی دامن پھیلا کر یہ درخواست کر رہا ہوں کہ وہ میری تمام خطاؤں، کوتاہیوں، کردہ اور ناکردہ گناہوں کو صدقِ دل سے معاف کر دیں۔ میرے حق میں دعا کریں کہ غفور الرّحیم میرے حق میں بہتری کرے۔ مجھے کسی مخلوق کا دستِ نگر و محتاج نہ کرے۔ چلتے ہاتھ پاؤں اپنے پاس بلا لے۔ روزِ قیامت

مجھے اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے۔ میری بخشش اور مغفرت فرمائے۔ آمین!

کل تک جو شمع روشن تھی، آج اس کی لو کپکپاتی نظر آ رہی ہے۔ یہ بجھ گئی تو صرف ''دھواں'' اٹھے گا پھر وہ بھی فضاؤں میں تحلیل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔۔۔۔ ہمیشہ کے لئے۔۔۔ ازل سے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔۔۔!!

مجھے محترم مصطفیٰ زیدی مرحوم کا ایک قطعہ آج بڑی شدت سے یاد آ رہا ہے۔ آپ بھی اسے گنگنا لیں۔

اشک رخسار پر نہیں آتے
دل میں چھالے سے پھوٹ جاتے ہیں
دل کے رشتے عجیب رشتے ہیں
سانس لینے سے ٹوٹ جاتے ہیں

زیرِ نظر ناول کیسا رہا؟ اس کا فیصلہ پھر آپ پر ہی چھوڑ رہا ہوں۔۔۔!

آپ سب کی پُرخلوص دُعاؤں کا طلب گار
انوار صدیقی
مورخہ 22 جولائی 2004ء کراچی

روپ نگر کا وہ جنت نظیر پہاڑی علاقہ جو کبھی مقامی لوگوں کی جھونپڑیوں اور کچے پکے مکانات پر مشتمل تھا، دیکھتے ہی دیکھتے مقامی اور بیرونی سیاحوں کے لئے مرکزِ نگاہ بن گیا۔ لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے پیشِ نظر ٹورزم کے محکمے نے بھی اس علاقے پر خصوصی توجہ دی تھی چنانچہ اب وہاں سیاحوں کی سہولت اور آرام کے لئے تمام ضروری آسائشیں موجود تھیں۔ ہوٹلوں کے علاوہ ریسٹ ہاؤس میں بھی قیام و طعام کا نہایت معقول اور مناسب انتظام تھا۔ جو افراد ہنگاموں سے دور رہنا پسند کرتے تھے ان کے لئے مقامی لوگوں نے ایک اور دو کمروں کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکانات تعمیر کر لئے تھے جو مرکزی بازار سے کچھ فاصلے پر بل کھاتی شاہراہوں کے ہر دو جانب نشیب میں واقع تھے۔

سیزن شروع ہوتے ہی تمام مکانات قبل از وقت بُک ہو جاتے تھے۔ ہوٹل کے کمرے بھی منہ مانگے داموں پر دستیاب ہوتے تھے۔ بازار میں مختلف قسم کی اشیاء کی قیمتیں بھی سیزن کی مناسبت سے گھٹتی بڑھتی رہتی تھیں۔ دکاندار شکاری عقابوں کی طرح ان غیر ملکی سیاحوں کی گھات لگائے بیٹھے رہتے جو اپنے شوق اور پسند کی چیزوں کی خاطر بغیر کسی مول بھاؤ کے بڑی سے بڑی قیمتیں ادا کرنے کو آمادہ ہوتے ہیں۔ قدرتی مناظر کی فراوانی اور ہر طرف سبزے پر اُگے ہوئے دیو قامت درختوں کی بہتات میں کچھ ایسا ہی طلسم تھا کہ لوگ اس تفریحی مقام کی طرف جوق در جوق کھنچے چلے آتے تھے۔

اس وقت رات گیارہ کا عمل تھا لیکن روپ نگر کے مرکزی بازار کی رونقیں اپنے شباب پر تھیں۔ سیاحوں اور آسودہ حال افراد کی ٹولیاں جگہ جگہ نظر آ رہی تھیں۔ یخ بستہ ہواؤں کے جھونکے اطلسی جسموں اور خوابناک چہروں سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ نوجوان اور بوڑھے سب ہی اپنے اپنے رنگ میں مست نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ ہجوم کے قہقہے اور ملی جلی سرگوشیاں اس بات کی ترجمان تھی کہ وہ ''فکرِ امروز و فردا'' کو پیچھے چھوڑ کر کچھ دن

صرف سکون اور آرام سے گزارنے کی خاطر اپنے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔

میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں، منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا اس لئے مجھے غم روزگار کی کبھی کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی۔ میرے والد کا کاروبار ملک کے طول وعرض میں دور دور تک پھیلا ہوا تھا، ان کا شمار ملک کے ممتاز تاجروں میں ہوتا تھا، کروڑوں اور اربوں کی جائیداد کے علاوہ نقدی کی صورت میں کثیر رقمیں بھی ملکی اور غیر ملکی بنکوں میں جمع تھیں۔ میرے والد بے حد ایماندار اور اچھی شہرت کے مالک تھے۔ حکومت کے با اثر حلقوں میں انہیں ایک معروف اور معزز شہری کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا تھا۔

مجھے مستقبل کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، میرے والد کی خواہش تھی کہ مقامی تعلیم کے حصول کے بعد وہ مجھے اعلیٰ فنی اور تجارتی تعلیم حاصل کرنے کی خاطر بیرون ملک بھجوائیں تا کہ میں تمام کیل کانٹوں سے پوری طرح لیس ہو کر ان کا کاروبار سنبھال سکوں۔ لیکن قدرت کو ان کی خوشی کی تکمیل منظور نہیں تھی۔ انسان سوچتا کچھ اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے، قانونِ قدرت اور مشیت ایزدی کے سامنے انسان کی کوئی تدبیر کام نہیں آتی، ہوتا وہی ہے جو نیلی چھتری والے کو منظور ہوتا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوا ——— میں گریجویشن کرنے کے بعد بیرون ملک جانے کی خاطر رخت سفر باندھ رہا تھا کہ والد صاحب کی اچانک موت نے سارے خواب چکنا چور کر دیئے۔ پل بھر میں سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ ساری خوشیاں یکلخت روٹھ گئیں۔ ہر فرد اپنی اپنی جگہ دم بخود رہ گیا۔ والدہ اس صدمۂ جاں کاہ سے متاثر ہو کر بستر سے لگ گئیں۔

والد صاحب کی اچانک موت سے میرے کاندھوں پر غم اور ذمہ داریوں کا بوجھ پڑا تو میں حواس باختہ ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں ایک ہی وقت میں بیمار ماں کی تیمارداری کے فرائض اور وسیع کاروبار کی ذمہ داریاں کس طرح نبھا سکوں گا۔ مجھ پر جو بیتی، جو گزری، اس کی روداد کی تفصیل بے حد پیچیدہ، بڑی طویل اور دردناک ہے۔ میں پڑھنے والوں کی دلچسپی کی خاطر اختصار سے کام لوں گا۔

میرے والد کی موت بھی روپ نگر کے پہاڑی علاقے میں ہوئی تھی۔ وہ ایک تجارتی کنونشن (CONVENTION) میں شرکت کی غرض سے وہاں گئے تھے۔ ان کا قیام وہاں کے سب سے اعلیٰ ہوٹل فزارد میں تھا جہاں کئی غیر ملکی مندوبین بھی مقیم تھے۔ ہوٹل کی

انتظامیہ اور سکیورٹی اپنے معزز مہمانوں کی دیکھ بھال اور حفاظتی انتظامات کی طرف سے پوری طرح چوکس تھی لیکن والد صاحب جب اپنے قیام کے تیسرے دن اپنے کمرے میں مُردہ پائے گئے تو سب ہی ششدر رہ گئے۔

پولیس کی ابتدائی تفتیش اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے بھی والد صاحب کی موت کو انتہائی پراسرار بنا دیا تھا۔ وہ اپنے بستر پر شب خوابی کے لباس میں لقمہ اجل ہوئے تھے، کمرے میں کسی قسم کی افراتفری کی کوئی علامت نہیں پائی گئی، ہر شے اپنی اصلی حالت میں موجود تھی۔ سوٹ کیس اور سفری بیگ کے علاوہ الماری میں رکھے ہوئے ضروری کاغذات یا قیمتی اشیاء کو بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا، نقدی بھی جوں کی توں موجود پائی گئی، کمرے کا دروازہ بھی اندر سے مقفل پایا گیا۔

ہوٹل کی انتظامیہ کو اس حادثے کا علم اس وقت ہوا جب والد صاحب کی ہدایت کے مطابق انہوں نے صبح کو انہیں بیدار کرنے کی خاطر انٹرکام پر کوشش کی پھر دوسرے ذرائع بھی اختیار کیے۔ فزارد کے منیجر کے بیان کے مطابق کوشش بسیار کے باوجود جب اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تو اسے تشویش لاحق ہوئی اور پولیس کو طلب کیا گیا۔ کمرے کو پولیس کے ذمہ دار افسروں کی موجودگی میں ڈپلی کیٹ چابی سے کھولا گیا، تفتیش رپورٹ کے مطابق والد صاحب اپنے بستر پر موجود پائے گئے تھے، جب ایک ڈاکٹر نے ان کی موت کی تصدیق کی تو پولیس کے اعلیٰ حکام بھی حرکت میں آ گئے۔ ماہرین نے موت کے اسباب تلاش کرنے کی خاطر ہر ممکن کوشش کی، تمام ممکنہ پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر ایک ایک شے کو کھنگالا گیا لیکن وہ لاش کے پاس سے ایک سولہ فٹ لمبے کچے سوت کے دھاگے کے سوا کوئی چیز برآمد نہ کر سکے۔ سوت کا وہ دھاگا انسانی خون سے پوری طرح رنگا ہوا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ بستر کی اُجلی چادر پر خون کا ایک قطرہ بھی کہیں نظر نہ آ سکا، نہ ہی کوئی ایسی علامت نظر آئی جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا کہ مرنے سے پیشتر والد صاحب نے کوئی جدوجہد کی ہو۔ جس ڈاکٹر نے ابتدائی طور پر والد صاحب کو مُردہ قرار دیا تھا، اس نے دبی زبان میں اس خدشے کا بھی اظہار کیا تھا کہ مرنے والے کے جسم کی حالت دیکھ کر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی۔ لاش کا سارا خون پیا جا چکا تھا۔ لیکن ماہرین اس بات کی

وضاحت نہ کر سکے کہ خون کس نے پیا؟ والد صاحب کے جسم پر ایسا کوئی نشان بھی نہیں مل سکا جس سے ''خون پینے'' کی کہانی کی روشنی میں کوئی آخری رائے قائم کی جا سکتی۔ البتہ موت کے کچے دھاگے کی کیمیائی رپورٹ ظاہر کرتی تھی کہ وہ انسانی خون ہی سے سرخ ہوا تھا۔

والد صاحب کی پراسرار موت کی کہانی اخبارات تک پہنچی تو اس کی شہرت پورے ملک میں ہوگئی۔ کئی بڑے اخبارات نے اس پراسرار موت کی کہانی کو اپنے اداریہ میں خصوصی طور پر شامل کیا۔ حکومت اور محکمہ پولیس کے لئے اسے ایک چیلنج قرار دیا گیا مگر ڈیڑھ سال کی جان توڑ کوششوں کے باوجود حکومت کی کوئی ایجنسی موت کے اس پراسرار معمے کو حل نہ کر سکی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ والد صاحب کی موت کی کہانی بھی قصہ پارینہ بن گئی۔

والد صاحب کے پھیلے ہوئے کاروبار کی دیکھ بھال اور بیمار والدہ کی تیمارداری نے مجھے سر کھجانے کی بھی مہلت نہیں دی۔ والد صاحب کی موت کو میں نے بھی ہر شخص کی طرح تسلیم کر لیا تھا لیکن موت جن حالات میں واقع ہوئی اور چھان بین کرنے والوں نے جو مختلف مفروضے قائم کئے وہ میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکے۔ سولہ فٹ کا کچا خون آلود دھاگا میرے ذہن میں کن کھجورے کی طرح ڈنک چبھوتا رہا۔ ''موت کا معمولی دھاگا کسی انسان کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ چوس کر اس کی موت کا سبب بن سکتا ہے؟'' یہ بات نہ صرف ڈاکٹروں اور ماہرین کے لئے حیرت انگیز تھی بلکہ میرے ذہن نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ اس ضمن میں ذاتی طور پر میں نے جن بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہرین سے رابطہ قائم کیا، وہ بھی اس بات پر متفق تھے کہ موت کی وجہ کچھ اور ہے جو سامنے نہیں آ سکی۔ بہرحال میں نے اس بات کا مصمم ارادہ کر رکھا تھا کہ جب تک والد صاحب کی موت کی اصل وجہ نہ معلوم کر لوں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

روپ نگر میں میری آمد اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ میں نے مرکزی بازار کے کسی بڑے ہوٹل یا ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرنے کی بجائے نشیبی علاقے میں دو کمروں کا ایک مناسب مکان حاصل کر لیا تاکہ ہنگاموں سے دور رہ کر پوری توجہ اور سکون سے ان پراسرار عوامل کی چھان بین کر سکوں جو روزِ اول کی طرح آج بھی میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ کسی اہم سراغ یا نکتے کے ہاتھ لگے بغیر اس معمے کے اسرار کو حل کرنا جوئے شیر

لانے سے کم نہیں، لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی تگ و دو میں لگا رہا۔

تین چار روز تک میں اس امید پر روپ نگر کے بازار اور ہوٹل فزارو کے اردگرد شب و روز چکر لگاتا رہا کہ شاید کوئی سراغ، ڈور کا کوئی ایسا سرا ہاتھ آ جائے جس کی رہنمائی میں اپنے والد صاحب کی موت کا معمہ حل کر سکوں، شاید کوئی معجزہ رونما ہو جائے، کوئی ایسی معمولی بات میرے علم میں آ جائے جسے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ شاید کوئی اچانک میرے سامنے آ کر کہے ـــــ ''میں جانتا ہوں تمہارے والد کی موت کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔'' ـــــ لیکن یہ سب خیالی باتیں تھیں۔ میں تین چار دنوں کی انتھک جدوجہد کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا تو مایوس ہو کر واپسی کا ارادہ کر لیا۔

روپ نگر سے واپسی کا ارادہ میرے لئے بڑا اعصاب شکن تھا۔ اس روز ناشتے سے فارغ ہو کر میں ایک بار پھر بازار کی طرف نکل گیا۔ روپ نگر کی رنگینیوں میں میرے لئے اب کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میرے ذہن میں والد صاحب کا چہرہ بار بار ابھر آتا۔ اولاد ہونے کے ناتے میرا فرض تھا کہ ان کے قتل کا سراغ لگا کر ملزموں کو کیفر کردار تک پہنچاتا ورنہ ایک خلش سی دل میں باقی رہ جاتی، ذہن میں کانٹا بن کر چبھتی رہتی۔ میں اپنے خیالوں میں الجھا تھکے تھکے قدم اٹھاتا دیکھے بھالے راستوں سے یونہی گزرتا رہا۔ میرے قریب سے کوئی پارٹی قہقہہ لگاتی گزرتی تو مجھے یوں لگتا جیسے وہ میری بے بسی، بے چارگی کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ جاتا۔

ناکامی کے احساس نے میرے وجود کو شل کر رکھا تھا، میری ذہنی صلاحیتیں میرے کسی کام نہیں آ سکی تھیں۔ میرے قدم اٹھانے کا انداز اس بدنصیب جواری سے مختلف نہیں تھا جو زندگی کی ہر بازی جیتتے جیتتے اچانک ہی داؤ پر اپنی زندگی کی تمام پونجی ہار گیا ہو۔ میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔

بازار کے بڑے پوسٹ آفس کے قریب پہنچ کر میں نشیب والی شاہراہ کی جانب مڑنا چاہتا تھا جب میرے قدم یکلخت تھم کر رہ گئے۔ اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ شاید ناکامی کے احساس کی شدتوں نے میرے اعصاب کو معطل کر دیا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ میں نے دوبارہ قدم آگے بڑھانا چاہا لیکن مجھے کامیابی نہیں ہوئی، کسی غیر مرئی طاقت نے جیسے میرے قدم پوری قوت سے تھام لئے تھے۔ ابھی میں اپنی کیفیت

کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مجھے نہ جانے کیوں یوں محسوس ہوا جیسے کہیں قریب ہی دو آنکھیں میری ایک ایک حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہی ہوں۔ میرا تعاقب کر رہی ہوں۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، ذہن میں ابھرنے والا خیال میرا وہم بھی ہو سکتا تھا لیکن میرے اندر کا تجسس جاگ اٹھا، میں نے محتاط انداز میں اپنے اطراف کا جائزہ لینا شروع کیا، پھر میری نظریں اس شخص پر جم گئیں جو ”کشمیر امپوریم“ نامی دُکان کے شوکیس پر دونوں کہنیاں ٹکائے جھکا پوری توجہ سے مجھے گھور رہا تھا۔

میرے محتاط اندازے کے مطابق اس کی عمر ستر سال سے بھی تجاوز کرتی نظر آ رہی تھی۔ ایک پرانے وضع قطع کی ہندی فریم کی عینک اس نے عجیب دقیانوسی انداز میں ناک کی پھنگی پر ٹکا رکھی تھی۔ اس کے چہرے پر جابجا جھریاں موجود تھیں۔ اس کا سر انڈے کی طرح صاف تھا البتہ چھدرے چھدرے بال کھوپڑی کے اطراف اُدھڑی ہوئی جھالر کے انداز میں نظر آ رہے تھے، بھنویں بھری بھری اور آپس میں ملی ہوئی تھیں، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقہ دور ہی سے نمایاں تھا لیکن پتلیوں میں شکاری عقاب جیسی خطرناک چمک موجود تھی اس کی نگاہوں میں ایک مقناطیسی کشش سی تھی، وہ درمیانہ قد اور دُبلے پتلے جسم کا مالک تھا۔ سردی سے بچنے کی خاطر اس نے پوستین کی دیسی سی جیکٹ پہن رکھی تھی جیسی دُکان کے باہر ہینگر پر لٹکی نظر آ رہی تھیں۔

اس کے گھورنے کا انداز اس بات کی غمازی کر رہا تھا جیسے وہ مجھ سے پوری طرح واقف ہو۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک کو خاص طور پر محسوس کیا لیکن ایک لمحے کے بعد اس نے جس انداز میں میری طرف سے نگاہیں پھیریں وہ بھی حیرت انگیز تھا۔ شوکیس کے پاس سے ہٹ کر اس نے دکان کے عقبی حصے کی طرف جانے میں جس عجلت کا مظاہرہ کیا وہ بھی میرے تجسس کو ہوا دینے کے لئے بہت کافی تھا۔ میرے ذہن میں وسوسے جاگ اٹھے۔ میں نے سوچا ـــــ ’کیا اس کا میری طرف پورے انہماک سے گھورنا محض ایک اتفاق تھا؟ اگر وہ اتفاق تھا تو پھر اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر خود کو چھپانے کی کوشش کیوں کی؟ ـــــ اسی کی دکان کے سامنے پہنچ کر میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کیوں کر دیا تھا ـــــ؟ میں اس دُکان کے سامنے سے متعدد بار گزر چکا تھا لیکن وہ مجھے پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا؟ ـــــ

جس انداز میں اس کی نظریں مجھ پر جمی تھیں اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی زاویئے سے مجھ سے ضرور واقف تھا؟ ـــــ اسے دیکھ کر میرے اندر اضطرابی کیفیتیں کیوں بیدار ہوئی تھیں ـــــ؟ وہ کون سی قوت تھی جس نے میرے قدم روک دیئے تھے ـــــ؟ وہ کون تھا ـــــ؟ مجھے اپنی تیز عقابی نظروں سے کیوں گھور رہا تھا؟ ـــــ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ میرا اس کا کیا تعلق تھا ـــــ؟‘

میرے ذہن میں مختلف سوالات یکے بعد دیگرے اُبھر رہے تھے۔ میری بے چینی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، میرا تجسس بلاوجہ نہیں تھا، کوئی نہ کوئی بات ضرور تھی جو میرے سکون میں انتشار پیدا کر رہی تھی، میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا، وہ میرے لئے اجنبی تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے ـــــ ”شاید وہ ان پراسرار حالات سے باخبر ہو جس نے میرے والد کی موت کو ایک معمہ بنا دیا تھا؟“ اس اچانک خیال کے ذہن میں اُبھرتے ہی میرے وجود میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی، ایک لمحہ کے لئے میں اپنی جگہ کھڑا دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتا رہا، پھر نپے تلے قدم اٹھاتا اس کی دُکان کی سمت بڑھنے لگا ـــــ مجھے اندھیرے میں اُمید کی ایک کرن نظر آئی تھی، میں اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں نے دکان میں داخل ہو کر دوبارہ اسے بہت غور سے دیکھا، وہ شوکیس سے دور اندرونی حصے میں رکھی ہوئی آرام کرسی پر بیٹھا بڑے انہماک سے کسی کتاب کے مطالعہ میں پوری طرح غرق تھا، انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ بڑی دیر سے اسی شغل میں مصروف ہو، دکان میں میرے داخل ہونے کے باوجود اس کی توجہ مبذول نہیں ہوئی۔ بظاہر ایسا ہی لگتا تھا جیسے اسے وہاں اپنے سوا کسی اور کی موجودگی کا مطلق کوئی علم نہ ہو ـــــ میرا تجسس دوچند ہو گیا، کچھ دیر پیشتر وہ شوکیس پر جھکا مجھے پوری توجہ سے گھور رہا تھا اور اب خود کو مجھ سے لاتعلق ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا ـــــ آخر کیوں؟

میں نے فوری طور پر اسے مخاطب کرنے کی غلطی نہیں کی، ایک عام گاہک کی طرح دکان میں نفاست سے سجائی گئی مختلف اشیاء کا جائزہ لینے لگا۔ نام کی مناسبت سے دکان میں کشمیری کام کی بے شمار چیزیں موجود تھیں۔ ایک طرف قیمتی قالینوں کو بڑے سلیقے سے اس طرح تلے اوپر رکھا گیا تھا کہ اہرامِ مصر کے کسی مقبرے کا گماں ہوتا تھا۔ لباس میں کشمیری

کام کی اُونی جیکٹس، زنانہ مردانہ شلوار سوٹ، خوبصورت اور دیدہ زیب شالیں اور اسی قسم کی دوسری بے شمار چیزوں کو دیوار اور ہینگرس پر بڑی خوبصورتی سے اس طرح سجایا گیا تھا کہ دکان میں داخل ہونے والا ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ گول تکون اور چوکور قسم کی چھوٹی چھوٹی اخروٹ کی لکڑی کی میزوں پر مختلف اقسام کے ٹیبل لیمپس اور گھریلو ڈیکوریشن کے قیمتی ساز وسامان کو بڑی مہارت سے رکھا گیا تھا۔ ایک جانب ماربل کی میز پر ایک خونخوار شیر کا تراشیدہ مجسمہ موجود تھا جس نے دانتوں کے درمیان سفید اور بھورے رنگ کے خرگوش کو بڑی بے دردی سے جکڑ رکھا تھا۔ اسی قسم کے اور جنگلی جانوروں اور پرندوں کے مجسمے بھی موجود تھے۔ مُردہ سانپ، لومڑی، گلہری، چیل، عقاب اور متعدد اقسام کے حشرات الارض کو بھی مخصوص انداز میں محفوظ کر کے اس طرح رکھا گیا تھا کہ مُردوں پر زندوں کا گمان ہوتا تھا۔ جس مہارت اور چابکدستی سے دکان کو سجایا سنوارا گیا تھا اس سے دکان کے مالک کے ذوق کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ دکان میں تمام اشیاء کا سرسری جائزہ لیتے وقت بھی میں نے کئی بار انکھیوں سے اس بوڑھے کو دیکھا۔ اس کے انہماک میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بدستور مطالعے میں پوری طرح مستغرق نظر آرہا تھا، اس کا وہ انداز بھی میرے تجسّس کو ہوا دے رہا تھا۔

میں نے شوکیس میں رکھی ہوئی چیزوں پر نظر دوڑائی۔ انصاف کی دیوی کا ایک دلکش مجسمہ میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ انصاف کی دیوی کی آنکھوں پر سیاہ رنگ کی پٹی بندھی تھی، اس کے سیدھے ہاتھ میں کوئی مقدس کتاب تھی، الٹے ہاتھ میں جو سیدھے ہاتھ سے قدرے بلند تھا، انصاف کی ترازو جھول رہی تھی۔ اس مجسمے کے ساتھ لکڑی کی بنی ہوئی شطرنج کی بساط رکھی تھی جس پر سفید اور سیاہ ماربل کے مہرے مختلف خانوں میں سجے تھے۔ ہر مہرے کو اس کی حیثیت کی شکل میں بڑی باریک بینی اور مہارت سے تراشا گیا تھا۔ شو کیس میں ایش ٹرے، سگار رکھنے کے منقش ڈبے، سگریٹ کیس، لائٹر، مختلف اقسام کے پائپ، ہاتھی دانت کے سگریٹ ہولڈر، قلمدان، پیپر ویٹ، دیدہ زیب کفلنگ اور اسی قسم کی بے شمار خوبصورت چیزیں موجود تھیں۔

میری نظریں بار بار بوڑھے کی سمت اُٹھ رہی تھیں لیکن اس کی محویت اور استغراق میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری الجھن بڑھنے لگی۔ ایک بار میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ

شاید اس کے بارے میں میرا قائم کردہ قیاس محض میرے پریشان ذہن کا مفروضہ ہو۔ میں نے سوچا، اسے متوجہ کئے بغیر دکان سے اتر کر واپس چلا جاؤں لیکن پھر میں نے غیر اختیاری طور پر زور سے کھنکارا تو بوڑھا اس طرح چونکا جیسے خواب دیکھتے دیکھتے اچانک بیدار ہو گیا ہو۔ اس نے میری طرف نگاہ ڈالی تو جلدی سے کتاب ایک طرف رکھ کر قدم اٹھاتا میرے قریب آ گیا۔

''جی، فرمایئے ـــــ'' اس نے خالص کاروباری انداز میں دریافت کیا۔ ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''آپ مطالعے کے بہت زیادہ شوقین معلوم ہوتے ہیں؟'' میں نے مسکرا کر اسے اس کی غفلت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔ ''میں خاصی دیر سے آپ کی توجہ کا منتظر تھا۔''

''معذرت خواہ ہوں۔'' اس نے بڑے خلوص سے شرمندگی کا اظہار کیا۔ ''دراصل آف سیزن میں یہاں کا کاروبار مندا پڑ جاتا ہے، شاذ و نادر ہی کوئی گاہک بھولے بھٹکے دکانوں کے اندر آنے کی زحمت گوارا کرتا ہے۔ مکھی مارنے سے تو بہتر ہے کہ انسان خود کو مصروف رکھے۔ وقت گزارنے کے خاطر میں ہمیشہ معلوماتی کتابوں کا سہارا لیتا ہوں۔''

''بہت خوب ـــــ'' میں نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔ ''آپ خاصے با ذوق اور پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔''

''یہی جملہ میں آپ کے لئے استعمال کرنے والا تھا۔'' وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''کشمیر امپوریم میں صرف صاحب ذوق افراد ہی تشریف لاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ باہر ہی باہر سے ونڈو شاپنگ کر کے دل بہلاتے گزر جاتے ہیں۔'' اس نے اپنا جملہ مکمل کر کے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔ ''آپ شاید پہلی بار روپ نگر تشریف لائے ہیں اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو غالباً آپ کے یہاں آنے کا مقصد وہ نہیں جو سیاحوں کا ہوتا ہے؟''

''آپ اس قدر یقین سے یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''میں نے جو کچھ عرض کیا وہ میرا ذاتی مشاہدہ ہے۔'' وہ اس بار معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''ہو سکتا ہے میرے تجربے نے مجھے آپ کے سلسلے میں غلط راہ پر ڈال دیا ہو۔''

بہر حال، اگر آپ کو میرا جملہ ناگوار گزرا ہو تو میں......''

''جی نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا اس کی نظریں میرے وجود کی گہرائیوں تک پہنچ رہی ہیں۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا مگر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا، خود کو لاتعلق ظاہر کرنے کی خاطر میں نے شوکیس میں رکھی ہوئی شطرنج اور سگار کے ڈبے کی جانب اشارہ کیا۔ ''میں یہ دونوں چیزیں ذرا قریب سے دیکھنا چاہوں گا۔''

بوڑھے نے خاموشی سے میری مطلوبہ چیزیں نکال کر شوکیس پر رکھ دیں۔ میں شطرنج کے مہروں کو اٹھا اٹھا کر دیکھنے میں مصروف تھا جب اس کی آواز دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ ان مہروں کو اتنی دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔'' اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ آپ نے جن اشیاء کا انتخاب کیا ہے ان کا آپ کے شوق سے بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔''

''کیا مطلب۔۔۔۔۔؟'' میں نے چونک کر اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

''ہو سکتا ہے میرا اندازہ اس بار بھی غلط ہو لیکن میرا ذاتی تجربہ کہتا ہے کہ نہ تو آپ کو شطرنج کے کھیل سے دلچسپی ہے نہ ہی آپ سگار پینے کے عادی نظر آتے ہیں۔''

''ان چیزوں کو ڈیکوریشن کے پیش نظر بھی خریدا جا سکتا ہے۔'' میں نے ایک معقول جواز پیش کیا۔ ''میں اپنے حلقے میں کئی ایسی شخصیات سے واقف ہوں جن کو شکار کا مطلق کوئی شوق نہیں لیکن انہوں نے اپنے ڈرائنگ رُوم کی زینت کی خاطر شیر کی کھال اس کے سر سمیت سجا رکھی ہے، دیواروں پر ہرن اور بارہ سنگھوں کی کھوپڑیاں آویزاں نظر آتی ہیں۔ اسے آپ اپنے تجربوں کی روشنی میں کیا نام دیں گے۔۔۔۔۔؟''

''کیا میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔؟'' اس نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایک شرط پر۔۔۔۔۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''نام کے بعد آپ میرے ہاتھ کی لکیریں دیکھنے کی فرمائش نہیں کریں گے۔''

''منظور ہے۔۔۔۔۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''خاکسار کو دانش کہتے ہیں۔''

''آپ کی طرح آپ کا نام بھی خوبصورت ہے۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا، پھر سپاٹ آواز میں پوچھا۔ ''کیا یہ چیزیں پیک کر دوں؟''

''جی ہاں۔۔۔۔۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا، پھر شطرنج اور سگار کے ڈبے کو بڑی نفاست سے پیک کرنے لگا۔ پیکنگ کے دوران بھی اس کی نظریں ایک دو بار میرے چہرے کی جانب اٹھیں۔ ان نگاہوں میں بلا کا اعتماد نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ سمجھ چکا تھا کہ میں اس کے ساتھ محض رابطہ بڑھانے کی خاطر کاروباری انداز اختیار کر رہا ہوں ورنہ وہ دُکان میں میری آمد کے اصل مقصد سے بخوبی واقف تھا۔ اسی کی نگاہوں کا مقناطیسی اثر تھا جس نے مجھے کشمیر امپوریم میں داخل ہونے پر اُکسایا تھا۔ میرے ذہن میں پھر سوالوں کی یلغار شروع ہو گئی۔۔۔۔۔ 'وہ اجنبی بوڑھا میرے بارے میں کیا جانتا تھا؟ اس نے خاص طور پر میرا نام پوچھنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔۔۔۔۔؟ کیا وہ میرے نام سے اپنے کسی شبہے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا؟۔۔۔۔۔ کیا اسے میرے روپ نگر آنے کا اصل مقصد معلوم تھا؟۔۔۔۔۔ اگر ایسا تھا تو پھر وہ میرے والد کی پراسرار موت کی کہانی سے بھی ضرور واقف ہو گا۔۔۔۔۔؟ ممکن ہے وہ کسی ایسے راز سے بھی آگاہ ہو جو ملزموں تک میری رہنمائی کر سکے۔۔۔۔۔ میری ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔؟'

میرے ذہن میں مختلف سوالات ابھر رہے تھے، میں اپنے خیالات میں گم تھا جب اس نے پیکنگ مکمل کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

''اس دکان پر آنے والے بیشتر افراد انصاف کی دیوی میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔''

''کوئی خاص وجہ۔۔۔۔۔؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

''ہو سکتا ہے کہ آپ پھر میری بات سے اتفاق نہ کریں۔'' اس نے بڑے فلسفیانہ اور چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''میں دلوں میں جھانکنے کی ماورائی قوت نہیں رکھتا لیکن جب بھی کوئی گاہک انصاف کی دیوی خریدنے میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے تو مجھے اس پر تعجب ضرور ہوتا ہے۔''

''وہ کیوں ـــــ؟''

''بڑی عام سی بات ہے میرے محترم!'' اس نے شانے اچکا کر میری آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے کہا۔ ''انصاف کرنے والا کبھی خریدا نہیں جاتا ـــــ یہ اور بات ہے کہ حالات اور وقت کی نزاکتیں اس کو بک جانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انصاف کی دیوی کی آنکھوں پر سیاہ پٹی کبھی نہ باندھی جاتی ـــــ دانشور قانون کو اندھا نہ کہتے۔'' وہ ایک ثانئے کو خاموش ہوا، پھر سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے ـــــ؟''

مجھے اس کی پراسرار نظریں اپنے وجود کی گہرائیوں میں کسی نشتر کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں، وہ شاید اس کی ٹھوس اور گمبھیر آواز کا سحر تھا جو مجھے عملِ تنویم کی سی کیفیتوں سے دوچار کر رہا تھا، بوڑھا کسی زہریلے ناگ کی مانند اپنی کنڈلی کے بل آہستہ آہستہ کھول رہا تھا۔ میں اس کی پہلودار شخصیت کے پیچ وخم میں اُلجھنے لگا۔

''میرے محترم ـــــ'' بوڑھا کچھ توقف کے بعد مدھم آواز میں بولا۔ ''قانون کی موشگافیاں بھی مخفی قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہیں ـــــ گواہی، شہادت اور چشم دید گواہ کٹھ پتلی کے تماشوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، انصاف کی ترازو کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وزن کرنے والے اوزان (باٹ) دوسروں کے پاس ہوتے ہیں، ترازو کا پلڑا اسی کے حق میں جھکتا ہے جدھر وزن زیادہ ہو۔ حقیقت اور سچائی کسی نوجوان بیوہ کی طرح سر پیٹتی رہ جاتی ہے۔ جیت اور ہار میں ٹکسالی سکوں کی اجارہ داری بھی چلتی ہے لیکن ـــــ'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔ ''جہاں سرے سے کوئی عینی گواہ نہ ہو، کوئی سراغ نہ ہو، عقل سلیم کوئی کام نہ کر سکے، وہاں قانونی کارندے بھی بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کسی چلیپائی اشارے میں ایک لفظ کا غلط انتخاب دو غلطیوں کا سبب بن جاتا ہے، پھونک پھونک کر قدم اٹھانے والے بھی اکثر اندھیرے میں کسی نامعلوم سمت سے آنے والی گولی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ روح اور جسم کے مربوط رشتے سوت کے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ جاتے ہیں اور پھر ـــــ''

بوڑھا بولتے بولتے یکلخت خاموش ہو گیا۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی آنکھیں موند لیں، گردن کو نیم دائرے کی صورت میں حرکت دینے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی کا راج تھا۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا، اندھیرے میں

امید کی جوٹمٹماتی کرن مجھے نظر آئی تھی وہ بتدریج روشن ہو رہی تھی۔ ''سوت کے کچے دھاگے'' کے حوالے پر میرا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ بوڑھا میرے والد کی پراسرار موت کے کسی اہم راز سے ضرور واقف ہے۔ میں خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا، میرے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ بوڑھے کے ذریعے میں اپنے والد کی موت کے اسباب تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بوڑھا خاصی دیر تک اپنے سر کو جنبش دیتا رہا پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''آپ ابھی کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گئے تھے ـــــ'' میں نے اسے کریدنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔

''میں ـــــ؟'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھے تعجب سے دیکھا۔ ''کیا کہہ رہا تھا میں؟''

اس کا جواب سن کر میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا، مجھے اس کے لب ولہجے میں حیرت انگیز تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ انصاف کی دیوی کے تذکرے سے لے کر کچے سوتی دھاگے کے مخصوص حوالے تک اس نے تمام باتیں پورے ہوش وحواس میں کی تھیں لیکن اب وہ مجھے اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اسے سرے سے کچھ یاد ہی نہ ہو۔ اس کی نگاہوں میں اجنبیت کا احساس تھا۔

''آپ ـــــ'' میں نے اسے دوبارہ یاد دلانے کی کوشش کی۔ ''آپ اندھے قانون کے حوالے سے روح اور جسم کے رشتے کی بات کر رہے تھے۔ موضوع انصاف کی دیوی تھا۔ آپ نے خاص طور پر سوت کے کچے دھاگے کا ذکر کیا تھا۔'' میں نے آخری جملے پر زور دیا۔ میں اسے گفتگو کے ٹوٹے ہوئے سلسلے کی جانب واپس لانا چاہتا تھا لیکن وہ مجھے بدستور اس انداز میں گھورتا رہا جیسے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں اُلجھن کے تاثرات پیدا ہو رہے تھے۔ پھر وہ میرے چہرے سے نظریں ہٹا کر شوکیس پر رکھے ہوئے بنڈل کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ ـــــ یہ پیکٹ شاید آپ ہی کا ہے۔ کیا خریدا تھا جناب نے؟''

میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ وہ یا تو نسیان کا مریض تھا یا پھر بڑی شاندار اداکاری کر رہا تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے اسے از سر نو دکان پر اپنے آنے اور اس سے ہونے والی گفتگو

کی پوری تفصیل سنا ڈالی۔ وہ میری بات سن کر ہونٹ چبانے لگا۔ کچھ دیر خاموش کھڑا اپنی یادداشت کریدنے کی کوشش یا اداکاری کرتا رہا، پھر بڑی معصومیت سے بولا۔

''مجھے اب دوستوں کی باتوں کا یقین کر لینا چاہئے۔ وہ جو کہتے ہیں غلط نہیں کہتے۔'' بوڑھے نے ہونٹ چباتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''کیا کہتے ہیں وہ؟'' میں نے نرم آواز میں دریافت کیا۔

''ان کا بیان ہے کہ میں شاید سٹھیا گیا ہوں، بہکی بہکی باتیں شروع کر دیتا ہوں پھر خاموش ہو جاتا ہوں ۔۔۔۔ اس کے بعد میں ان عجیب و غریب باتوں کو یکسر بھول جاتا ہوں جو میری زبان سے ادا ہوتی ہیں ۔۔۔۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''شاید میری یادداشت زیادہ دیر تک میرا ساتھ نہیں دیتی۔ میرے واقف کار، میرے ساتھی کہتے ہیں کہ میں اب زیادہ بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھے کاروبار سے کنارہ کش ہو کر گھر پر آرام کرنا چاہئے ۔۔۔۔ میں ان کی باتوں کو مذاق سمجھتا تھا، بے تکلف دوستوں کے درمیان اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن آج ۔۔۔۔'' وہ کچھ توقف کے بعد تھکے تھکے لہجے میں بولا۔ ''آپ کی باتیں سن کر مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میرے ساتھی غلط نہیں کہتے۔ اب مجھے زندگی کے ہنگاموں سے الگ تھلگ ہو کر پرسکون زندگی گزارنے کی ضرورت ہے۔''

بوڑھے کی باتوں نے میرے اندر ایک ہلچل سی مچا دی۔ میں اس کی باتوں کو محض نسیان کی بیماری سمجھ کر فراموش کر دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس کا طرزِ عمل بے حد پراسرار تھا۔ اس نے جس انداز میں مجھ سے گفتگو کی تھی، اس کا ایک ایک پہلو معنی خیز تھا۔ میں بلاوجہ کشمیر امپوریم میں نہیں گیا تھا۔ اس بوڑھے کی نگاہوں کی مقناطیسی کشش نے مجھے اپنی طرف راغب کیا تھا۔ انصاف کی دیوی کے حوالے سے اس نے مجھے میرے والد کی موت کے کسی اہم راز سے آگاہ کرنے کی خاطر جرم اور قانون کا ذکر چھیڑا تھا۔ موت کے کچے دھاگے والی بات اس نے خاص طور پر بہت سوچ سمجھ کر کہی تھی لیکن اس کے بعد اس نے اچانک آنکھیں بند کر لیں ۔۔۔۔ اور اب وہ مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا اسے مطلق یاد نہیں رہا ۔۔۔۔ میرے ذہن میں اتھل پتھل جاری تھی، میں سوچ رہا تھا ۔۔۔۔ کیا اس نے میرے ساتھ جو باتیں کی تھیں وہ محض اتفاق تھا؟ ۔۔۔۔ اس نے باتیں کرتے کرتے آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟ ۔۔۔۔ کیا اسے اپنی کسی غلطی کا احساس ہو گیا

تھا؟ ۔۔۔۔ وہ اپنی باتوں سے منکر ہونے کی کوشش کیوں کر رہا تھا ۔۔۔۔؟ کیا کسی نادیدہ خطرے کے احساس سے خوفزدہ ہو کر اس نے اپنی زبان پر تالے ڈال لئے تھے ۔۔۔۔؟ اصل راز کیا تھا؟ حقیقت کیا تھی ۔۔۔۔؟

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو مرض کے حملے کے دوران میری زبان سے یقیناً کوئی ایسی بات نکل گئی ہے جو آپ کو ناگوار گزری ہے۔'' بوڑھے نے بڑے معصوم انداز میں کہا۔ ''اگر ایسا ہے تو میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اپنے کسی گاہک کو ناراض کرنا یا اس کی دل آزاری کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ۔۔۔۔''

''محترم، آپ نسیان کے جس مرض کا شکار ہیں، کیا کوئی ڈاکٹر بھی اس کی تصدیق کر چکا ہے؟'' میں نے اسے کریدنے کی خاطر سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

''جی نہیں ۔۔۔۔'' اس نے بڑی ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ ''میں نے آج تک کبھی کسی معالج کے مطب میں قدم نہیں رکھا، ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔ ویسے بھی میں ڈاکٹری دواؤں سے زیادہ جڑی بوٹیوں پر اعتقاد رکھتا ہوں۔''

''لیکن آپ کے مرض کی نوعیت ۔۔۔۔''

''یہ میرے واقف کاروں کا خیال ہے۔'' اس نے الجھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے آج سے پیشتر کبھی ان کی باتوں پر سنجیدگی سے غور بھی نہیں کیا۔''

''مجھے بھی ان کی تشخیص سے اتفاق نہیں ہے۔'' میں نے اس بار قدرے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کچھ دیر پیشتر آپ اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی روشنی میں جو فلسفیانہ گفتگو فرما رہے تھے وہ بھی نسیان کے مرض کی نفی کرتی ہے۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، میری بات سن کر حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔

''آپ نے میرا نام بھی دریافت کیا تھا ۔۔۔۔'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر آخری ضرب لگائی۔ ''خاکسار کو دانش کہتے ہیں ۔۔۔۔''

''دانش ۔۔۔۔'' اس نے دوبارہ اس انداز میں پلکیں جھپکانی شروع کر دیں جیسے کسی بھولی بسری بات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات غمازی کر رہے تھے کہ وہ میرا نام سن کر کسی بے چینی سے دوچار ہو گیا تھا۔ راکھ کے ڈھیر میں کہیں کوئی چنگاری ضرور دبی ہوئی تھی جس کی تلاش میں اس کی کشادہ پیشانی پر ابھرنے والی شکنیں

آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر وہ گم صم کھڑا رہا پھر سر جھٹک کر بولا۔ ''دانش ــــــ یہ نام میں پہلے بھی کہیں سن چکا ہوں۔ لیکن کب؟ ــــــ کہاں اور کس سلسلے میں؟ یہ یاد نہیں آ رہا۔''

میں نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔ میرا ذاتی خیال تھا کہ وہ اداکاری نہیں کر رہا لیکن اس کی شخصیت مجھے بہرحال پراسرار محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے فوری طور پر اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنے قیام میں ایک روز کا اضافہ کر کے میں نے بوڑھے سے دوبارہ ملنے کی ٹھان لی۔ شاید دوسری ملاقات میں اس کے منہ سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔ میری چھٹی حس بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ وہ میرے والد کے قتل کے معمے کے کسی نہ کسی راز سے ضرور واقف ہے۔

میں نے پلیٹ اٹھا کر رقم کی ادائیگی کی تو اس نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

''جی نہیں ــــــ'' میں نے اس بار بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا۔

''ایک بات دریافت کروں؟'' اس نے میری بے رخی کو محسوس کرتے ہوئے مسمسی صورت بنا کر پوچھا۔ ''کیا میں واقعی سٹھیا گیا ہوں؟''

''اس خیال کو ذہن سے نکال دیجئے۔'' میں نے اسے ہمدردی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''کبھی کبھی عام تندرست اور جوان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ روانی میں بات کرتے کرتے یکلخت خاموش ہو جاتے ہیں ــــــ انہیں یاد نہیں رہتا کہ وہ کس موضوع پر بات کر رہے تھے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اس ضمن میں کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی آخری فیصلہ کریں۔''

''آپ کا قیام روپ نگر میں کب تک ہے ــــــ؟'' اس نے میرے جواب پر غور کرنے کی بجائے ایک بار پھر مجھے بہت غور سے دیکھا۔

''میں پرسوں صبح واپس چلا جاؤں گا۔'' میں نے دیدہ و دانستہ لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''گویا کل بھی آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے ــــــ؟''

''کس سلسلے میں ــــــ؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''وہ بات ــــــ!'' اس نے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کھجاتے ہوئے سادگی سے جواب دیا۔ ''وہ بات جو آج میں بھول رہا ہوں شاید کل یاد آ جائے۔ امید پر تو دنیا قائم ہے۔''

میں نے جواب میں مسکرا کر اس سے رخصتی مصافحہ کیا، پھر دوسرے دن ملاقات کا وعدہ کر کے دکان سے نیچے اتر آیا۔ میرے ذہن میں بدستور بوڑھے کی پراسرار شخصیت کلبلا رہی تھی، کاروباری میدان میں میرا تجربہ گو بڑا مختصر تھا لیکن میرا واسطہ اب تک ہزاروں افراد سے پڑ چکا تھا۔ بوڑھے کی شخصیت ان سب سے مختلف تھی۔ حقیقت کیا تھی یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا لیکن راستے بھر ایک خیال میرے دل و دماغ میں بار بار ابھرتا رہا، بوڑھے نے سوت کے کچے دھاگے کا تذکرہ جس انداز میں زور دے کر کیا تھا وہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اس دھاگے کے بارے میں کوئی اہم بات بھی ضرور جانتا ہوگا لیکن کسی مصلحت کی بناء پر اس نے وقتی طور پر اپنی زبان بند کر لی تھی۔ 'اس نے ایسا کیوں کیا؟' میں نے سوچا۔ 'اگر وہ کوئی اہم راز مجھے بتانے کا خواہشمند تھا تو پھر اس نے گریز سے کام کیوں لیا؟ کیا اسے کسی بات کا اندیشہ لاحق تھا ــــــ؟ اگر ایسا تھا تو پھر اس نے مجھ سے دوبارہ ملاقات کی بات کیوں کی ــــــ؟ وہ میرا نام سن کر کیوں چونکا تھا؟'

میں واپسی میں تمام راستے اسی بوڑھے کے بارے میں سوچتا رہا۔ اپنی رہائش پر پہنچ کر میں نے دو ایک ضروری فون کال کیں، والدہ سے گفتگو کی پھر لباس تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا۔ میں بوڑھے کے خیال کو ذہن سے نکال دینا چاہتا تھا لیکن اس کا تصور جونک بن کر میرے وجود سے چمٹ گیا تھا۔ پھر میں شاید اسی کے بارے میں سوچتے سوچتے غنودگی کا شکار ہو گیا۔ دوبارہ میری آنکھ اس وقت کھلی جب دروازے پر ہونے والی دستک نے مجھے ہوشیار کیا۔ میں جماہی لیتا ہوا بستر سے نیچے اترا، دیوار گیر کلاک پر نظر پڑی تو مجھے احساس ہوا کہ شام کے پانچ بج رہے ہیں۔ میں سارا دن بے خبر سوتا رہا تھا، دوپہر کے کھانے کا ہوش بھی نہیں رہا، ذہن پر اس وقت بھی ہلکا ہلکا بھاری پن طاری تھا۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر میرا مقامی ملازم، جسے میں نے مکان لیتے وقت ضروری خدمت کے لئے صاحب خانہ کے ذریعے اپنی قیام کی مدت تک کے لئے انگیج کیا تھا بڑی مستعدی سے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"ساب جی——" اس نے مجھے دیکھ کر سلام کرتے ہوئے کہا۔ "آج آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں دو گھنٹہ پہلے بھی ایک دو بار دروازہ کھٹکھٹا چکا ہوں—— طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

"میں عام طور سے اتنی دیر سونے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے آسمان پر گھرے بادلوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم ایسا کرو دو کپ بہت اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔"

"کوئی مہمان آنے والا ہے——؟" اس نے سوال کیا۔

"دو کپ گرما گرم چائے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "زیادہ سوال نہ کیا کرو۔"

"غلطی ہو گیا ساب——" اس نے قدرے گھبرا کر جواب دیا۔ "دوبارہ صرف اپنے کام سے کام رکھوں گا۔ آپ نے یہی سمجھایا تھا۔"

مقامی ملازم جس کا نام گلزار خان تھا اپنا جملہ مکمل کر کے چلا گیا۔ میں نے حسب عادت ہلکا سا شاور لیا، گرم پانی سے نہانے کے بعد طبیعت پر طاری کسلمندی خاصی حد تک دور ہو گئی۔ میں لباس تبدیل کر کے باہر والے کمرے میں آیا تو چائے کی ٹرے پہلے سے گول میز پر موجود تھی۔ گلزار خان بھی سامنے ہی کھڑا تھا۔ میں نے اسے چائے بنانے کا اشارہ کیا تو وہ بڑی مستعدی سے چائے تیار کرنے لگا۔ میں نے کرسی پر بیٹھ کر گلزار خان کا ذرا تفصیلی جائزہ لیا، وہ پچیس اور تیس کے درمیان نظر آتا تھا۔ صورت شکل سے ذہین بھی لگتا تھا۔ بات زیادہ کرنے کا عادی تھا اس لئے میں نے پہلے ہی دن اس کو "گربہ کشتن روز اول بہ" کے اصول کے پیش نظر صرف کام سے کام رکھنے کی تاکید کی تھی۔ چنانچہ اس نے چائے کے دونوں کپ تیار کر دیئے اور مجھ سے مزید سوال کئے بغیر جانے کے ارادے سے پلٹنے لگا تو میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو——؟"

"میں باہر کھڑا رہوں گا ساب—— آپ چائے پی کر مجھے آواز دے لینا——" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"دوسرا کپ چائے کون پئے گا——؟" میں نے سوال کیا۔ پھر اس سے پیشتر کہ وہ گڑبڑا کر کوئی جواب دیتا میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دوسرا کپ چائے تمہارے لئے ہے۔ آج تم بھی میرے ساتھ چائے پیو گے۔"

میری خلاف توقع دعوت پر وہ ایک لمحے کو تذبذب کا شکار ہوا لیکن پھر اس نے بڑی سعادت مندی سے دوسرا کپ اٹھایا اور زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"تم کچھ پڑھے لکھے بھی ہو——؟" میں نے کچھ سوچ کر گفتگو کا آغاز کیا۔

"صرف چار جماعت تک پڑھا تھا ساب۔" اس نے میری طرف دیکھ کر جواب دیا۔ "پھر والد ساب اللہ کو پیارا ہو گیا تو پڑھائی چھوڑ کر کام سے لگ گیا۔ کام نہ کرتا تو ماں اور بھائی بہن کا پیٹ کہاں سے بھرتا——"

"ایک مہینے میں کتنا کما لیتے ہو——؟" میں نے پوچھا۔

"ادھر پگار (تنخواہ) کا رواج نہیں ہے ساب۔" اس نے تفصیل بیان کی۔ "سیٹھ لوگ مکان کی چوکیداری کا سو ڈیڑھ سو روپے دیتا ہے، باقی اوپر والے کی مرضی ہے کہ وہ سیزن پر کس کو کتنی بخشش دلوا دے۔ ہم لوگ جوڑ جوڑ کر کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر گزارہ بڑا مشکل ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے وہی دو وقت کی روکھی سوکھی کا بندوبست بھی کر دیتا ہے۔"

"تم کسی بڑے ہوٹل میں ملازمت کیوں نہیں کرتے؟" میں نے یوں ہی اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔ "وہاں بڑے لوگ اور سیاح وغیرہ ٹھہرتے ہیں۔ ٹپ اور بخشش بھی زیادہ ملتی ہوگی۔"

"اس ملازمت کے لئے گٹ پٹ بھی ضروری ہوتی ہے ساب۔ چار پانچ جماعت پڑھنے والوں کو کوئی دروازے کے اندر بھی قدم نہیں رکھنے دیتا—— سب اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔"

میں گلزار خان کو کچھ دیر تک کریدتا رہا، پھر ایک موہوم سی امید پر فزارد میں اپنے والد صاحب کو پیش آنے والے سانحے کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اسے اپنی عافیت اچانک خطرے میں پڑتی نظر آ رہی ہو۔ چائے کا آخری گھونٹ حلق کے نیچے بمشکل اتارنے کے بعد اس نے مجھے دزدیدہ نظروں سے گھورتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔

"ساب—— آپ کا تعلق پولیس یا سی آئی ڈی سے تو نہیں ہے——؟"

"کیا مطلب——؟" میں نے اس کے اندر پیدا ہونے والی نمایاں تبدیلی کو محسوس

کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ادھر عام لوگ اس بڑے ساب کی موت کی بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔'' گلزار خان نے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ ''پولیس اور سادہ لباس والوں نے ادھر کام کرنے والوں کو بہت تنگ کیا تھا۔ جرم کسی نے کیا اور سزا بے گناہ غریب آدمی کو بھگتنی پڑی۔ کوئی چھوٹا آدمی قتل ہو جائے تو سرکاری لوگ ناک پر رومال رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ کوئی سیٹھ یا بڑا آدمی مارا جائے تو پولیس ڈنڈا لے کر ہم جیسے لوگوں کو مارنا شروع کر دیتی ہے ـــــ ایسا کیوں ہوتا ہے ساب؟'' اس نے ایک گھسا پٹا سوال کیا۔ ''کیا ہماری کوئی عزت نہیں ہوتی؟''

''پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتیں گلزار خان۔'' میں نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''اس شبہے کو بھی دل سے نکال دو کہ میرا تعلق پولیس یا سی آئی ڈی سے ہے۔''

''پھر ـــــ آپ کو فرارو والے کیس کا دھیان کیسے آ گیا؟'' اس نے کسمسا کر کہا۔ ''اب تو اس مرنے والے کی ہڈیاں بھی قبر میں گل سڑ چکی ہوں گی۔''

گلزار خان کا جواب سن کر میرے دل پر ایک چرکا سا لگا۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لے کر دبی زبان میں کہا۔ ''مرنے والے کا مجھ سے بڑا گہرا تعلق ہے گلزار خان؛ گوشت اور ناخن جیسا تعلق۔ میں یہاں سیر سپاٹے کی خاطر نہیں آیا ہوں، اس قاتل کی تلاش میں آیا ہوں جس نے میرے سر سے باپ کا سایہ چھین لیا، مجھے یتیم کر دیا۔ مجھ پر بھروسہ کرو، میں غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا۔'' میں نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''اگر تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر دو تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

گلزار خان کے چہرے پر میرے لئے ہمدردی کے جذبے منڈلانے لگے۔ ایک ثانئے تک وہ مجھے دوستانہ نظروں سے دیکھتا رہا، پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''آپ نے ادھر آنے میں دیر کر دی ساب ورنہ ایک آدمی آپ کا مدد کر سکتا تھا۔''

''کون تھا وہ؟ ـــــ اب کہاں ہے؟'' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ ''مجھے اس کا نام اور پتہ بتاؤ، میں اسے دنیا کے کسی کونے سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔''

''وہ خدائی خوار نہ جانے کدھر گم ہو گیا۔'' گلزار خان نے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''جب واردات ہوا تب وہ فرارو میں گھومتا پھرتا نظر آتا تھا۔ پولیس اس کو بھی

پکڑ لے گیا تھا۔ سب سے زیادہ کٹائی اسی کا ہوا لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ بعد میں چھٹ کر آیا تو بڑے یقین سے چھاتی ٹھونک کر بولتا تھا کہ پولیس کا فرشتہ لوگ بھی واردات کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک بار اس کافر کا بچہ نے مجھے بھی کہا تھا کہ جو کچا دھاگا مرنے والے کے پاس ملا تھا وہی اصل فساد کا جڑ تھا۔''

''کیا مطلب ـــــ؟'' میں کچے دھاگے کے حوالے پر چونکا۔ میرے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

''مطلب تو اوپر والا ہی جانتا ہو گا لیکن اس بدذات نے یہی کہا تھا کہ مرنے والا کا سارا خون وہی کچا دھاگا پی گیا تھا۔'' گلزار خان نے کہا۔ ''حوالات سے بری ہونے کے بعد وہ اسی قسم کا الٹا سیدھا بات کرتا تھا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ اس طرح غائب ہو گیا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس کے گم ہونے کے بعد پتہ چلا کہ وہ ذات کا ہندو تھا۔''

''یہ بات کس طرح معلوم ہوئی ـــــ؟'' میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''وہ جس مکان میں رہتا تھا، اس کے غائب ہونے کے بعد وہاں سے کوری ہانڈیاں، چھوٹی چھوٹی مورتیاں، کچے سوت کے دھاگے کے گولے اور اسی قسم کا سامان ملا تھا جو کسی مسلمان کے گھر میں نہیں ہوتا۔ سیندور اور بھیس بدلنے کا سامان بھی پایا گیا تھا۔''

''کیا پولیس کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوا ـــــ؟''

''مالک مکان نے اس خدائی خوار کے اڑن چھو ہونے کے بعد پولیس کو آگاہ کیا تھا۔ تھانے کے بڑے افسروں نے بھی پورے روپ نگر کا کونا کونا جھانک ڈالا مگر اس کا کوئی نشان نہیں ملا۔''

گلزار خان مجھے تفصیل سے تمام باتیں بتاتا رہا لیکن میں سوائے اس کے کوئی اور نتیجہ اخذ نہیں کر سکا کہ میرے والد کی موت کسی ایسے چمار ذات ہندو کی خباثت کا نتیجہ تھا جس نے سفلی کے گندے عمل کے ذریعے انہیں مارنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس منصوبے کی پشت پر یقیناً کسی ایسے دشمن کا ہاتھ رہا ہو گا جو یا تو والد صاحب کا کوئی کاروباری حریف ہو سکتا تھا یا پھر اس نے کسی ذاتی پرخاش کے پیشِ نظر سفلی کا عمل کرنے والے کسی ماہر کی خدمات حاصل کی ہوں گی۔ میں نے مختلف زاویوں سے گلزار خان کو ٹٹولا لیکن کوئی ایسی قابلِ ذکر بات نہیں معلوم کر سکا جو اصل قاتل تک میری رہنمائی کر سکتی البتہ میں نے اس کا حلیہ ضرور

ذہن نشین کر لیا۔ گلزار خان کے بیان کے مطابق وہ ادھیڑ عمر کا ایک پڑھا لکھا شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرضی نام سلامت خان تھا جس کی گردن پر بائیں جانب گہرے زخم کا نشان دور سے نظر آتا تھا۔ والد صاحب کی موت سے کچھ دنوں پیشتر ہی اس نے روپ نگر پہنچ کر نشیبی علاقے میں ایک کمرے کا مکان حاصل کیا تھا۔ اس کا زیادہ وقت فزارو میں ہی گزرتا تھا جہاں وہ دونوں وقت کا کھانا بھی کھاتا تھا۔ ویٹروں کو لمبی لمبی ٹپ دینے کا عادی تھا۔ ہمیشہ قیمتی اور ڈھنگ کے لباس میں نظر آتا تھا اس لئے کسی کو اس پر کوئی شبہ بھی نہیں ہوا۔ ویسے بھی تفریحی مقامات پر کسی کی ذات برادری، اونچ نیچ اور کالے گورے کی کھوج ضروری نہیں سمجھی جاتی، سب اپنے اپنے رنگ و ڈھنگ میں مست نظر آتے ہیں۔

بات چونکہ ڈیڑھ سال پرانی تھی اس لئے میں نے گلزار خان کے بتائے ہوئے مشتبہ شخص کے بارے میں کوئی چھان بین ضروری نہیں سمجھی، میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اپنے بارے میں کوئی تشہیر کروں۔ میری توجہ کا مرکز وہی ایک بوڑھا رہ گیا تھا جس نے میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل مچا رکھی تھی۔

گلزار خان کی فراہم کردہ اطلاع بھی میرے لئے کسی موقع پر کارآمد ہو سکتی تھی۔ ایک کپ چائے کی دعوت کے عوض مجھے کم از کم یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ میرے والد کی موت سفلی کے عمل کا نتیجہ تھی جس کا شبہ میرے کچھ واقف کار پہلے بھی کر چکے تھے لیکن میں وہ اسباب اور وجوہات معلوم کرنے کا خواہشمند تھا جو موت جیسے سانحے کا محرک بنے تھے۔ گلزار خان کو میں نے ایک معقول رقم دے کر تاکید کر دی تھی کہ وہ میرے بارے میں کسی اور کے سامنے اپنی زبان نہ کھولے۔

روپ نگر میں میری وہ آخری رات بڑی بے چینی اور کرب میں گزری۔ میں ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ والد صاحب کی موت کے بہت سارے امکانی پہلو میرے ذہن میں ابھرتے رہے، ایک دو ایسے ہندو کاروباری حریفوں کے نام بھی ذہن میں گونجے جن پر شبہ کیا جا سکتا تھا لیکن بغیر کسی اہم ثبوت کے کوئی کارروائی ممکن نہیں تھی۔ اس کے علاوہ والدہ کی زبانی مجھے یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ والد صاحب نے کبھی ان سے اپنے کسی دشمن کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھے بھی کاروبار سنبھالے ایک عرصہ ہو چکا تھا لیکن میں نے کسی کو اپنا مخالف یا دشمن نہیں محسوس کیا۔ والد صاحب کے ہندو دوست بھی ہر قسم کا تعاون کرتے

تھے۔ کبھی کوئی معمولی بات بھی ایسی نہیں ہوئی جس کی بناء پر کسی پر شک کیا جا سکتا۔

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ گلزار خان نے بیدار ہوتے ہی ناشتے کا اہتمام شروع کر دیا تھا۔ میں نے ناشتے سے فارغ ہو کر سب سے پہلے کشمیر امپوریم کا رخ کیا۔ میں بار بار خدا سے یہ دعا مانگ رہا تھا کہ کاش بوڑھے کو آج وہ بات یاد آ جائے جو کل اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ لیکن کشمیر امپوریم میں قدم رکھتے ہی بوڑھے کی جگہ ایک نوجوان کو جھاڑ پونچھ میں مصروف دیکھ کر مجھے پہلا جھٹکا لگا۔ پھر جب میں نے نوجوان سے بوڑھے کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے اس طرح حیرت سے گھورنے لگا جیسے میں کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔ مجھے اس کا وہ انداز گراں گزرا۔

"کیا بات ہے ____؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں ____؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ غلطی سے کشمیر امپوریم میں آ گئے ہیں۔" اس نے روکھے انداز میں کہا۔ "یہاں کبھی کسی بوڑھے کا کوئی وجود نہیں رہا۔ جب سے یہ دکان قائم ہوئی ہے میں بلا شرکت غیرے اس کا مالک ہوں۔ میں نے کبھی کسی ملازم کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی۔"

"لیکن میں ____"

"ہو سکتا ہے آپ اپنی مطلوبہ دکان بھول گئے ہوں ____" وہ میرا جملہ کاٹ کر بے رخی سے بولا۔ "بازار کا ایک چکر لگا لیں۔ شاید آپ کو اپنی غلطی کا اندازہ ہو جائے۔"

"ممکن ہے آپ درست فرما رہے ہوں۔ لیکن میری یادداشت اتنی بھی کمزور نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔" میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "صرف چوبیس گھنٹے پیشتر کی بات ہے جب میں نے اسی کشمیر امپوریم سے کچھ گفٹ آئٹم خریدے تھے۔" میں نے شوکیس میں رکھی ہوئی اشیاء کی طرف اشارہ کر کے وہاں موجود دوسری شطرنج اور سگار کے ڈبے کا حوالہ دیا تو وہ عجیب انداز میں مسکرا کر بولا۔

"اس قسم کے آئٹم اور بھی کئی دکانوں پر ملتے ہیں، کشمیر امپوریم سے ملتے جلتے اور بھی کئی نام آپ کو یہاں نظر آئیں گے۔"

"لیکن میں پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے گزشتہ روز اسی دکان

سے خریداری کی تھی ــــــ'' میں نے قدرے جھلا کر جواب دیا تو اس کے ہونٹوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

''محترم، آپ بلاوجہ ایک غلط بات پر اصرار کر رہے ہیں۔'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ایک گھریلو تقریب کی وجہ سے گزشتہ دو روز سے یہ دکان بند تھی۔ آپ اپنی تسلی کی خاطر پڑوس کے دکانداروں سے تصدیق کر سکتے ہیں۔''

اس کا جواب سن کر میں چکرا گیا۔ بوڑھے کی شخصیت میرے لئے اور زیادہ پراسرار بن گئی۔ میں ابھی اس حیرت انگیز صورت حال سے دوچار تھا جب نوجوان نے میرے چہرے کے تاثرات سے میری ذہنی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے پہلی بار مہذب انداز میں مجھے مخاطب کیا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی یکسانیت کی وجہ سے بھول چوک ہو جاتی ہے۔ آپ اگر مجھے اپنے مطلوبہ بوڑھے شخص کا تفصیلی حلیہ بتائیں تو شاید میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔''

میں نوجوان کی بات سن کر اور تلملا گیا، مجھے یقین تھا کہ وہ کسی وجہ سے میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ شاید وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں خریدی ہوئی اشیاء واپس کرنا چاہتا ہوں یا اس کے کسی نقص کی نشان دہی مقصود تھی چنانچہ وہ ڈھٹائی اور تجاہل عارفانہ سے کام لے کر مجھے ٹالنے کے بہانے تراش رہا تھا۔ لیکن جب میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بوڑھے کا تفصیلی حلیہ بیان کیا تو وہ مجھے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر گھورنے لگا جیسے اسے میرے صحیح العقل ہونے پر بھی شبہ ہو رہا ہو۔

''کیا ہوا ــــــ؟'' میں نے زہرخند سے پوچھا۔ ''کیا آپ اب بھی میری کوئی رہنمائی نہیں کریں گے؟''

''کون ہو تم ــــــ؟'' اس نے مجھے نفرت سے گھورا۔ ''کیوں میرے زخموں کو کریدنے کی کوشش کر رہے ہو ــــــ؟''

''کیا مطلب ــــــ؟'' میں نے سنجیدگی سے وضاحت چاہی۔ ''کیا تم اس بوڑھے سے ــــــ''

''فضول باتیں مت کرو ــــــ'' نوجوان نے غصے کا اظہار کیا۔ ''اگر میرے والد کے ذمہ تمہاری کوئی رقم واجب الادا ہے تو مجھے بتاؤ، میں اسے ادا کرنے کو تیار ہوں۔ گڑے مردے اکھیڑنے سے تمہیں کیا حاصل ہوگا ــــــ؟''

''تو کیا ــــــ؟'' میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں ــــــ'' نوجوان نے سرد اور سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''ان کو اس دنیا سے رخصت ہوئے دس سال گزر چکے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ مرنے والے کی روح پر کوئی بوجھ رہے۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔ ''تم سے پہلے بھی ایک دو آدمی پرانا حساب نکال کر سامنے آ چکے ہیں، میں نے کسی سے کوئی دستاویز، کوئی ثبوت نہیں مانگا، جس نے جو رقم بتائی وہ خاموشی سے ادا کر دی۔ میں تمہیں بھی مایوس نہیں کروں گا لیکن اس طرح کسی مرنیوالے کا مضحکہ اڑانا ــــــ''

''نہیں ــــــ'' میں نے اس کی بات کسی حد تک سمجھتے ہوئے جلدی سے معذرت خواہ لہجہ اختیار کیا۔ ''میں تمہارے پاس کسی پرانے حساب کتاب کی غرض سے نہیں آیا لیکن ــــــ'' میں نے تھوڑے توقف سے بڑی سنجیدگی سے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بھی غلط نہیں ہے۔ تم چاہو تو میرے ساتھ چل کر وہ پیکٹ بھی دیکھ سکتے ہو جو میں نے ابھی تک نہیں کھولا۔ ہو سکتا ہے اس پر تمہاری دکان کی کوئی ایسی نشانی موجود ہو جو تمہیں میری بات کا یقین دلا سکے۔''

نوجوان کچھ دیر مجھے غیر یقینی نظروں سے گھورتا رہا، پھر دکان بند کر کے میرے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا ــــــ!



گفٹ پیک پر لگے اسٹیکر (STICKER) کو دیکھ کر اس کی حیرت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ خاصی دیر تک وہ اسے الٹ پلٹ کر پوری توجہ سے دیکھتا رہا پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

''یہ سب کچھ میرے لئے بے حد حیرت انگیز ہے ـــــ ناقابل یقین حد تک۔''

''کیا آپ کو اب بھی کوئی شبہ باقی رہ گیا ہے؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا'' اس نے وضاحت کی۔ ''میں آپ کے بیان کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن ذرا سوچئے، کوئی شخص مرنے کے دس سال بعد اس دنیا میں کس طرح واپس آ سکتا ہے؟ میں اپنے عقیدے کی بات کر رہا ہوں ورنہ ہندوؤں کے ہاں آواگون کو بھی مانا جاتا ہے۔''

''ایک بات دریافت کر سکتا ہوں؟''

''پوچھیے۔''

''کیا پہلے بھی کوئی ایسا واقعہ رونما ہو چکا ہے، میرا مطلب ہے کہ آپ کے والد مرحوم کو کسی نے زندہ دیکھا ہو ـــــ؟''

''جی نہیں، ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا'' وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ ''مرنے والے کا خوابوں میں نظر آنا اور بات ہے لیکن ـــــ'' وہ اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر تیزی سے فون کی طرف لپکا۔

میں اس کی اضطرابی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے جلدی جلدی کسی کے نمبر ڈائل کئے پھر وہ مدھم آواز میں ایک منٹ کسی سے گفتگو کرتا رہا اس کے بعد دوبارہ میرے قریب آ کر بولا۔ ''میں نے ابھی پڑوسی دکاندار کو فون کیا تھا۔ اس نے جو بات کہی ہے وہ بھی حیرت انگیز ہے۔''

''کیا کہا اس نے ـــــ؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا بیان ہے کہ کل صبح کچھ دیر کے لئے میری دکان کھلی تھی لیکن اپنی مصروفیات سے فرصت ملنے کے بعد جب وہ مجھے دیکھنے کی خاطر باہر آیا تو اس نے دکان کو مقفل پایا۔'' نوجوان نے کسمساتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ مجھے کسی بزرگ سے مل کر سب کچھ بیان کرنا ہوگا۔''

''کیوں ـــــ؟'' میں نے تعجب سے سوال کیا۔ ''بزرگ کیا کرے گا؟''

''ہو سکتا ہے کہ مرنے والے کی روح کسی وجہ سے بے چین ہو۔'' اس نے ہاتھ مسلتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا لیکن کبھی کبھی حالات انسان کو ڈھلمل یقین صورت حال سے بھی دوچار کر دیتے ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندوں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے۔ اگر میرے مرحوم باپ کی روح کسی سبب مضطرب ہے تو شاید بزرگ کی دعا سے اسے قرار آ جائے۔''

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ کے دل کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے؟'' میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''لیکن کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے آپ کے والد کی موت کن حالات میں ہوئی تھی؟''

''ان کی موت حادثاتی تھی ـــــ'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیا کشمیر امپوریم سے مرنے والے کو کسی قسم کا کوئی خاص لگاؤ تھا ـــــ؟''

''جی نہیں ـــــ'' وہ مضمحل لہجے میں بولا۔ ''آپ کو شاید یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کشمیر امپوریم کا ان کی زندگی میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔''

''مرنے والے کے مشاغل کیا تھے ـــــ؟'' میں نے یونہی ایک سوال کیا تو اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے مجھے تیز نظروں سے اس انداز میں گھورا جیسے میرے سوال نے اس کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہو۔ ایک ثانیے کے لئے وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا، پھر نارمل نظر آنے لگا۔ میں نے موضوع بدل کر اسے چائے کی پیشکش کی جسے اس نے رد کر دیا پھر وہ جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر گفٹ پیک کو ایک بار پھر بڑی توجہ سے دیکھا۔

''آپ اگر چاہیں تو اسے یادگار کے طور پر اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی سے پیشکش کی۔

"کیا میں آپ کا نام دریافت کر سکتا ہوں۔۔۔۔؟" اس نے میرے سوال کو نظر انداز کر کے کہا۔

"خاکسار کو دانش کہتے ہیں۔" میں نے اپنا تعارف کرایا۔ "دانش کبیر۔"

"کبیر۔۔۔۔" اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کا اشارہ معروف صنعت کار سیٹھ کبیر احمد کی طرف ہے؟"

"جی ہاں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک کو محسوس کرتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔ "وہی کبیر احمد جو ڈیڑھ سال قبل اسی تفریحی مقام پر ہوٹل فزارو میں پراسرار حالات میں مردہ پائے گئے تھے۔ پولیس آج تک نہ موت کا سبب دریافت کر سکی نہ قاتل یا قاتلوں کا کوئی سراغ لگا سکی۔"

"گویا روپ نگر میں آپ کی آمد......"

"اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھ لیجیے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ "میری خواہش ہے کہ اپنے باپ کی موت کے معمے کو حل کر سکوں۔"

"آپ۔۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ میں اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ میرا نام اور میرے والد کی موت کے حوالے نے اسے کسی ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ الجھن کیا تھی؟ میں یہ جاننے کے لئے مضطرب ہو گیا لیکن میں نے دانستہ اپنی بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ میں اس کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔

"مسٹر دانش۔۔۔۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے آپ کی میرے والد کی روح سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔۔۔۔؟"

"آپ بتا چکے ہیں کہ آپ کے والد کی حادثاتی موت کو دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے جبکہ میرے والد کی پراسرار موت کو صرف ڈیڑھ سال گزرا ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر مسکرا کر پوچھا۔ "آپ ان دونوں کے درمیان کیا تعلق تلاش کرنا چاہتے ہیں؟"

"ضروری نہیں ہے کہ میں جو سوچ رہا ہوں وہ درست ہو۔۔۔۔ بہر حال، آپ اگر کسی وجہ سے بتانا پسند نہیں کر رہے تو میں اصرار بھی نہیں کروں گا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا مقصد آپ کی دل شکنی نہیں تھا۔" میں نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ پھر بے

کم و کاست وہ تمام باتیں یاد کر کے دہرا دیں جو میرے اور بوڑھے کے درمیان ہوئی تھیں۔

اس کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا۔ وہ میری باتوں کو پوری توجہ اور دھیان سے سن رہا تھا۔ سوت کے کچے دھاگے کے حوالے پر وہ بھی چونکا۔ میں نے بات ختم کی تو اس نے میری نگاہوں میں دور تک جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا سوت کے دھاگے والی بات کے بعد انہوں نے کچھ اور نہیں کہا تھا۔۔۔۔؟"

"جی نہیں۔۔۔۔"

"آج آپ کس مقصد سے آئے تھے۔۔۔۔؟"

"آپ کے والد نے اشاروں کنایوں میں مجھے ایک انوکھے انداز میں دعوت دی تھی۔" میں نے وضاحت کی۔ "انہوں نے کہا تھا کہ جو بات کل ان کے دھیان سے نکل گئی تھی شاید آج ان کی یادداشت میں واپس آ جائے۔" میں نے تھوڑے توقف سے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں جن حالات کے تحت آپ کی دکان میں گیا۔۔۔۔ آپ کے والد کی روح اور میرے مابین جو گفتگو ہوئی اس کے پیش نظر میں اب بھی یہی کہوں گا کہ وہ میرے والد کی پراسرار موت کے کسی اہم راز سے ضرور واقف ہوں گے۔"

"آپ شاید بھول رہے ہیں کہ میرے والد کی موت کو دس سال......"

"گفتگو کی تفصیل بتانے کا اصرار آپ نے ہی کیا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ کے والد کی روح کچے سوتی دھاگے کا حوالہ دے سکتی ہے تو موت کے اسباب سے بھی واقف ہو سکتی ہے۔"

"لیکن انہوں نے ایک خاص موڑ پر پہنچ کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔" اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"ممکن ہے آپ کے والد نے نسیان کے مرض کی جو بات کی تھی وہ درست ہو۔" میں نے نوجوان کو کھنگالنے کی خاطر معنی خیز انداز اختیار کیا۔ "یہ بھی قرین قیاس ہے کہ کسی خطرے کے پیش نظر انہوں نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا ہو۔"

"ایک روح کو کسی سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟" اس نے دبی زبان میں کہا۔ نسیان والی بات وہ دیدہ و دانستہ نظر انداز کر گیا۔

"اس کا جواب تو وہی روح دے سکتی ہے۔۔۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔

''میں اب اجازت چاہوں گا۔'' وہ جانے کے لئے پلٹا، پھر رک کر بولا۔ ''آپ سے ایک درخواست ہے، جو باتیں آپ نے مجھ سے بیان کی ہیں اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کیجئے گا۔''

''کوئی خاص وجہ ـــــ؟''

''جی ہاں۔'' وہ الجھے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میں اس بات کو پسند نہیں کروں گا کہ میرے مرحوم والد کے سلسلے میں مقامی لوگ کہانیاں گھڑنا شروع کر دیں۔ میری جگہ آپ ہوتے تو شاید آپ بھی اسی انداز میں سوچتے جو میں سوچ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ اگر آپ کی بات لوگوں کے علم میں آئی تو اس کا منفی اثر میرے کاروبار پر بھی پڑے گا۔ کیا آپ میرا تماشہ بنانا پسند کریں گے ـــــ؟''

''میں آپ کی باتوں کی گہرائی سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ ''مطمئن رہیں، میں خود بھی کسی قسم کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی عرض کر دوں کہ میں آج شام کی فلائٹ سے واپس جا رہا ہوں۔''

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔'' اس نے انکساری سے کہا۔ میں محسوس کر چکا تھا کہ میری باتیں سن کر اس کے دل و دماغ میں کچھ اتھل پتھل ضرور ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے والد صاحب کی موت کس حادثے کا نتیجہ تھی؟''

''میں ان باتوں کو یکسر بھلا چکا ہوں۔'' اس نے سرد آہ بھری۔ ''اب انہیں بار بار دہرانے سے حاصل بھی کیا ہوگا ـــــ؟''

اس کے لب و لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے کچھ بتانے سے گریز کر رہا ہے۔ میں نے اسے زیادہ مجبور کرنا مناسب بھی نہیں سمجھا لیکن یہ بات میرے ذہن میں محفوظ ہو گئی تھی کہ بوڑھا اور اس کا نوجوان بیٹا دونوں کسی نہ کسی ایسی بات سے ضرور واقف تھے جو میرے والد کی موت کا معمہ حل کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی تھی۔

روپ نگر سے روانگی سے پیشتر میں نے گلزار خان کو بھی نوجوان کے سلسلے میں ٹٹولا لیکن وہ سوائے اس کے اور کچھ نہ بتا سکا کہ اکثر سیاحوں کے ساتھ بحیثیت مزدور وہ کشمیر امپوریم پر گیا تھا مگر اس نوجوان یا اس کے گھر والوں کے بارے میں اسے کوئی معلومات نہیں تھیں۔

میں نے روپ نگر سے رخصت ہوتے وقت گلزار خان کو مزید کچھ رقم بطور امداد دی اور یہ آفر بھی دی کہ اگر وہ چاہے تو میرے پاس ملازمت بھی اختیار کر سکتا ہے ـــــ!

روپ نگر سے واپسی کے بعد میں کاروباری مصروفیات میں الجھ گیا، والدہ کی طبیعت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی۔ کاروبار سے جو وقت ملتا وہ میں والدہ کی تیمارداری اور دل جوئی میں صرف کرتا تھا۔ ہمارے پاس خدا کے شکر سے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ والد صاحب کی جدائی کا احساس میری والدہ کو اندر ہی اندر زنگ کی طرح چاٹ رہا تھا۔ میرے علاوہ گھر کے نوکر چاکر اور خادمائیں بھی ان کا خاص خیال رکھتی تھیں مگر ان کی زندگی میں جو خلاء پیدا ہو گیا تھا اسے پُر کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ میں جب بھی ان کے پاس ہوتا وہ کسی نہ کسی بہانے گھما پھرا کر میری شادی کا ذکر چھیڑ دیتی تھیں ـــــ اس روز بھی میں ان کے ساتھ بیٹھا باتوں میں مصروف تھا جب انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''دانش بیٹے! آج میں شادی کے سلسلے میں تمہارا حتمی فیصلہ سننا چاہتی ہوں۔''

''کیوں گنہگار کرتی ہیں امی جان۔'' میں نے لاڈ سے کہا۔ ''جب تک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے سارے فیصلوں کا اختیار صرف آپ کو ہے۔ میں تو آپ کے ہر حکم کی بجا آوری کو ہمیشہ اپنے لئے باعث فخر ہی سمجھتا ہوں۔''

''آج تمہاری یہ سعادت مندی اور لاڈ پیار کی باتیں مجھے بہلا نہیں سکیں گی۔'' انہوں نے مجھے پیار سے گھور کر کہا۔ ''ہاں یا نہ ـــــ اس کا فیصلہ آج ہو کر رہے گا۔''

''بالکل ہو گا بلکہ اب تک ہو جانا چاہئے تھا ـــــ'' میں نے شوخی سے کہا۔ ''میری دلہن ہوتی تو وہ بھی میری طرح آپ کی خدمت کرتی اور دعائیں لیتی۔ ایک دو بچے ہوتے تو وہ بھی لحاف میں گھسے بیٹھے آپ سے کہانی سنانے کی ضد کرتے رہتے۔''

''میں نے تمہارے لئے ایک ایسی خوبصورت اور چاند سی دلہن کا انتخاب کیا ہے جو ہر اعتبار سے تمہارے لئے نہایت موزوں ہے۔'' ماں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اسے دیکھ بھی چکے ہو ـــــ میں مرحوم بیرسٹر نفیس فاروقی کی اکلوتی بیٹی فاخرہ کی بات کر رہی ہوں۔ بیگم نفیس سے دبی زبان میں رشتے کی بات بھی چھیڑ چکی ہوں، وہ گلے گلے تیار ہیں۔ تم ہاں کر دو تو میں ابھی فون کر کے ان سے شادی کی تاریخ بھی مانگ سکتی ہوں۔''

میری والدہ کو بھی ہر والدین کی طرح میرا سہرا دیکھنے کی آرزو تھی، میں شادی سے اس

لئے گریز کرتا تھا کہ اگر خدانخواستہ بہو بن کر آنے والی نے میری ماں کی برتری کو تسلیم نہ کیا تو ان کے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگے گا۔ میں اپنی زندگی میں ماں کو ہمیشہ خوش، ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا تھا، انہیں کوئی اور غم برداشت کرنا پڑے یہ بات مجھے کسی طور منظور نہیں تھی۔ جہاں تک فاخرہ کا سوال تھا تو میں اسے کئی بار دیکھ چکا تھا وہ نہ صرف حسین تھی بلکہ خاصی پڑھی لکھی اور ذہین بھی تھی، بڑے خاندان سے تعلق تھا اس لئے شریف گھرانوں کے طور طریقوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھی۔ بیگم نفیس بھی ہر اعتبار سے مشرقی تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔ میری والدہ کا انتخاب میرے لئے ہر طرح سے موزوں ترین تھا۔ بس ایک ہی خدشہ لاحق تھا کہ اگر کسی وجہ سے بعد میں ماں کے دل کو ٹھیس لگی تو میں اس کا کوئی تدارک نہ کر سکوں گا۔

”کیا سوچ رہے ہو ——؟“ ماں نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ”میں تمہارے اوپر اپنی مرضی اور پسند مسلط نہیں کرنا چاہتی۔ تمہیں کوئی لڑکی پسند ہو تو کھل کر بتا دو، مجھے تمہاری پسند بھی منظور ہو گی۔“

”ایک چہرہ ہے تو نظر میں۔ لیکن میں اس سے صرف پیار کر سکتا ہوں، شادی نہیں کر سکتا ——“ میں نے شرارت بھرے انداز میں ماں کو دیکھا تو وہ میرا مفہوم سمجھ کر بولیں۔

”تم نے پھر ٹال مٹول کی باتیں شروع کر دیں —— میں فاخرہ کے سلسلہ میں تمہارا آخری جواب سننا چاہتی ہوں۔“

”امی جان ——“ میں نے ان کی خوشیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ ”آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ اگر آپ مجھے کوئی حکم دیں گی تو میں انکار کی جرأت کر سکوں گا۔ آپ کی ہر خوشی مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔“

”پھر سوچ لو دانش! میں آج اور ابھی ساری باتیں طے کرنا چاہتی ہوں۔“

”آپ اجازت دیں تو میں آنٹی کا نمبر ملا دوں؟“ میں نے اپنی مرضی کا اظہار کرتے ہوئے معصومیت سے کہا۔ ”اگر خوش قسمتی سے فاخرہ نے فون ریسیو کیا تو ایک دو کھٹی میٹھی باتیں بھی کر لوں گا۔“

والدہ کے لئے میرا اشارہ ہی بہت تھا۔ انہوں نے اسی وقت بیگم نفیس سے فون پر بات کی اور شادی کی تاریخ بھی طے کر ڈالی۔ پھر مجھے گلے سے لگا کر دعائیں دینے لگیں۔ اس

روز میں نے والدہ کے چہرے پر والد صاحب کی موت کے بعد پیار و محبت کی خوشیوں کو پہلی بار جھلکتے دیکھتے تھا۔

میری شادی کی تاریخ جوں جوں نزدیک آتی جا رہی تھی گھر کے ہنگاموں میں خوشگوار اضافہ ہو رہا تھا۔ میری والدہ کی حالت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ سارے انتظامات ان کی نگرانی میں ہو رہے تھے۔ گھر میں رنگ و روغن کا سلسلہ ختم ہوا تو نئے سرے سے آرائش کا اہتمام شروع ہو گیا۔ میری شادی کی خوشی میں میری والدہ کو جیسے نئی زندگی مل گئی تھی۔ ڈاکٹر بھی پوری طرح مطمئن تھے۔ میں دفتر میں دن بھر کی تھکن سے چور ہو کر گھر پہنچتا تو ماں کی خوشیاں دیکھ کر ساری تھکن بھول جاتا۔

اس روز بھی میں دفتر سے واپس گھر پہنچا تو والدہ اپنی نگرانی میں نئے فرنیچر کی ترتیب کی خاطر ملازموں کو ہدایات دینے میں مصروف تھیں۔ میں بھی ان کا ہاتھ بٹانے میں مشغول ہو گیا۔ مجھے والدہ کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں وہ دوبارہ بیمار نہ پڑ جائیں اس لئے میں نے ملازموں اور خادماؤں کو خاص تاکید کر رکھی تھی کہ وہ انہیں زیادہ نہ تھکنے دیں اور ہر طرح سے خیال رکھیں۔

فرنیچر کی ترتیب مکمل ہونے کے بعد ماں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں نے اپنی خوابگاہ میں جا کر جلدی جلدی غسل کر کے لباس تبدیل کیا، پھر والدہ کے کمرے میں گیا تو وہ بستر پر لیٹی کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں دروازے پر ٹھٹک کر رہ گیا۔ ماں کے چہرے پر لرزنے والی پرچھائیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ خوشی کے اس پُرمسرت موقع پر انہیں والد صاحب کی کمی کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتا رکھا تھا کہ اگر مریضہ پر بیماری کا دوسرا حملہ ہوا تو صورتِ حال خراب بھی ہو سکتی ہے۔ ماں کو اداس پا کر مجھے بھی اپنے مرحوم والد کی کمی نے کچھ دیر کے لئے ملول کر دیا لیکن پھر ماں کے خیال سے میں نے انہیں دروازے پر کھڑے ہی کھڑے آواز دے کر کہا۔

”امی جان، جلدی سے ڈائننگ روم میں آ جائیں۔ میرے پیٹ میں چوہے کود رہے ہیں۔“

میں آواز دے کر کھانے کے کمرے کی سمت چلا گیا۔ میں نے دیدہ دانستہ ماں کے بستر کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی، ان کے زخموں کو ٹھیس لگتی تو میں بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر

پاتا۔ دو چار منٹ بعد ماں ہنستی مسکراتی آئیں تو میں دل ہی دل میں لرز کر رہ گیا۔ انہوں نے میری خاطر اپنے ہونٹوں پر خوشی سجالی تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ ان کے دل و دماغ میں اس وقت بھی اپنے ہم سفر کی کمی کا احساس شدت سے کروٹیں بدل رہا ہو گا۔ زخم ناسور کی شکل اختیار کر لے تو اس کا علاج آسان نہیں ہوتا۔ میڈیکل سائنس نے بھی ابھی تک کوئی ایسا موثر نسخہ دریافت نہیں کیا تھا کہ جو کسی کے دل و دماغ سے مرنے والوں کی یاد کی پرچھائیاں دور کر سکے۔

''امی جان ـــــ'' میں نے ماں کا ذہن بٹانے کی خاطر کھانے کے دوران پوچھا۔ ''کیا شادی کی تاریخ میں کوئی ردوبدل ہو سکتی ہے؟''

''کیا مطلب ـــــ؟'' ماں نے میرے چہرے پر طاری سنجیدگی دیکھ کر وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

''ابھی کارڈ چھپے نہیں گئے اس لئے سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔'' میں نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

''دانش ـــــ'' ماں کی نظروں میں تفکرات کے سائے گڈمڈ ہونے لگے۔ ''کیا شادی کے سلسلے میں پھر تمہارے دماغ میں کوئی فتور پیدا ہو رہا ہے؟''

''غلط نہ سمجھیں امی جان۔'' میں نے معصومیت سے جواب دیا۔ ''اگر تاریخ کی تبدیلی میں کوئی دشواری ہو تو ایک صورت اور بھی ممکن ہے بشرطیکہ آپ اور آنٹی رضامند ہوں۔''

''پہیلیاں نہ بجھاؤ ـــــ کھل کر کہو، تمہارے دماغ میں کیا کیڑا کلبلا رہا ہے؟''

''بات صرف یقین اور اعتماد کی ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جتنے دنوں فاخرہ اس چھت کے نیچے رہے گی میں کہیں اور رہ لوں گا۔''

''میں اب بھی تمہاری حماقت انگیز بات کا مقصد نہیں سمجھی؟''

''میرا خیال ہے کہ اگر آنٹی رخصتی کی رسم پہلے ادا کر دیں تو اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔ آپ سارا دن کام میں مصروف رہتی ہیں، فاخرہ کو آخر کار رخصت ہو کر اسی چھت کے نیچے آنا ہے۔ اگر گھر کی آرائش اور زیبائش میں وہ بھی آ کر آپ کا ہاتھ بٹا دے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' میں نے شوخی سے بات جاری رکھی۔ ''ہر چیز اس کی مرضی سے ہو گی تو بعد میں کسی ردوبدل کی ضرورت بھی نہیں پیش آئے گی۔ رہا نکاح تو وہ طے شدہ پروگرام

کے مطابق سترہ تاریخ پر ہو جائے گا۔''

''اور دنیا والے کیا کہیں گے؟'' ماں نے میری شرارت بھانپ کر زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''جب میرے اور فاخرہ کے درمیان شرعی پردہ برقرار رہے گا تو کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ملے گا۔'' میں نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''پہلے نکاح اور پھر رخصتی کی رسم بہت پرانی ہو چکی ہے۔ فیشن کے ساتھ ساتھ رسومات میں بھی اختراع کی ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' ماں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں بیگم نفیس سے بات کئے لیتی ہوں کہ نکاح سے پیشتر جتنے دنوں فاخرہ میرا ہاتھ بٹانے کے لئے یہاں رہے اتنے دنوں تم بیگم نفیس کے پاس رہ لینا۔ اچھا ہے، ساس اور داماد بھی اس طرح ایک دوسرے کو پرکھ لیں گے۔''

''اور اگر انہوں نے مجھ پر زیادہ مہربان ہو کر گھر داماد بننے کی پیشکش کی تو ـــــ؟''

''کوئی حرج نہیں ـــــ'' ماں نے مجھے چھیڑنے کی خاطر کہا۔ ''تم وہیں رہ جانا، فاخرہ میرے پاس رہے گی۔''

میری باتوں نے ماں کے ذہن پر خوشگوار اثرات مرتب کئے۔ وہ پھر ہشاش بشاش نظر آنے لگیں۔ میری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ دوسرے دن میں نے دفتر میں اپنے منیجر کو بلا کر کارڈ چھپنے کے لئے دے دیئے۔ شادی میں صرف ایک مہینہ رہ گیا تھا۔ میری والدہ نے طے کر رکھا تھا کہ میری شادی پر خاندان والوں کے علاوہ زیادہ سے زیادہ واقف کاروں کو بھی مدعو کریں گی۔ وہ بھرپور انداز میں میری شادی کی خوشیاں منانا چاہتی تھیں۔ اپنے والد کی طرح میں بھی سادگی پسند تھا لیکن ماں کی خوشی کی خاطر میں نے ان کی ہر بات ماننے کی ٹھان رکھی تھی۔ ڈاکٹروں کا بھی یہی مشورہ تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھا جائے۔

منیجر کارڈ کے سلسلے میں ضروری باتیں نوٹ کرنے کے بعد کمرے سے چلا گیا تو میں ایک ضروری فائل کے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد انٹرکام کا بزر سن کر میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ میری نظریں بدستور فائل پر جمی رہیں۔

''یس ـــــ'' میں نے حسب عادت ریسیور کان سے لگا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''سر ـــــ ایک صاحب آپ سے فوری طور پر ملنا چاہتے ہیں۔'' لیڈی سیکرٹری کی

مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''میں نے ان کا نام اور کام کی نوعیت دریافت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن موصوف نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں انتظار گاہ میں بٹھا دیا ہے۔''

''کیا وہ پہلے بھی کبھی آ چکے ہیں ـــــ؟'' میں نے سرسری طور پر معلوم کیا۔

''ہو سکتا ہے لیکن میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''آپ کا کیا اندازہ ہے ان کے بارے میں ـــــ؟'' میں نے فائل سے نظر ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''بظاہر ایک شریف اور معقول آدمی نظر آتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے ـــــ دس منٹ بعد انہیں اندر بھیج دیں۔''

میں نے انٹر کام کا ریسیور رکھ کر دوبارہ فائل کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میں نے آنے والے کے بارے میں زیادہ غور کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ کاروباری دنیا میں ایسے افراد کی کمی نہیں ہے جو کسی وجہ سے اپنا نام صیغۂ راز میں رکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور صرف مطلوبہ شخص کے سامنے زبان کھولتے ہیں۔ ان کے پاس یا تو کسی مخالف کاروباری گروپ کی کمزوری ہوتی ہے جسے وہ کیش کرنے کی خاطر دوسرے گروپ سے ملتے ہیں یا پھر حکومت کی کوئی آنے والی اہم پالیسی سے بڑا کاروبار کرنے والوں کو قبل از وقت مطلع کر کے اپنے فائدے کی بات کرتے ہیں۔ اکثر کوئی پرانا واقف کار بھی چونکا دینے کے خیال کے پیش نظر نام اور کام کی نوعیت بتانے سے گریز کرتا ہے۔ میرے کالج کے دوست ایک دو بار ایسی حرکت کر بھی چکے تھے اس لئے میں نے ذہن پر بوجھ ڈالنا ضروری نہیں سمجھا۔

ٹھیک دس منٹ بعد میرے چپراسی نے میرے دفتر کا دروازہ کھولا تو میں نے فائل بند کر کے آنے والے کو دیکھا۔ وہ میرا کوئی پرانا واقف کار نہیں تھا۔ صورت شکل اور لباس کے اعتبار سے ایک مہذب اور پڑھا لکھا شخص نظر آتا تھا۔ عمر تقریباً چالیس بیالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ اس نے اسٹیل گرے کلر کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ ٹائی کی بجائے اس نے کنٹراسٹ کلر کا ریشمی مفلر گلے کے گرد لپیٹ کر شرٹ کے اندر کر لیا تھا۔ اس قسم کا فیشن میرے زمانے میں اسپورٹس مین زیادہ کرتے تھے۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال ابھرا کہ شاید نووارد کا تعلق کسی اسپورٹس ایسوسی ایشن سے ہے اور وہ چندہ مانگنے یا پھر کسی

تقریب کا مہمانِ خصوصی بنا کر بڑی رقم حاصل کرنے کے ارادے سے آیا ہو گا۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا ـــــ؟'' اس نے قریب آ کر بڑے مہذب لہجے میں کہا، پھر میرا اشارہ پا کر سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''فرمایئے ـــــ'' میں نے اس کے بیٹھنے کے بعد سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''کس سلسلے میں آنا ہوا؟ میری سیکرٹری نے بتایا تھا کہ آپ فوری طور پر مجھ سے ملاقات کے خواہشمند ہیں۔''

''جی ہاں ـــــ'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''کام کی نوعیت کچھ ایسی ہی ہے کہ اگر میں ملاقات کے لئے اپائنٹ منٹ (APPOINTMENT) کے چکر میں پڑتا تو میرے آنے کا اصل مقصد فوت ہو جاتا۔''

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟'' میں نے اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میرا نام بھی دانش ہے تو کیا آپ یقین کر لیں گے ـــــ؟'' اس نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

''نہ یقین کرنے والی کیا بات ہے۔'' میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''دنیا میں ایک ہی نام کے بے شمار آدمی بھی ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن ہر کوئی دانش نہیں ہوتا۔'' اس بار نووارد نے قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''دانش سے میری مراد عقل اور سوجھ بوجھ بھی ہو سکتی ہے۔''

''آپ خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' میں نے خشک اور سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔ میرا مقصد اسے یہ احساس دلانا تھا کہ وہ اپنا اور میرا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ میری نگاہوں کا مفہوم بھانپ گیا، مسکرا کر بولا۔

''میں بن بلایا مہمان ضرور ہوں لیکن ابھی آپ کو میری اہمیت کا اندازہ نہیں ہے۔ شاید اسی لئے آپ کو اپنے دفتر میں میری موجودگی گراں گزر رہی ہے ـــــ میں غلط تو نہیں کہہ رہا ـــــ؟''

''میں آپ کے آخری جملے کی تردید نہیں کروں گا ـــــ'' میں نے اس بار بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ ''زیادہ سے زیادہ میں آپ کو دو تین منٹ اور دے سکتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ اب مجھے آپ سے اپنا باقاعدہ تعارف کرا دینا چاہئے۔'' اس نے

الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ ”خاکسار کو ویسے تو کئی ناموں سے جانا اور پہچانا جاتا ہے لیکن آپ مجھے جوگیا کے نام سے یاد رکھیں تو مناسب ہوگا۔ یہ نام میں نے آپ کو یہ باور کرانے کی خاطر بتایا ہے کہ میں بیک وقت کئی صنعتوں کا مالک ہوں۔“ آخری جملہ ادا کرتے وقت اس کی نگاہوں میں برتری کا رنگ چھلک رہا تھا۔ شاید وہ مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“ میں نے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”آپ بڑے لوگ ہیں، صرف حکم چلانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔“ اس کے لہجے میں انکساری اور طنز کی آمیزش تھی۔ ”خدمت کرنا تو ہمارا کام ہے۔ میں اس وقت اسی مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔“

”جی ـــــ فرمائیے۔“ میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ میری کیا خدمت کرنا چاہتے ہیں؟“

”فی الحال ایک مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔“ وہ یکلخت بے حد سنجیدگی سے سرسراتے لہجے میں بولا۔ ”آپ اپنی شادی کے کارڈ چھپوانے کا ارادہ ملتوی کر دیں تو مناسب ہوگا۔“

”اس مشورے کی کوئی وجہ ـــــ؟“ میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

”جی ہاں ـــــ“ اس نے آگے بڑھ کر دونوں کہنیاں میز پر ٹکاتے ہوئے قدرے مدھم آواز میں جواب دیا۔ ”اپنے والد کی موت کے اسباب معلوم کئے بغیر اگر آپ نے گھر بسانے کی غلطی کی تو ایک ہستی اور ختم ہو جائے گی۔“

”کیا مطلب ـــــ؟“ میں حیرت سے چونکا۔ ”آپ کیسی حماقت کی باتیں کر رہے ہیں؟“

”حماقت نہیں ـــــ دور اندیشی۔“ اس کی نگاہیں چمکنے لگیں۔ ”جوگیا کی زبان سے نکلا ہوا کوئی حرف، کوئی بات کبھی غلط نہیں ہوئی۔“

”اوہ ـــــ“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”گویا آپ پامسٹ یا جوتشی قسم کی کوئی چیز واقع ہوئے ہیں۔“

”میری بات غور سے سنو۔“ اس کی صحت پر میرے زہرخند کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ”تم نے مجھے دو یا تین منٹ برداشت کرنے کا اشارہ دیا تھا۔ دو منٹ گزر چکے، ایک منٹ میں تمہیں میری یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کسی بے قصور کی زندگی سے کھیلنے کا ارادہ ترک کر

دینا ہی تمہارے حق میں زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے۔“

”ورنہ ـــــ؟“

”ورنہ فاخرہ کی ناگہانی موت کا صدمہ تمہاری بیمار ماں کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا۔ کیا تم یہ پسند کرو گے؟“

میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ جوگیا کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ اس کی سحر انگیز آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور میں ان تمام پہلوؤں پر غور کر رہا تھا جس کے پیش نظر اس نے شادی ملتوی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ مجھے اس کے عجیب و غریب نام کی صحت پر بھی شبہ تھا۔ شاید وہ کسی اور کے اکسانے پر مجھے شش و پنج میں مبتلا کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ کوئی دوسرا شخص فاخرہ کی محبت میں گرفتار ہو ـــــ اسے میری اور فاخرہ کی شادی منظور نہ ہو ـــــ وہ مجھے کسی طرح درمیان سے ہٹانے کا خواہشمند ہو۔ میرے والد کی موت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ بے شمار افراد اس پراسرار موت کے بارے میں اخبارات میں تفصیلات پڑھ چکے ہوں گے۔ میرے روپ نگر جانے کا علم بھی بہت سارے لوگوں کو ہوگا۔ شاید وہ مجھے کسی واہمے میں مبتلا کر کے شادی کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے ذہن میں متعدد خیالات جنم لے رہے تھے جب جوگیا اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”تمہاری دی ہوئی مہلت پوری ہو رہی ہے۔“ اس نے کھردری آواز میں مجھے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔ ”میں پسند نہیں کروں گا کہ تم مجھے اپنے آفس سے نکلوانے کی خاطر ملازموں کو طلب کرو۔ ویسے جاتے جاتے تمہاری اطلاع کے لئے ایک بات اور کہنا چاہوں گا ـــــ تمہارے ذہن میں میرے مشورے کی روشنی میں جو بیہودہ خیالات ابھر رہے ہیں ان کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”آئی سی ـــــ“ میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر بے پرواہی کا اظہار کیا۔ ”گویا تم دوسروں کے ذہن پڑھ لینے کا دعویٰ بھی کر رہے ہو؟“

”تین منٹ پورے ہو چکے مسٹر دانش۔“ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ”اگر تم اصرار کرو تو میں تمہارے فائدے کی خاطر اپنا کچھ قیمتی وقت اور ضائع کر سکتا ہوں۔“

''کس کی ایماء پر آئے ہو ــــ؟'' میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ فاخرہ کے سلسلے میں کسی رقیب کا تصور بدستور میرے دماغ میں کلبلا رہا تھا۔ میں جوگیا کی آمد کا اصل مقصد جاننا چاہتا تھا۔

''کبیر احمد کی موت کا معمہ حل کرنے کی خاطر تمہیں بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔'' جوگیا نے میرا سوال نظر انداز کرتے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''روپ نگر میں کشمیرا امپوریم پر تمہارا غیر اختیاری طور پر جانا اتفاق نہیں تھا۔ بوڑھے کی بے چین روح کچے سوتی دھاگے کا حوالہ دینے کے بعد اپنی یادداشت سے محروم نہیں ہوئی تھی، کسی شیطانی قوت نے اس کو زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ گلزار خان نے تم سے جس سلامت خان کا ذکر کیا تھا اس کا اصل نام رمیش ہے ــــ اور کچھ سننا پسند کرو گے؟''

میرے ذہن میں بگولے چکرانے لگے۔ جوگیا کی کہی ہوئی ایک ایک بات میرے لئے حیرت انگیز تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا، جس روپ میں بھی تھا، یقیناً ماورائی قوتوں کا مالک تھا۔ نہ ہوتا تو اسے بوڑھے اور گلزار خان کی باتوں کا علم کبھی نہ ہوتا۔ میرے دفتر میں اس کی آمد کا مقصد وہ نہیں تھا جو فوری طور پر میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ اس نے شادی کو ملتوی کرنے کا مشورہ بھی یقیناً کچھ سوچ کر دیا تھا، بڑے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ فاخرہ کی ناگہانی موت میری ماں کے وجود کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دے گی۔

میں پھٹی پھٹی نظروں سے جوگیا کو دیکھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں کئی سوالات ابھر رہے تھے ــــ 'جوگیا کون تھا؟ ــــ اس کی اصلیت کیا تھی؟ ــــ وہ کشمیرا امپوریم میں میرے اور اس بوڑھے کی پراسرار ملاقات کا حال کس طرح جانتا تھا جب کہ بوڑھے کے بیٹے نے انکشاف کیا تھا کہ اس کے باپ کو مرے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا ــــ؟ میری اور گلزار خان کی گفتگو کی بھنک اسے کس طرح ملی؟ ــــ اس نے سلامت خان کے بارے میں یہ بات بڑے اعتماد سے کہی تھی کہ اس کا اصلی نام رمیش تھا ــــ کون تھا رمیش؟ ــــ وہ اس کے بارے میں اور کیا کچھ جانتا تھا؟ ــــ اور ــــ اور اگر جوگیا ان تمام باتوں سے واقفیت رکھتا تھا تو پھر اسے یہ بھی ضرور معلوم ہوگا کہ روپ نگر میں کشمیرا امپوریم پر ملنے والی بوڑھے کی روح کچے سوتی دھاگے کے بارے میں مجھ سے کیا انکشاف کرنا چاہتی تھی؟ ــــ وہ شیطانی قوت کس کی تھی جس نے بوڑھے کی زبان پر

تالے ڈال دیئے تھے؟ ــــ جوگیا نے یہ بات کس بنیاد پر کہی تھی کہ اگر میں نے والد مرحوم کی موت کے اسباب معلوم کئے بغیر شادی رچانے کی کوشش کی تو فاخرہ ناگہانی موت کا شکار ہو جائے گی؟ ــــ فاخرہ کا میرے والد کی موت سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟'

میرے ذہن میں سوالات کی یلغار ہو رہی تھی جوگیا کی گفتگو نے میرے وجود کو شل کر دیا تھا۔ وہ میرے سامنے فخر سے گردن اونچی کئے کھڑا تھا۔ میں اسے سمجھنے کی کوششوں میں مصروف تھا جب جوگیا نے چونکتے ہوئے میری حیرتوں میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

''تمہارا منیجر آدھے راستے سے لوٹ کر شادی کے کارڈ کے سلسلے میں کچھ ضروری باتیں دریافت کرنے کی غرض سے آ رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسے کسی طرح ٹال دو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

میں جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ اندر آنے والا میرے منیجر کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

''سر، آپ نے کارڈس کی تعداد اور کلر کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا اس لئے میں آدھے راستے سے واپس آ گیا ــــ''

''آپ چاہتے تو پریس پہنچ کر مجھے فون بھی کر سکتے تھے۔'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''جی ہاں ــــ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی۔'' منیجر نے مسمسی صورت بنا کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ''آئی ایم سوری سر ــــ''

''کوئی بات نہیں ــــ'' میں نے جواب دیا۔ ''آپ یہ فائل یہیں رکھ دیں۔ میں گھر جاتے وقت پریس ہو لوں گا۔ شاید اس وقت تک کارڈ میں کوئی ردوبدل اور بھی کرنی پڑے۔''

منیجر نے کارڈ کی فائل خاموشی سے میز پر رکھی، پھر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ میں نے اس بات کو خاص طور پر محسوس کیا تھا کہ منیجر نے ایک بار بھی جوگیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا ــــ نہ ہی کمرے میں اس کی موجودگی پر توجہ دی ــــ ''کیا یہ محض ایک اتفاقی امر تھا یا جوگیا نے اپنی ماورائی قوتوں کے ذریعے اپنے اور منیجر کے درمیان کوئی پردہ ڈال دیا تھا ــــ؟''

''اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ ڈالنے کی کوشش مت کرو۔'' جوگیا میرے دل کی کیفیت

بھانپ گیا۔ ’’فی الحال کوشش کرو کہ فاخرہ سے تمہاری شادی کسی بھی بہانے ٹل جائے۔‘‘

’’کیا تم اس سلسلے میں کوئی راستہ نہیں نکال سکتے ——؟‘‘ میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

’’میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں۔‘‘ وہ پُراسرار لہجے میں بولا۔

’’کشمیر امپوریم پر ملنے والے بوڑھے کی روح مجھے کس راز سے آگاہ کرنا چاہتی تھی؟‘‘ میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔

’’تم نے ایک اہم بات پر یکسر غور نہیں کیا ——‘‘ جوگیا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

’’وہ کیا ——؟‘‘

’’تمہارے اندازے کے مطابق اگر میں ماورائی قوتوں کا مالک ہوں تو مجھے تمہاری لیڈی سیکرٹری کا سہارا لے کر تم تک پہنچنے کی کیا ضرورت تھی ——؟‘‘

’’اس کا جواب بھی تم بہتر طور پر دے سکتے ہو ——‘‘ میں نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

’’جو لوگ مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں وہ ہمیشہ لاعلمی میں ہی شکار ہو جاتے ہیں۔‘‘ وہ خلاء میں گھورنے لگا۔

’’تمہارا اشارہ کس سمت ہے؟‘‘ میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ ’’کیا تم واقف ہو کہ میرے والد کی موت کن حالات میں ہوئی تھی؟ اس کچے سوتی دھاگے کے پیچھے کس ناپاک قوت کا ہاتھ تھا ——؟‘‘

’’تم نے ایک اہم غلطی اور کی ہے ——‘‘ جوگیا نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ’’وہ گفٹ پیک ابھی تک بند پڑا ہے جو تم روپ نگر سے ساتھ لائے تھے۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں ——؟‘‘ میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

’’اسے پہلی ہی فرصت میں کھول کر دیکھو لیکن اس کے سلسلے میں کسی اور سے کوئی بات نہ کرنا۔ میرے بارے میں بھی اپنے دل و دماغ کے دروازے بند کر لو تو بہتر ہو گا۔‘‘ جوگیا نے بے حد سنجیدگی سے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

حالات نے اچانک جو کروٹ بدلی اس نے میرے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میرے والد کی موت کا معمہ اور پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جو باتیں جوگیا نے کی تھیں وہ غور طلب تھیں لیکن ڈور کا کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ سکا۔ بات خاصی الجھ گئی تھی۔ میں اگر روپ نگر نہ گیا ہوتا تو شاید میری زندگی میں وہ پُراسرار اور حیرت انگیز واقعات نہ رونما ہوئے ہوتے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میں بھی لاعلمی میں حالات کا شکار ہو جاتا۔ بہرحال وہ ذہنی انتشار جو روپ نگر میں کشمیر امپوریم سے شروع ہوا تھا جوگیا نے سامنے آ کر اسے اور پُراسرار بنا دیا —— اس نے ہر بات بڑے یقین اور اعتماد سے کی تھی لیکن میرے والد کی موت کن حالات میں ہوئی تھی؟ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی؟ جوگیا نے بھی اس اہم راز سے پردہ اٹھانے کی ضرورت نہیں سمجھی —— آخر کیوں؟ کیا بوڑھے کی طرح اس پر بھی کچھ بندشیں عائد تھیں؟ کیا وہ اصل حالات سے واقف تھا ——؟ اگر وہ زبان کھولنے سے مجبور تھا تو پھر اس نے سامنے آنے کی غلطی کیوں کی تھی ——؟ کیا وہ صرف فاخرہ کی زندگی بچانے کا خواہشمند تھا؟ —— اور —— جاتے جاتے اس نے خاص طور پر اس گفٹ پیک کا حوالہ کیوں دیا تھا جو کشمیر امپوریم پر ملنے والے بوڑھے نے تیار کیا تھا ——؟

جوگیا نے سامنے آ کر میرا سکون پھر برباد کر دیا —— میں اس روز معمول سے پہلے دفتر سے اٹھ گیا۔ میں سب سے پیشتر اس گفٹ پیک کو دیکھنا چاہتا تھا جس میں شطرنج اور سگار کا ڈبہ موجود تھا۔ وہ دونوں چیزیں میری پسند کی نہیں تھیں اسی لئے روپ نگر سے واپسی کے بعد گفٹ پیک کو اسٹور روم میں رکھ دیا گیا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ ان دونوں چیزوں میں وہ کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے جوگیا نے مجھے زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی؟ یہ بھی ہدایت کی تھی کہ میں اس کی شخصیت کے بارے میں بھی اپنے دل و دماغ کے دروازے بند رکھوں۔ کیا جوگیا پُراسرار قوتوں کا مالک ہونے کے باوجود کسی سے خوف زدہ تھا ——؟

میرا ذہن راستے بھر قلابازی کھاتا رہا۔ شادی کے کارڈ والی فائل میرے برابر والی نشست پر پڑی تھی۔ میں نے ماں کو خوش دیکھنے اور خوش رکھنے کی خاطر شادی پر آمادگی کا اظہار کیا تھا لیکن اب حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ جوگیا نے بڑے یقین سے کہا تھا کہ اگر میں نے اپنے والد کی موت کے اسباب معلوم کئے بغیر شادی کی تو فاخرہ

ناگہانی موت کا شکار ہو جائے گی۔ میرا ردپ نگر جانے کا مقصد صرف یہی تھا کہ میں اپنے والد کی موت کے معمے کو حل کرنے کے بعد سکون سے آئندہ زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا مگر ماں کے اصرار نے مجھے حامی بھرنے پر مجبور کر دیا اور اب میرے لئے ضروری تھا کہ میں کوئی خوبصورت سا بہانہ تراش کر شادی کے مسئلے کو وقتی طور پر ٹال سکوں۔ میں یہاں اس بات کا اقرار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ فاخرہ ہر اعتبار سے مجھے پسند تھی۔ میں محض ماں کی خوشی کی خاطر اس کی ہنسی مسکراتی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ مجھے ماں کا خیال بھی رکھنا تھا۔ میرے کسی عمل سے ماں کے دل کو ٹھیس پہنچتی، مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا——— بات الجھتی جا رہی تھی!

میں نے گھر میں قدم رکھا تو ڈرائنگ روم میں بیگم نفیس اور ماں کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا۔ ''آج تم جلدی کیسے آ گئے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ماں نے میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے دریافت کیا۔

''آپ لوگوں کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔'' میں نے بیگم نفیس کو سلام کرتے ہوئے جواب دیا پھر ماں کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''کاروبار کیسا چل رہا ہے؟'' بیگم نفیس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔''

''تم نے شادی کے کارڈ تو چھپنے کے لئے نہیں دیئے———؟'' ماں نے سوال کیا تو میں ایک لمحے کو کسمسا کر رہ گیا۔

''فائل میرے ساتھ ہی ہے۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ ''کل کسی وقت پریس پہنچا دوں گا۔''

''اچھا ہوا تم نے جلدی نہیں کی۔'' بیگم نفیس دبی زبان میں بولیں۔ ''دراصل کچھ مجبوری ایسی پیش آ گئی ہے کہ میں تمہاری والدہ سے ایک دو مہینے کی مہلت اور مانگنے آئی ہوں۔''

''سب خیریت تو ہے———؟'' میں نے چونک کر دریافت کیا۔

''ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''تمہارے انکل کے دور پرے کے ایک عزیز لندن میں طویل بیماری کے بعد انتقال کر گئے ہیں۔ اس لئے چاہتی ہوں کہ کم از کم ان کے چالیسویں تک خوشی کی کوئی تقریب نہ ہو تو مناسب ہوگا۔''

میں نے جواب دینے کی بجائے ماں کی طرف دیکھا۔

''تمہاری آنٹی کی مجبوری ایسی ہے کہ میں زور بھی نہیں دے سکتی ورنہ میں تو چاہتی تھی فاخرہ جتنی جلدی آ کر اپنا گھر سنبھال لے اتنا ہی اچھا ہے۔'' ماں نے سنجیدگی سے کہا تو میرے ذہن کے اُفق پر پھر جوگیا کا تصور اُبھر آیا۔ نہ جانے کیوں میرے دل و دماغ میں یہ خیال کلبلانے لگا کہ شاید بیگم نفیس دو مہینے کی جو مہلت مانگنے آئی تھیں اس کے پس منظر میں بھی جوگیا ہی کی ماورائی قوتوں کا کوئی دخل رہا ہوگا۔

بیگم نفیس کے جانے کے بعد میں نے اپنی خواب گاہ میں جانے سے پہلے اسٹور روم سے وہ گفٹ پیک بھی ساتھ لے لیا جو ابھی تک اپنی اصلی حالت میں بند تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر میں نے دروازہ اندر سے بند کیا پھر گفٹ پیک کھولنے لگا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر تھی کہ جوگیا نے جاتے جاتے خاص طور پر اس کا ذکر کیوں کیا تھا؟

میں نے گفٹ پیک کھولنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا۔ اندر سے وہی دونوں چیزیں برآمد ہوئیں جو میں نے کشمیر امپوریم پر پسند کی تھیں، شطرنج کے مہرے فولڈنگ بساط کے اندر محفوظ تھے۔ میں ایک ایک کر کے ان کا جائزہ لیتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ پھر میں نے سگار بکس کھولا جس کے اندر سرخ رنگ کا باریک کاغذ بھرا ہوا تھا۔ میں نے کاغذ کو باہر نکال کر دیکھا تو میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔

سرخ کاغذ میں لپٹا ہوا بمشکل ڈیڑھ انچ کا وہ ہلکا پھلکا پیپر ویٹ میری توجہ کا مرکز بن گیا جس کے اندر رقیق سیال موجود تھا اور اس سیال میں ایک بچے کی آنکھ تیر رہی تھی۔ اس قسم کے چھوٹے موٹے گفٹ آئٹم بازار میں جا بجا دستیاب تھے لیکن میری نظریں بچے کی اس آنکھ پر جم کر رہ گئیں جو مصنوعی ہونے کی بجائے جیتی جاگتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس میں کوئی حرکت نہیں آ رہی تھی مگر یوں لگتا تھا جیسے آنکھ کی پتلیاں اچانک اپنے حلقے میں گردش شروع کر دیں گی۔ اس کی پلکیں بھی قدرتی لگ رہی تھیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چار پانچ سال کے کسی معصوم بچے کی وہ آنکھ مجھے سوالیہ نظروں سے گھور رہی ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں جوگیا کے کہے ہوئے آخری جملے صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگے۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ جوگیا کا اشارہ یقیناً اسی پیپر ویٹ کی طرف رہا ہوگا جس کا سگار بکس میں موجود ہونا میرے علم سے بھی باہر تھا۔

کشمیرامپوریم پر ملنے والے بوڑھے کی پراسرار شخصیت نے اس سگار بکس کو شوکیس سے نکال کر کھولے بغیر گفٹ پیک میں بند کر دیا تھا۔ 'کیا وہ اس اس پیپر ویٹ کی موجودگی سے واقف تھا؟' بچے کی آنکھ ضرور کسی مخصوص اہمیت کی حامل رہی ہوگی، ورنہ جوگیا کو خاص طور پر گفٹ پیک کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی ــــــ؟

میں خاصی دیر تک اس مختصر پیپر ویٹ کو الٹ پلٹ کر مختلف زاویوں سے دیکھتا رہا۔ ممکن ہے وہ میرا وہم رہا ہو لیکن بچے کی وہ آنکھ ہر زاویئے سے مجھے اپنے وجود میں چبھتی محسوس ہوئی۔ میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے اس پیپر ویٹ کو اپنے کپڑوں کی الماری میں چھپا کر رکھ دیا اور نہانے کے ارادے سے غسل خانے میں چلا گیا۔

رات کے کھانے پر میری والدہ نے پھر میری شادی کا ذکر ایک نئے انداز سے چھیڑ دیا۔

''دانش بیٹے ــــــ'' انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''خدا کے ہر کام میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور کارفرما ہوتی ہے جو بندہ قبل از وقت نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ بیگم نفیس نے شادی کے وقتی التوا کے سلسلے میں جو بات کہی ہے وہ درست نہیں ہے۔''

''کیا مطلب ــــــ؟'' میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''ضروری نہیں ہے کہ میرا اندازہ درست ہو۔'' ماں نے کچھ توقف سے جواب دیا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارے والد کے بیرسٹر نفیس سے کتنے گہرے اور پرانے مراسم قائم ہیں، بیگم نفیس کو میں نے ہمیشہ اپنا ہمنوا پایا ہے۔ میرے اور ان کے درمیان کبھی کوئی غلط فہمی بھی نہیں پیدا ہوئی۔ تمہارے والد کی موت کے بعد ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ کم ہونے کی بجائے اور مستحکم ہو گیا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ فاخرہ کے لئے تمہیں شروع سے پسند کرتی ہیں۔ میرے علاوہ تمہارے والد کو بھی فاخرہ پسند تھی۔ میں نے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہی پرانی واقفیت کو رشتے داری میں تبدیل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اب بھی میرے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔'' ماں سانس لینے کی خاطر ایک ثانئے کو خاموش ہوئیں پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔ ''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم اور فاخرہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں کی شادی خوشگوار مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود مجھے آج ایسا محسوس ہوا جیسے بیگم نفیس نے مجھ سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی ہے ــــــ''

''کیا بات ہو سکتی ہے ــــــ؟'' میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

''فی الحال میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن ــــــ'' ماں کچھ کہتے کہتے خاموش ہوئیں تو میری تشویش دوچند ہو گئی۔ ان کے چہرے پر طاری تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ مجھے کوئی بات بتاتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں۔

''کیا آپ کے خیال میں انہوں نے اپنے شوہر کے کسی عزیز کی موت والی بات ــــــ؟''

''نہیں ــــــ'' ماں نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ بیگم نفیس نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہی ہوگا۔''

''پھر ــــــ آپ کو کس بات کی تشویش ہے؟'' میں نے بے پرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''شادی دو ماہ آگے بڑھ جائے گی تو دونوں ہی خاندانوں کو زیادہ تیاری کا موقع مل جائے گا۔''

والدہ نے زبان سے کچھ نہیں کہا، اثبات میں گردن کو جنبش دے کر کھانے میں مشغول ہو گئیں لیکن میرے دل میں ایک پھانس سی چبھ گئی تھی ماں نے جو بات چھیڑی تھی وہ بلا مقصد نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ مجھے کچھ بتانا چاہتی تھیں ــــــ کوئی خاص بات ــــــ لیکن کسی خیال کے پیش نظر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ میں نے بلاوجہ ماں کو کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی نارمل ہو گئیں۔ میں نے بھی موضوع بدل کر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں لیکن یہ خیال بہرحال میرے ذہن میں رہ رہ کر کلبلا رہا تھا کہ آخر وہ کیا بات تھی جو ماں کے لبوں تک آتے آتے رہ گئی؟ کیا اس بات کا بھی کوئی تعلق میرے والد کی موت سے ہو سکتا تھا ــــــ؟ اور اگر ایسا تھا تو پھر بیگم نفیس کا ذکر درمیان میں آنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ــــــ؟ کیا وہ بھی کسی اہم راز سے واقف تھیں ــــــ؟

کھانے کے بعد والدہ اپنی خواب گاہ میں چلی گئیں تو میں اپنی اسٹڈی میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت رات کے دس کا عمل تھا۔ میں عام طور سے گیارہ بجے تک سو جانے کا عادی تھا لیکن اس روز جوگیا کے سامنے آنے کے بعد سے پے در پے ایسے حالات سامنے آ رہے تھے جنہوں نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی تھی جوگیا کا یہ یاد کرانا کہ میں نے اگر والد کی موت کے اسباب معلوم کرنے سے پیشتر شادی رچائی تو فاخرہ کسی ناگہانی موت کا شکار ہو جائے گی۔ بیگم نفیس کا میرے گھر آ کر شادی کی تاریخ دو ماہ بڑھانے کی درخواست

کرنا—— گفٹ پیک میں رکھے ہوئے سگار بکس سے بچے کی آنکھ والے پیپر ویٹ کا برآمد ہونا—— ماں کا یہ اظہارِ خیال کہ بیگم نفیس ان سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں پھر ماں کا خاموشی اختیار کر لینا۔ یہ باتیں ایسے تسلسل سے پیش آئی تھیں کہ میرا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

میں حالات کی کڑیاں ملانے کی کوششوں میں مصروف تھا جب دیوار پر لگی گھڑی نے گھنٹے بجا کر رات کے گیارہ کا اعلان کیا۔ میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ روپ نگر میں کشمیرا امپوریم سے شروع ہونے والے پراسرار حالات اور واقعات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا لیکن میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قاصر تھا۔ جوگیا کی آمد کے بعد سے صورت حال اور پیچیدہ ہو گئی تھی۔

میں گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وقت کی پابندی کا احساس مجھے اپنے مرحوم والد سے ورثے میں ملا تھا میں روشنیاں گل کر کے اسٹڈی سے باہر آ گیا۔ میرے قدم اپنی خواب گاہ کی سمت اٹھ رہے تھے جب مجھے ایسا لگا جیسے پیپر ویٹ میں نظر آنے والے بچے کی وہی آنکھ کہیں قریب سے میری ایک ایک حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی ہو۔ میں غیر اختیاری طور پر ٹھٹک کر رک گیا۔ میں نے تیزی سے گھوم پھر کر اطراف میں نظر دوڑائی پھر مجھے خود ہی اپنی حماقت پر ہنسی آ گئی۔ پیپر ویٹ کے سیال مادہ میں محفوظ کی گئی وہ آنکھ بھلا میرا تعاقب کس طرح کر سکتی تھی؟ وہ احساس محض میرا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ پے در پے رونما ہونے والے غیر یقینی حالات اکثر انسان کو واہموں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ میں بھی اس وقت شاید کسی ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھا۔ میں اپنا ذہن جھٹک کر خوابگاہ میں داخل ہوا تو پھر ایک غیر یقینی صورت حال نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز کر دیں۔ میرے کمرے میں گھپ اندھیرا طاری تھا جبکہ میں سوتے وقت بھی ہمیشہ ایک نائٹ بلب جلائے رکھنے کا عادی تھا۔ یہ بات گھر کے تمام ملازموں کے علم میں تھی چنانچہ یہ سوال قدرتی طور پر میرے ذہن میں ابھرا کہ لائٹ کون بند کر سکتا ہے؟ پھر ایک ممکنہ جواب نے میری تشفی کر دی۔ اندھیرے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ بلب فیوز ہو گیا ہو مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ میں شاید حالات کے پیش نظر ضعیف الاعتقاد ہوتا جا رہا تھا، یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔ میں نے فوری طور پر اپنے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ خواہ سچویشن کیسی ہی کیوں نہ ہو، میں

آئندہ سے اپنے اعصاب کو متاثر نہیں ہونے دوں گا۔ پھر شانے جھٹک کر میں نے سوئچ بورڈ کی طرف قدم بڑھایا۔ خواب گاہ میں نائٹ بلب کے علاوہ بھی متبادل روشنی کا انتظام تھا۔ میں اندازے سے سوئچ بورڈ کی سمت ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ ایک سرسراتی ہوئی مدھم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''روشنی مت کرنا ورنہ تم ایک خوبصورت موقع ضائع کر دو گے——''

وہ آواز بہت واضح طور پر میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی تھی، میرا وہم نہیں ہو سکتی تھی۔

''کون ہو تم——؟'' میں نے سوئچ بورڈ کی طرف سے ہاتھ کھینچ کر خوفزدہ ہوئے بغیر سوال کیا۔

''دروازہ اندر سے بولٹ کر لو——'' وہی مدھم آواز جو کہیں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی دوبارہ میرے کانوں میں گونجی۔

''تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا——؟'' میں نے ٹھوس اور سرد لہجہ اختیار کیا۔

''کون ہو تم اور کس مقصد سے یہاں آئے ہو——؟''

اندھیرے سے آنے والی سائلنسر لگے پستول کی کوئی گولی میرے وجود کو پل بھر میں موت سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ اصولی طور پر کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی مجھے وہاں سے نکل جانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی لیکن نہ جانے کیوں میں نے موقع سے فرار ہونے کے بارے میں غور نہیں کیا۔ خطرے کے کسی احساس نے میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی ''بھاگ نکلنے'' کا خیال نہیں پیدا کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میں چونکہ پہلی بار ایسی کسی صورت سے دوچار ہوا تھا، اس لئے مجھے اس کے دوررس، سنگین اور خطرناک نتائج کی فوری طور پر کوئی فکر لاحق نہیں ہوئی۔

''دروازہ بند کر کے دوبارہ اس پیپر ویٹ کو نکال کر دیکھو، شاید تمہاری کوئی مشکل آسان ہو جائے۔'' مدھم اور سپاٹ آواز نے دوبارہ میرا سوال نظر انداز کر کے جواب دیا۔ اس آواز میں کرب کی آمیزش بھی تھی۔

پیپر ویٹ کے حوالے نے میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز کر دی۔ ایک لمحے کو میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتا رہا۔ پھر میں نے ہمت سے کام لے کر خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اندازے سے کپڑوں کی

الماری کی جانب قدم بڑھانے لگا جہاں میں نے سگار بکس سے برآمد ہونے والے پیپر ویٹ کو چھپا کر رکھا تھا۔

مطلوبہ الماری کے قریب پہنچ کر میرے قدم رک گئے۔ کمرے میں طاری گھپ اندھیرا میری نظروں کے سامنے سے آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا شاید اس لئے کہ میں اپنی خواب گاہ کے ایک ایک گوشے سے واقف تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ باہر ہونے والی روشنی میرے کمرے کے ایک روشندان پر چمک رہی تھی۔ اس دھندلی روشنی کا وجود بھی میری بینائی کو خود اعتمادی بخش رہا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر الماری کا دروازہ کھولا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ ڈیڑھ انچ کا وہ پیپر ویٹ جسے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے الماری کے اندرونی گوشے میں مختلف چیزوں کے نیچے چھپا کر رکھا تھا، بالکل میری نگاہوں کے سامنے موجود تھا۔ پیپر ویٹ پوری طرح روشن تھا اور روشنی میں وہ آنکھ کسی زندہ آنکھ کی مانند گردش کرتی نظر آرہی تھی۔ اس کی پتلی اپنے حلقے کے درمیان حیرت انگیز طور پر حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ پلکیں بھی جھپک رہی تھیں۔

میرے پورے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی۔ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا لیکن میں اس کی حقیقت کو جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ میری پوری توجہ اس آنکھ پر مرکوز تھی جو کسی زندہ بچے کی آنکھ کی طرح گردش کرتے کرتے اچانک چہرے پر جم گئی تھی۔ اس آنکھ کے سفید حلقے میں خون کی نسیں بھی آہستہ آہستہ واضح ہونے لگیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں جاگتی آنکھوں سے کوئی بھیانک اور ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہوں۔ مگر وہ خواب نہیں تھا۔

''تم اپنے باپ کی پراسرار موت کا راز جاننے کے لئے بے چین ہو ــــــ؟'' وہی کرب میں ڈوبی آواز پھر میری سماعت سے ٹکرائی۔

''ہاں ــــــ'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''جوگیا نے تم سے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا۔'' پیپر ویٹ کے اندر محفوظ وہ پراسرار آنکھ مجھ سے گفتگو کرنے لگی۔ اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ ''ضرغام تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ کچے دھاگے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے لیکن کسی طاقت نے اس کے ہونٹوں پر مہر لگا دی۔''

''ضرغام ــــــ؟''

''میرا اشارہ اس بوڑھے کی طرف ہے جو تمہیں روپ نگر میں کشمیر امپوریم پر ملا تھا۔''

''لیکن اس کے نوجوان بیٹے نے ــــــ''

''ہاں ــــــ'' مدھم آواز نے میری بات کاٹ کر سپاٹ انداز میں کہا۔ ''اس نے بھی غلط نہیں کہا تھا۔ ضرغام کو مرے پورے دس سال گزر چکے ہیں لیکن اس کی بے چین روح ابھی تک میری ہی طرح تمہاری دنیا میں بھٹک رہی ہے۔''

''وہ کسی حادثے کا شکار ہوا تھا ــــــ؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔ میرا ہاتھ تھام کر خاموشی سے چلو'' زندہ آنکھ کی پتلیاں بے چینی سے متحرک ہو گئیں۔ ''جو کچھ دیکھنا اسے صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا۔ جوگیا کے علاوہ کسی اور کے سامنے زبان کھولنے کی غلطی نہ کرنا ورنہ ــــــ'' اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

''ورنہ کیا ــــــ؟'' میں نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے تیزی سے سوال کیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں ہر لحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

''اس وقت زیادہ سوالات سے گریز کرو، پیپر ویٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔ خود پر ہر حال میں قابو رکھنے کی کوشش کرنا ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

میں نے ایک ثانئے کے لئے کچھ سوچا، پھر روشن پیپر ویٹ کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ میرا ہاتھ لگتے ہی پیپر ویٹ کی روشنی اچانک گل ہو گئی۔ میں نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ روپ نگر میں کشمیر امپوریم میں ضرغام سے ہونے والی ملاقات کے بعد سے جو کچھ ہو رہا تھا، حیرت انگیز اور ناقابل یقین ہی تھا۔ کسی زندہ انسانی آنکھ کا ایک پیپر ویٹ میں اس طرح بند ہونا کہ اس میں زندگی کی حرارتیں باقی رہیں ناممکن تھا۔ لیکن میں اپنے آپ کو نہیں جھٹلا سکتا تھا۔ اگر سفلی کے ناپاک عمل کے ذریعے سولہ فٹ کا کچا سوتی دھاگا ایک پکی عمر کے درمیانہ قد انسان کے پورے جسم کا خون چوس کر اسے موت کی نیند سلا سکتا تھا تو کسی بچے کی آنکھ کو پیپر ویٹ میں بند کر دینا بھی کوئی مشکل نہیں تھا۔ البتہ اس میں زندگی کی تمام علامتوں کا برقرار ہونا یقیناً تعجب خیز تھا۔

جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ شعبدے بازی کا کمال بھی ہو سکتا تھا۔ نظر بندی کے ذریعے سڑکوں پر کھیل تماشہ دکھانے والے بھی ایسے ایسے کمال دکھاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جادو برحق ہے، اس کا کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ ہولی اور دیوالی کے موقع پر اڑائی

جانے والی جیو دھاری ہانڈیوں کے سلسلے میں بھی ابھی تک دنیا کا کوئی سائنسدان یا محقق کوئی توجیح نہیں پیش کر سکا۔ چھل پیریوں اور بدروحوں کے تصور کے سلسلے میں بھی عقل سلیم کسی بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ لیکن دنیا کے گوشے گوشے میں آج بھی بے شمار عینی شاہد اپنی اپنی آپ بیتیوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ مغرب میں بلیک میجک کو ماننے والوں کی کمی نہیں۔ وہاں کے جادوگر اور جانے مانے بڑے بڑے پروفیسر لوگوں کی بھاری معاوضے کے عوض ان کے بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب کی ارواح سے بات کراتے ہیں۔ قدرت کی کاری گری میں حرف آخر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ مقدس کتابوں میں بھی ایسے لاتعداد معجزے اور حقائق موجود ہیں جنہیں اکثر دانشور دل کی گہرائیوں سے قبول نہیں کرتے۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی بھڑکتی آگ میں کسی انسان کا کودنا اور زندہ بچ جانا، لاٹھی کا سانپ کی شکل اختیار کر لینا، دریا کا درمیان سے اس طرح پھٹ جانا کہ خشکی کا راستہ پیدا ہو جائے، یہ اور دیگر بے شمار حقائق ہماری مقدس کتاب میں موجود ہیں۔ اس کائنات کا وجود میں آنا بھی کسی معجزے سے کم نہیں۔ قدرت کے کرشموں سے انکار کرنا کفر کی علامت ہے۔ بات اپنے اپنے عقیدے کی پختگی کی ہے۔ میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط؟ سیاہ وسفید کا فیصلہ مرنے کے بعد ہی ہو گا۔ میں نے اس ذکر کو اس لئے چھیڑا ہے کہ جو حالات میرے ساتھ پیش آ رہے تھے وہ بھی نہایت پراسرار اور ناقابل فہم تھے۔ لیکن میری ذات ان واقعات کی نفی بھی نہیں کر سکتی اس لئے کہ میں خود ان کا گواہ ہوں!!

پیپر ویٹ کو جیب میں ڈالنے کے بعد میں عقل گھوڑے دوڑا۔ نے کے بارے میں غور کر رہا تھا جب میں نے محسوس کیا کہ کسی بچے کے ہاتھ کی استخوانی انگلیوں نے میری سیدھی کلائی پر اپنی گرفت جما لی ہو۔ وہ انگلیاں گوشت پوست کی قید سے یکسر آزاد تھیں، ان کی مضبوط گرفت مجھے اپنی کلائی میں چبھتی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے ذہن پر غنودگی کا غلبہ بھی اتنی سرعت سے ہوا کہ میں اپنے آپ کو ان کرخت انگلیوں کی قید سے چھڑانے کی کوشش نہ کر سکا۔ پھر جو کچھ ہوا اس کی روداد بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

میں غنودگی کی حالت میں دو چار قدم اٹھاتا ہوا اپنے بنگلے کے عقبی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ کوئی نادیدہ قوت میرے اعصاب پر پوری طرح حاوی تھی۔ میں دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا لیکن اپنے کسی ارادے پر عمل کرنے سے قاصر تھا۔ ماورائی طاقتوں نے مجھے پوری طرح

اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔

میں بنگلے کے عقبی حصے سے نکل کر کھلی سڑک پر آ گیا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے قدم زمین سے اٹھ گئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کی شائیں شائیں کی تیز آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں برق رفتاری سے فضا میں پرواز کر رہا ہوں۔ وقت کی رفتار بھی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ کبھی صبح کا ملگجا اندھیرا، کبھی سورج کی تیز روشنی کی تمازت، شام کا جھٹ پٹا اندھیرا، رات کی تاریکی، کبھی چاند اور ستاروں کا نظر آ کر غائب ہو جانا، کبھی دن کے اجالے کا تیزی سے پھیل کر اندھیروں میں مدغم ہو جانا، سب کچھ طلسمی اور ناقابل یقین لگ رہا تھا۔ سوکھی ہڈیوں والی انگلیوں کی گرفت کی ناقابل برداشت چبھن بڑھتی جا رہی تھی، شاید اس تکلیف کی شدت کا احساس ہی میرے ذہن کو مفلوج کرنے کا سبب تھا لیکن ایک حیرت انگیز بات اور بھی تھی۔ میری آنکھوں میں ایک لمحے کو بھی نیند کا خمار نہیں ابھرا۔

مجھے ہر شے دُھندلی دُھندلی نظر آ رہی تھی۔ وقت گزرنے کا احساس بھی مفقود ہو کر رہ گیا تھا۔ بچے کی پراسرار آنکھ نے مجھے خاموش رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس نے منع نہ کیا ہوتا تو شاید تب بھی میری قوتِ گفتار میرا ساتھ نہ دیتی۔ میں کسی ساحرانہ جال میں بری طرح جکڑ کر بے بسی کا شکار ہو گیا تھا جب کرب میں ڈوبی ہوئی وہی مدھم آواز سرگوشی بن کر میرے کانوں میں گونجی۔

”میری ہدایت کو فراموش مت کرنا۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھنا ورنہ سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔“

میں نے جواب دینے کی کوشش کی، چپ رہتے رہتے میرا دم گھٹنے لگا تھا مگر قوتِ گویائی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ میں فضا میں معلق کسی سیارے کی طرح تیرتا رہا۔ پھر مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ میری نظروں کے سامنے سے دھند کی چادر یکلخت سرک گئی۔ مجھے قرب و جوار کی ہر شے نہایت صاف اور واضح طور پر نظر آنے لگی۔

میں کسی عمارت کے زمین دوز تہہ خانے میں کھڑا تھا جہاں ایک طرف کاٹھ کباڑ جمع تھا اور دوسری طرف پختہ زمین پر ایک عورت اس قدر کسمپرسی کے عالم میں بے یار و مددگار پڑی تھی کہ اسے دیکھتے ہی مجھے جھرجھری آ گئی۔ میری نظریں اس کے وجود پر جم کر رہ گئیں۔

اس کے جسم پر کپڑے کی ایک معمولی سی دھجی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن مادر زاد برہنہ ہونے کے باوجود اس کے اندر ایسی کشش بھی باقی نہیں رہ گئی تھی جو کسی جنس مخالف کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون میں کوئی گرمی یا حرارت پیدا کر سکتی۔ اگر اس کی آنکھیں کھلی نہ ہوتیں اور گردن سے اوپر کا حصہ صحیح سلامت نہ ہوتا تو میں اسے کسی بدنصیب عورت کی جلی ہوئی لاش ہی سمجھتا۔

اس کے پورے جسم پر بڑے بڑے آبلے موجود تھے۔ جلد کی سیاہی مائل رنگت دیکھ کر یہی اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ اس کے چہرے کے مختلف حصوں کو بار بار کسی دہکتی ہوئی شے سے اس طرح داغا جاتا رہا ہے کہ وہ کرب اور اذیت سے دوچار ہونے کے باوجود زندگی کی قید سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔ اس کے جسم کے اکثر حصوں سے پیپ بہہ رہی تھی جس کا تعفن پورے ماحول کو پراگندہ کر رہا تھا۔ اس کے سینے کو اس انداز میں زخمی کیا گیا تھا کہ وہ کچوکے لگے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر چکا تھا جس پر جابجا جما ہوا خون بھی سیاہ پپڑیوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کے اطراف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ اور پیروں کو زنجیروں سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ کروٹ بدلنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

اس کے چہرے پر موت کی حسرتیں تڑپتی نظر آ رہی تھیں۔ اس کی بے نور آنکھیں چھت پر مرکوز تھیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کی پلکیں جھپکتیں پھر وہ سوکھے ہوئے حلق سے ایک کربناک سسکی لے کر دوبارہ چھت کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگتی۔ وہ ظاہری حالت میں اپنی عمر سے کہیں زیادہ نظر آ رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس حال تک کس جرم کی پاداش میں پہنچی؟ لیکن اس کے وجود کا کھنڈر اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ عمارت بھی بہت حسین رہی ہوگی۔ وہ جن لوگوں کی قید میں تھی وہ یقیناً خونی درندوں سے زیادہ بے رحم ہوں گے۔ اگر ان میں انسانیت ہوتی تو اسے مسلسل اذیتیں دینے کی بجائے ایک ہی بار گولی مار کر یا گلا گھونٹ کر ختم کر چکے ہوتے۔

میں کسی بے جان مجسمے کی مانند خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ میرے اوپر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ ایک انجان خوف مجھے پسینہ پسینہ کر رہا تھا۔ وہ عورت کون تھی؟ —— مجھے اس جگہ کیوں لایا گیا تھا؟ —— کیا میں ہوش میں تھا یا کسی خواب کی کیفیت سے

دوچار تھا —— ؟ ابھی میرے ذہن میں مختلف سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے کہ دو ہٹے کٹے پجاری جن کی نگاہوں سے نفرت، حقارت اور درندگی جھانک رہی تھی، تہہ خانے کا واحد دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ میں ایسے زاویے پر کھڑا تھا کہ ان کی نگاہوں میں نہیں آ سکا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ تہہ خانے میں میری موجودگی چونکہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی اس لئے انہوں نے عورت کے سوا کسی اور طرف دیکھنے یا متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی ہو۔ میں دم سادھے خاموش کھڑا رہا۔ وہ قدم اٹھاتے عورت کے قریب جا کر رک گئے۔

''تم —— '' عورت کے ہونٹوں سے درد بھری آواز اُبھری۔ ''اب کیا لینے آئے ہو؟ کیا تمہارا من ابھی تک شانت نہیں ہوا؟''

''نہیں —— '' دراز قد پجاری نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ''جب تک تیرے پلید شریر اور گندی آتما کا سمبندھ قائم ہے ہم شانت نہیں ہو سکتے۔ اس کا کارن تو بھی جانتی ہے —— کلنکنی۔''

''اگر میں کلنکنی ہوں —— پاپن ہوں تو تم دونوں ایک ہی بار میرا کریا کرم کیوں نہیں کر دیتے؟'' عورت نے تڑپ کر کہا۔ ''بار بار میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کیوں آ جاتے ہو —— ؟''

''چنتا مت کر کسبی (فاحشہ عورت)، ہم تیری یہ آشا بھی پوری کر دیں گے۔ پرنتو تجھے پہلے اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔'' دوسرے پجاری کے لہجے میں بھی عورت کے لئے رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ اس نے شعلہ بار نظروں سے عورت کو گھورتے ہوئے غرا کر کہا۔ ''اس حرام کے تخم کا نام اگل دے جس نے تجھے دھرم سے منہ موڑ کر پاپ کا راستہ دکھایا تھا —— ''

''میں نے کوئی پاپ نہیں کیا —— '' عورت نے خود کو زنجیروں کی قید سے آزاد کرنے کی خاطر ہاتھ پیر چلاتے ہوئے حقارت سے کہا۔ ''جس نے میرے پوتر جیون میں زہر گھولا، جس نے میرے ساتھ زور زبردستی سے اپنا منہ کالا کیا وہ کوئی اور نہیں بلکہ تیرا متر (دوست) تھا، میں تمہیں پہلے بھی اس کمینے کا نام —— ''

''خبردار —— '' جواب میں پجاری نے اتنی شدت سے عورت کے منہ پر لات ماری کے اس کے ہونٹوں سے خون جاری ہو گیا پھر چیخ کر بولا۔ ''اگر تو نے دوبارہ اس

دیوتا سمان بھلے مانس کا نام اپنی زبان سے لیا تو میں تمہاری زبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"یہ سیدھی طرح زبان نہیں کھولے گی۔" دراز قد پجاری نے سفاک انداز میں کہا۔ پھر اس نے کاٹھ کباڑ کے پاس رکھے ہوئے مٹکے نما برتن کو بڑھ کر اٹھا لیا۔ اس کے تیور خطرناک ہوتے جا رہے تھے۔ دوبارہ قریب جا کر اس نے مٹکے میں موجود سیاہ رنگ کا کوئی بدبودار تیل عورت کے جسم پر لوٹ دیا۔

"یہ ـــــ یہ تم کیا کر رہے ہو ـــــ؟" دوسرے پجاری نے احتجاج کیا۔ "اگر یہ مر گئی تو ہم اُس دشٹ کا نام پتہ کس سے معلوم کریں گے؟"

"اس کی آتما سے ـــــ" دراز قد پجاری ہذیانی انداز میں بولا پھر اس نے جیب سے ماچس نکال کر تیل کو آگ لگا دی۔ تہہ خانے میں شعلے بھڑک اٹھے۔ عورت کی کربناک چیخوں کی آوازیں میرے وجود کو لرزہ بر اندام کرنے لگیں۔ زندگی اور موت کا بھیانک اور شیطانی کھیل دیکھ کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ میں نے انجام کی پرواہ کئے بغیر ہٹے کٹے پجاریوں کی سمت چھلانگ لگانے کی ٹھانی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میری کلائی پر استخوانی انگلیوں کی گرفت اور سخت ہو گئی۔

"اپنی موت کو دعوت مت دو۔ میں نے تمہیں ہر حال میں زبان بند رکھنے کا مشورہ ـــــ" کرب میں ڈوبی ہوئی وہی آواز پھر میرے کانوں میں گونجی لیکن اس کا جملہ ادھورا ہی رہا۔ اس آواز کے ابھرتے ہی دونوں پجاری اس طرح چونک کر اچھلے اور میری سمت پلٹے جیسے انہیں اچانک کوئی ایسی شے مل گئی ہو جس کی انہیں برسوں سے تلاش تھی ـــــ پھر وہ خوفناک انداز میں میری طرف جھپٹے لیکن اسی لمحے میری کلائی نادیدہ گرفت کے شکنجے سے آزاد ہو گئی۔ پھر مجھے ایسا لگا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ میں خود کو فضا میں گردش کرتا دیکھ کر خوف سے چیخ اٹھا۔

"بچاؤ ـــــ بچاؤ ـــــ"

"دانش ـــــ دانش، میرے بچے ہوش میں آؤ ـــــ"

میں نے ماں کی مانوس آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔ میرے ذہن کو دوسرا جھٹکا لگا۔ میں اس وقت کسی تہہ خانے کی بجائے اپنی خواب گاہ میں، اپنے بستر پر موجود تھا۔ میری ماں میرے قریب بیٹھی مجھے حیرت سے گھور رہی تھیں۔

"تم ـــــ شاید کوئی خواب دیکھ کر ڈر گئے تھے ـــــ" ماں نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "سوتے میں ہاتھ چلا کر تم بچاؤ ـــــ بچاؤ کہہ رہے تھے۔ مجھے بتاؤ دانش ـــــ کیا خواب دیکھا تھا تم نے ـــــ؟ کس بات نے تمہیں خوفزدہ کر دیا تھا ـــــ؟"

"جی ـــــ وہ شاید تھکن کا نتیجہ تھا۔" میں نے دیدہ و دانستہ دروغ گوئی سے کام لیا۔ "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں سوتے میں کیا کہہ رہا تھا آپ کو بلاوجہ میری خاطر زحمت ہوئی۔"

ماں نے بڑے پیار سے میرے شانے کو تھپتھپایا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ انہیں میرے جواب کی صحت پر یقین نہیں آیا تھا ـــــ کچھ دیر بعد وہ چلی گئیں تو میں نے سب سے پہلے جیبوں کو ٹٹولا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر خوابگاہ کو اندر سے بند کیا، پھر کپڑوں کی الماری کو کھول کر دیکھا تو وہ پراسرار پیپر ویٹ اندر موجود تھا۔ میں نے اسے ہاتھ میں اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن بچے کی آنکھ اس وقت قطعی بے جان نظر آ رہی تھی۔ میرے ذہن میں گزرے لمحوں کا ایک ایک منظر تازہ ہونے لگا۔ میری عقل اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر تھی۔ عورت کے چہرے کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں اجاگر ہو رہا تھا۔ اس کی بے بسی، اس کی ویران آنکھوں میں تڑپتی موت کی حسرت، اس کا داغدار جسم جسے بڑے ظالمانہ انداز میں عبرت کا نشان بنایا گیا تھا، دونوں ہٹے کٹے پجاریوں اور عورت کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی میرے کانوں میں سرگوشی کے انداز میں گونج رہی تھی۔ وہ عورت سے کسی ایسے شخص کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے تھے جس نے ان کے خیال کے مطابق اسے گناہ پر اکسایا تھا لیکن عورت نے جب ان کے کسی ساتھی کو اپنی بربادی کا ذمہ دار ٹھہرایا تو دونوں پجاری غضب ناک ہو گئے۔ دراز قد پجاری اپنے اشتعال پر قابو نہ پا سکا، اس نے عورت پر تیل چھڑک کر اسے اپنے ساتھی کے منع کرنے کے باوجود شعلوں کے حوالے کر دیا۔

زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مظلوم عورت کی اذیت ناک چیخوں نے میری مردانگی کو للکارا، میں نے اسے بچانے کے لئے جھپٹنے کی کوشش کی لیکن کسی ماورائی قوت نے میرے قدم جکڑ رکھے تھے۔ پھر کرب میں ڈوبی ہوئی بچے کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ اس نے کہا تھا میں اپنی موت کو دعوت دینے سے گریز کروں۔ وہ مجھے یاد دلا رہا تھا کہ اس نے

مجھے ہر حال میں سختی سے زبان بند رکھ کر صرف تماشہ دیکھنے کی تلقین کی تھی لیکن وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ دونوں پجاری جو تہہ خانے میں میری موجودگی سے بے خبر تھے اس نادیدہ بچے کی آواز سن کر اس طرح چونکے تھے جیسے انہیں کسی گم شدہ قیمتی شے کا سراغ مل گیا ہو۔۔۔۔ وہ بڑے خوفناک انداز میں آدم خور درندوں کی طرح میری طرف لپکے تھے۔

اسی لمحے میری کلائی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ پھر ماں کی آواز سن کر میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنی خوابگاہ میں تھا۔۔۔۔ اور اب پیپر ویٹ کے اندر سیال مادے میں محفوظ وہ آنکھ بالکل بے جان نظر آ رہی تھی جسے میں پورے ہوش و حواس میں پتلیوں کو حرکت دیتے اور پلکوں کو جھپکاتے دیکھ چکا تھا۔ اس کی کہی ہوئی باتیں بھی میرے ذہن میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں۔ حالات جس انداز میں کروٹ بدل رہے تھے وہ میرے لئے ناقابل یقین ہی تھا۔

دفتر میں جوگیا کی آمد۔۔۔۔ گفٹ پیک کھولنے کا مشورہ۔۔۔۔ سگار بکس کے اندر رکھے ہوئے سرخ کاغذ میں لپٹے ہوئے پیپر ویٹ کا برآمد ہونا۔۔۔۔ فاخرہ سے میری شادی کا وقتی طور پر التوا۔۔۔۔ زنجیروں میں جکڑی ہوئی وہ عورت جو زندہ ہونے کے باوجود مُردوں سے بدتر حالات سے دوچار تھی۔۔۔۔ دونوں پجاریوں کا بچے کی آواز سن کر شکاری عقاب کی مانند میری طرف جھپٹنا پھر ہوش آنے پر میرا اپنی خواب گاہ میں موجود ہونا۔۔۔۔ اتنی ساری باتیں محض خواب نہیں ہو سکتی تھیں۔ جوگیا نے ضرغام کا حوالہ دے کر اس بات کی تصدیق بھی کر دی تھی کہ روپ نگر میں کشمیر امپوریم سے شروع ہونے والی داستان محض میرا واہمہ نہیں تھی۔ خود ضرغام کے بیٹے نے بھی یہی کہا تھا کہ ضرغام دس سال قبل ایک حادثاتی موت کا شکار ہوا تھا۔

پیش آنے والے حالات کی بکھری ہوئی بے جوڑ کڑیاں میرے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہو رہی تھیں۔ میں خاصی دیر تک بکھرے ہوئے کرداروں کا ایک دوسرے سے تعلق تلاش کرتا رہا لیکن کوئی حتمی نتیجہ نہ اخذ کر سکا۔ میرے والد کی پراسرار حالات میں واقع ہونے والی موت کی کہانی سلجھنے کی بجائے اور الجھتی جا رہی تھی۔۔۔۔!!



گزشتہ رات میں کس وقت سویا مجھے یاد نہیں۔ صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ میرے ذہن پر بیتی ہوئی رات کی باتوں کا پراسرار تاثر کسی بھوت کی طرح سوار تھا۔ میرے اندر ایک عجیب سی اتھل پتھل جاری تھی۔

روپ نگر سے واپسی کے بعد میں نے کچھ عرصہ تک پُرسکون رہنے کی ٹھانی تھی۔ مجھے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ ہر چند کہ ناکافی تھیں لیکن کچھ نہ ہونے سے بہتر تھیں۔ گلزار خان کا بیان میرے لئے خاص اہمیت رکھتا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق سلامت خاں یا رمیش میرے والد کی پراسرار موت کی سب سے اہم کڑی ثابت ہو سکتا تھا۔ پولیس نے اسے بھی شبہے میں کچھ دنوں حراست میں رکھ کر چھوڑ دیا تھا۔ بعد میں اس کے مفرور ہونے کے بعد اس کے گھر کی تلاشی لینے پر کچے سوت کے دھاگے کے گولوں کے علاوہ سیندور، کچھ مورتیاں، کوری ہانڈیاں اور بھیس بدلنے کا جو ساز و سامان برآمد ہوا تھا وہ اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ رمیش کا ہاتھ کسی نہ کسی زاویئے سے میرے والد کے قتل میں ضرور شامل تھا۔ ممکن ہے وہ محض کرائے کا آدمی ہو جس نے والد کے کسی دشمن کے اکسانے پر کچے دھاگے کا ناپاک اور جان لیوا عمل کیا ہو۔ یہ بھی قرین قیاس تھا کہ اسی نامعلوم دشمن نے پولیس کی مٹھی گرم کر کے یا اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے رمیش کو پولیس کی تحویل سے چھٹکارا دلا دیا ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی امکانی پہلوؤں پر غور کیا جا سکتا تھا لیکن ساری باتوں میں رمیش کی ذات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ کچھ عرصہ کاروبار پر توجہ دینے کے بعد رمیش کی تلاش پر سنجیدگی سے غور کروں گا لیکن فاخرہ سے شادی کے مسئلے نے نئی دشواریاں کھڑی کر دیں۔ اگر فاخرہ سے شادی کے سلسلے میں ماں نے زیادہ اصرار نہ کیا ہوتا تو شاید جوگیا درمیان میں نہ آتا۔ میں نے ایک سطحی بات سوچی لیکن جوگیا کا نام ذہن میں تازہ ہوتے ہی اور بھی کئی سوالات ابھر کر ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے۔

جوگیا نے کہا تھا کہ اگر میں نے باپ کے قاتل یا قاتلوں کو تلاش کئے بغیر شادی کی تو فاخرہ کی جان خطرے میں پڑ جائے گی ــــ مگر کیوں؟ فاخرہ اور میری شادی کا میرے باپ کی موت سے کیا تعلق ہوسکتا تھا؟ کیا میرے دشمن میرے والد کی موت کے بعد میری ماں کی خوشیوں کے بھی در پے آزار ہو گئے تھے؟ ــــ جوگیا کو اس بات کا قبل از وقت اندازہ کس طرح ہو گیا؟ ــــ کیا وہ دشمنوں کی خوفناک چال سے واقف تھا؟ ــــ اسے فاخرہ کی زندگی بچانے سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا تھا؟

پھر ایک خیال میرے دل و دماغ میں بجلی کی طرح کوندا ــــ جوگیا نے میرے ساتھ ہمدردی کر کے کسی دوسرے سے دشمنی کیوں مول لی تھی؟ کیا وہ میرے والد کے قاتلوں سے واقف تھا؟ اگر تھا تو اس نے کھل کر سب کچھ کیوں نہیں کہہ دیا؟ اسے بلاوجہ میرے دشمنوں سے دشمنی مول لینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اس چال میں اس کا کوئی ذاتی مفاد بھی شامل تھا؟

ڈور کا سرا ملنے کی بجائے بات اور الجھتی جا رہی تھی۔

ناشتے کی میز پر خلافِ توقع میری والدہ بھی خاموش خاموش تھیں۔ فاخرہ سے شادی کے وقتی التوا نے انہیں بھی الجھا دیا تھا ــــ مگر کیوں؟ انہوں نے دبی زبان میں کہا تھا کہ بیگم نفیس نے دو ماہ کی مہلت طلب کرنے کے سلسلے میں جو بات کی تھی اس میں بھی کوئی خاص مصلحت شامل تھی ــــ آخر ماں کو اس بات کا خیال کیوں ہوا ــــ؟ بیگم نفیس کو دو ماہ کی مہلت مانگ کر کیا فائدہ حاصل ہوسکتا تھا؟ وہ کیا راز تھا جو ماں کے سینے میں دفن تھا؟ وہ اسے بتانے سے گریز کیوں کر رہی تھیں؟

میں نے ماں کو کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف رہا۔ پھر ناشتے کے بعد اٹھنے لگا تو ماں نے میرے چہرے پر نظر جماتے ہوئے پوچھا۔

”دانش ــــ کیا تمہیں اب بھی یاد نہیں آیا کہ رات تم نے کیا خواب دیکھا تھا؟“

”جی ــــ جی نہیں۔“ میں نے سادگی سے جواب دیا۔

”لیکن میں نے واضح طور پر تمہارے چہرے پر خوف کی علامتیں محسوس کی تھیں۔ تم کسی بات یا منظر سے خوفزدہ ہو کر بچاؤ ــــ بچاؤ کہہ رہے تھے۔“

”ہوسکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو لیکن مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔“

ماں نے گہری نظروں سے میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

”کیا بات ہے ــــ؟“ میں نے بڑے پیار سے ماں کو ٹالنے کی کوشش کی۔ ”آپ محض میرے کسی خواب کی وجہ سے اس قدر فکرمند کیوں ہیں؟“

”اس لئے کہ اب صرف تم میری زندگی کا آخری سہارا رہ گئے ہو۔“ ماں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں جواب دیا۔ ”میں نہیں چاہتی کہ تم کسی خطرے میں پڑو۔“

”خطرہ ــــ!“ میں نے تجاہلِ عارفانہ سے مسکرا کر دریافت کیا۔ ”میں سمجھا نہیں ــــ آپ کس خطرے کی بات کر رہی ہیں؟“

”تم ــــ تم روپ نگر کیوں گئے تھے؟“ ماں کے چہرے پر کربناک سنجیدگی طاری ہونے لگی۔

”صرف تفریح کی خاطر ــــ“ میں نے پھر دروغ گوئی سے کام لیا۔ ”کاروباری مصروفیات کی وجہ سے ــــ“

”میں نہیں مان سکتی ــــ“ ماں نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ”تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”اگر آپ کو اس بات کا شبہ ہے تو اس کی کوئی وجہ بھی ضرور ہوگی؟“ میں نے بدستور لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔

”ہاں ــــ“ ماں سرد آہ بھر کر بولی۔ ”کیا تم اس بات سے واقف نہیں ہو کہ روپ نگر ہی کی منحوس فضاؤں میں تمہارے والد کا سایہ تمہارے سر سے اٹھا تھا۔“

”مجھے معلوم ہے۔ لیکن میں تو ان کی موت کے ڈیڑھ سال بعد روپ نگر گیا تھا۔“

”میں سمجھ رہی ہوں ــــ“ ماں نے ہاتھ مسلتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”تم مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتے اس لئے جو کچھ کر رہے ہو انتہائی رازداری سے کر رہے ہو۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتی۔“

”آپ کیا پسند نہیں کرتیں امی جان؟“ میں نے ماں کا ہاتھ تھام کر بڑے لاڈ سے پوچھا۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”کیا میں نے کبھی آپ کی حکم عدولی کی ہے یا کسی بات سے سرتابی کی گستاخی کی جرأت کی ہے؟“

”نہیں ــــ“

''پھر۔۔۔۔؟ آپ کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔۔۔۔؟'' میں نے پہلی بار قدرے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا۔''والد صاحب کی موت کے بعد میں نے ہر لمحہ آپ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ اب صرف آپ ہی کا سایہ میرے سر پر باقی رہ گیا ہے۔ میں اس سائے کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن والد صاحب کی موت کا غم مجھے بھی ہے۔ ہوسکتا ہے میرا اندازہ درست نہ ہو لیکن کیا آپ اس بات کا یقین کرسکتی ہیں کہ سوت کا کچا اور حقیر دھاگہ بھی کسی انسان کی موت کا سبب بن سکتا ہے؟ کیا پولیس نے تفصیلی طور پر اس کی تفتیش کی اور اصل مجرموں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی؟ کیا اولاد ہونے کے ناتے یہ میرا فرض نہیں ہے کہ میں ان ظالموں کو بے نقاب کر کے سزا دلواؤں جنہوں نے میرے سر سے باپ کا سایہ اور آپ کا سہاگ چھین لیا؟''

''میری بات ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرو دانش۔۔۔۔'' ماں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔''کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں نہ کریدنا ہی بہتر ہوتا ہے۔۔۔۔ غلاظت میں پتھر پھینکنے سے اپنا دامن داغدار ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔''

''میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں لیکن۔۔۔۔''

''تمہیں آفس سے دیر ہورہی ہے۔۔۔۔'' ماں نے بات کاٹ کر اٹھتے ہوئے کہا۔''ہم اس موضوع پر پھر کسی وقت بات کریں گے۔''

''امی جان۔۔۔۔ کیا میں ایک بات دریافت کرسکتا ہوں؟''

''پوچھو۔۔۔۔''

''کیا آپ کو علم ہے کہ ہماری مشترکہ خوشیوں کا اصل قاتل کون ہے۔۔۔۔؟''

جواب میں ماں نے مجھے چونک کر دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی ابھر آئی۔ ایک لمحے تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے گھورتی رہیں پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''نہیں۔۔۔۔ مجھے نہیں معلوم کہ اصل قاتل کون ہے؟''

ماں کے جواب میں مجھے ممتا کا رنگ غالب نظر آیا۔ مجھے یقین تھا کہ انہوں نے اپنے جملے میں الفاظ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔ ممکن ہے وہ اصل قاتل سے ناواقف ہوں لیکن ان کا لب ولہجہ، ان کا طرز عمل، ان کی آنکھوں میں جھلکتے آنسو، ان کے چہرے پر کرب کے ابھرنے والے تاثرات اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ وہ قتل کے پس منظر کے

حقائق سے ضرور واقف تھیں۔

وہ حقائق کیا تھے؟ وہ اصلیت کیا تھی جسے میرے گوش گزار کرنا مصلحتوں کے خلاف سمجھا جا رہا تھا؟ میں اس کی باریکیوں کے راز کو نہیں سمجھ سکا لیکن میرا دل اس بات کی گواہی ضرور دے رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو مجھ سے چھپائی جا رہی ہے۔ شاید میری زندگی کو درپیش کسی خطرے کے پیش نظر ان باتوں کی پردہ پوشی ضروری سمجھی جا رہی تھی جس کا اظہار ایک جوان بیٹے کو اس کی بیوہ ماں سے جدا کرسکتا تھا۔۔۔۔!!

میں ماں کے دل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو شاید میرا طرز عمل بھی وہی ہوتا۔ چنانچہ میں نے ماں سے ضد کر کے اس راز کو اگلوانے کی کوشش نہیں کی، نہایت خندہ پیشانی سے ماں کو سینے سے لگا کر ان کی پیشانی چوم کر بولا۔

''امی جان، آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کی خوشیوں کی خاطر اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔''

''ایسی بری فال زبان سے مت نکالو'' ماں نے میری بلائیں لے کر اپنی ممتا کا اظہار کیا۔''خدا تمہیں ہمیشہ زندہ سلامت رکھے۔ میری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔''

ماں کو دلاسہ دے کر میں نے لباس تبدیل کیا اور دفتر کے لئے روانہ ہوگیا۔ ماں سے ہونے والی گفتگو نے میرے اندر کے تجسس کو ہوا دے کر اور بھڑکا دیا تھا۔ میں نے آنکھ بند کر کے سرنشست کی پشت سے ٹکا دیا اور نئے سرے سے حالات پر غور کرنے لگا۔ میرے والد کے زمانے کا بوڑھا تجربہ کار ڈرائیور بڑی مستعدی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ میں تمام راستے ذہنی جمناسٹک میں مبتلا رہا۔ بات سلجھنے کی بجائے وقت کے ساتھ ساتھ اور الجھتی جا رہی تھی۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ دوبارہ ماں کو کریدنے کی غلطی نہیں کروں گا مگر یہ تہیہ بھی کرلیا تھا کہ جب تک والد صاحب کے قتل کے معمے کو حل نہیں کرلوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

میرے ذہن کی سطح پر رہ رہ کر رمیش کا نام ابھر رہا تھا۔ گلزار خان نے اس کا جو حلیہ بتایا تھا اگر وہ میک اپ کا کمال نہیں تھا تو اس کی گردن پر بائیں جانب گہرے زخم کا نشان تلاش کرنا زیادہ دشوار نہیں تھا۔ وہ ایک بار ہاتھ آجاتا تو ساری گتھی سلجھ جاتی۔

دفتر پہنچ کر میں نے ایک دو ضروری فائل دیکھیں، پھر رمیش تک رسائی حاصل کرنے

کے منصوبوں پر غور کرنے لگا۔ معاً میرے ذہن میں اپنے ہی دفتر کے ایک پرانے ہندو ملازم امیت مہتا کا خیال آیا جو سات سال سے نہایت دیانت اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ والد صاحب کو بھی اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک سنجیدہ اور کم سخن آدمی تھا۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا لیکن دھرم کے معاملے میں بڑے سخت اور ٹھوس عقیدوں کا مالک تھا۔ مذاق میں بھی کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ میرے طلب کرنے پر وہ فوراً ہی آ گیا۔

''تشریف رکھئے مہتا جی۔'' میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''آپ کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے——؟''

''جی نہیں——'' اس نے بڑے مطمئن انداز میں جواب دیا۔ ''میں پہلے بھی سکھی تھا، اب بھی کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''والد صاحب کی کمی تو ضرور محسوس ہوتی ہو گی——؟'' میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''وہ تو دیوتا تھے۔'' مہتا نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''ایسے بھلے منش تھے کہ ان کی پوجا کو دل کرتا تھا۔ انہیں بھلا کون بھلا سکتا ہے؟''

''لیکن کسی سنگدل قاتل نے انہیں ہم سب سے چھین لیا۔'' میں نے جذباتی انداز اختیار کیا۔

''بھاگیہ (قسمت) کا لکھا تو اٹل ہوتا ہے۔ اسے دھرتی کی کوئی شکتی نہیں ٹال سکتی۔'' مہتا نے بدستور اُداس لہجے میں کہا۔ ''بھگوان جانے وہ کون دشٹ تھا جس نے کبیر جی جیسے دیالو منش کو بھی نہیں چھوڑا۔''

''پولیس ابھی تک قاتل کا کوئی کھوج نہیں لگا سکی۔'' میں نے دبی زبان میں اصل مقصد کی طرف آنا شروع کیا۔ ''پچھلے دنوں میں بھی روپ نگر گیا تھا لیکن——'' میں نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''لیکن کیا مالک——؟'' مہتا نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بے چینی سے دریافت کیا۔ ''آپ کچھ کہتے کہتے خاموش کیوں ہو گئے؟''

''میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں ان کے مطابق ایک چمار ذات ہندو نے کسی

کے کہنے پر انہیں سفلی کے گندے علم کا نشانہ بنایا تھا۔''

''پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں مالک، اچھے برے ہر دھرم میں ہوتے ہیں۔ رہا سفلی کا پلید عمل تو اسے کوئی ایسا ہی منش کر سکتا ہے جس نے گند کھایا ہو اور گند کھانے والے کا کوئی دھرم نہیں ہوتا، وہ صرف پلید ہوتا ہے۔'' مہتا نے کرسی پر کسمساتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''آپ جو کچھ بتا رہے ہیں کبیر جی کے سلسلے میں ایسی ہی ایک خبر اخبار میں بھی چھپی تھی—— لیکن کیا پولیس اس پاپی کا کھوج نہیں لگا سکی؟''

''جن کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں وہ پولیس کو بھی اپنے حق میں ہموار کر لیتے ہیں۔'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''میری ذاتی اطلاع کے مطابق پولیس نے اس شخص کو چند روز کے لئے حراست میں ضرور لیا تھا مگر بعد میں چھوڑ دیا۔ اس کا نام سلامت خان تھا۔''

''سلامت خان؟'' مہتا نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''یہ تو مسلمانوں جیسا نام ہے۔''

''صرف نام کی حد تک——''

''میں سمجھا نہیں مالک——''

''جس ہوٹل میں واردات ہوئی تھی وہاں اس نے خود کو اسی نام سے مشہور کر رکھا تھا۔'' میں نے مہتا کو ٹٹولتے ہوئے مخاطب کیا۔ ''اس کی اصلیت کیا تھی؟ اس کا نام کیا تھا؟—— اس کی شناختی علامت کیا ہے؟ میں سب کچھ معلوم کر چکا ہوں—— کیا آپ اس کی تلاش کے سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکتے ہیں؟''

''میں آپ کا مطلب کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں مالک۔'' مہتا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میں نے آپ کا اور آپ کے پرکھوں کا نمک کھایا ہے، آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ میں مر جاؤں گا لیکن آپ سے نمک حرامی نہیں کروں گا۔''

''کیا آپ کسی سفلی کرنے والے کو جانتے ہیں؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''میں نیچ ذات لوگوں سے دور کا بھی کوئی سمبندھ نہیں رکھتا لیکن آپ کے کارن بڑے سے بڑا بلیدان بھی دے سکتا ہوں۔'' وہ جذباتی ہونے لگا۔ ''آپ مجھ پر وشواس کر کے اس بدذات کا نام اور اس کی پہچان بتا دیں—— میں بھگوان کی سوگند کھا کر وچن دیتا ہوں کہ اگر میرے بس میں ہوا تو میں اس پاپی کو پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالوں گا۔''

''ایک بات اور——'' میں نے لوہا گرم دیکھ کر انہیں ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ''کیا آپ

کسی ایسے کاروباری حریف کا نام بتا سکتے ہیں جس سے والد صاحب کی کوئی دشمنی رہی ہو ـــــ یا ـــــ والد صاحب کی موت سے جس کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہو ـــــ؟"

"نہیں مالک ـــــ" اس نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں ایسے کسی آدمی سے جان کاری نہیں رکھتا۔"

میں نے فوری طور پر کوئی دوسرا سوال نہیں کیا، مہتا کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا۔ مجھے یقین تھا کہ اس نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو نبھانے میں بھی وہ دریغ نہیں کرے گا لیکن میں نے سلامت خان یا رمیش کے بارے میں ابھی تفصیل بتانے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میری ایک معمولی سی غلطی بھی میرے دشمنوں کو اور زیادہ محتاط ہونے کا موقع فراہم کر سکتی تھی جو مجھے منظور نہیں تھا۔

"کس وچار میں گم ہو گئے مالک؟" مہتا نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ "کیا آپ کو اپنے اس سیوک پر بھروسہ نہیں ہے ـــــ؟"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ میرے ڈائرکٹ فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"دانش اسپیکنگ ـــــ" میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"امیت مہتا تمہارا ایک نیک، سیدھا سادھا اور پرانا سیوک ہے۔" دوسری جانب سے کسی نے سپاٹ اور خشک لہجے میں کہا۔ "وہ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ میرا کہا مانو تو اسے درمیان میں مت لاؤ۔"

"کون ہو تم ـــــ؟" میں نے سرد لہجے میں دریافت کیا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہارے سورگ باشی پتا کا قاتل ہوں تو کیا تم میری بات کا وشواس کر لو گے؟"

مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے میرے اندر سلگتے بارود کو چنگاری دکھا دی ہو لیکن میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔ اپنے کسی ملازم کی موجودگی میں فون پر آپے سے باہر ہونا میرے لئے مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر امیت مہتا کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے کمرے سے جاتے ہی میں نے فون پر ایک بیہودہ مذاق کرنے والے کو بے نقط سنانے کی خاطر خود کو آمادہ کیا تھا لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے دوسرا جملہ

کہہ کر مجھے چونکا دیا۔

"تم نے اچھا کیا مسٹر دانش کہ مہتا کو مرنے سے بچالیا۔ اگر تم اس کی موجودگی میں زبان کھولتے تو وہ غریب بھی بے موت مارا جاتا۔ اس کا انجام بھی گلزار خان سے مختلف نہ ہوتا۔"

"کیا مطلب ـــــ؟" گلزار خان کا نام سن کر میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"مطلب جاننا چاہتے ہو تو روپ نگر کی پولیس چوکی پر فون کر کے میری بات کی تصدیق کر لو۔" اس بار بھی خشک اور سپاٹ لہجے میں کہا گیا۔ "گلزار خان کی لاش ابھی تک وہیں پڑی ہے۔ اس کی ارتھی اٹھنے سے پہلے اس ابھاگی کے شریر کا بھی پوسٹ مارٹم کیا جائے گا لیکن اس بار کچے دھاگے کی کہانی نہیں دہرائی جائے گی ـــــ سمجھ رہے ہو میری بات یا کھل کر تمہیں یہ بتانے کی کوشش کروں کہ گلزار خان کو کیوں اس کارن راستے سے ہٹایا گیا ہے کہ اس نے تمہارے سامنے زبان کھولنے کی بھول کی تھی۔"

"فون کرنے کا مقصد کیا ہے ـــــ؟" میں نے کال ٹیپ کرنے کی خاطر فون سے منسلک ریکارڈنگ مشین کا بٹن دباتے ہوئے حقارت سے کہا۔ "تم نے ابھی تک اپنا نام بھی نہیں بتایا ـــــ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم محض مجھے ذہنی الجھن میں مبتلا کرنے کی خاطر میرے مرحوم والد کی موت کا حوالہ دے کر ایک بھونڈا اور بیہودہ مذاق کر رہے ہو ـــــ؟"

"نہیں۔ میں اس سمے تم سے کھل کر دوٹوک فیصلہ کرنا چاہتا ہوں" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "موت اور زندگی کے ناٹک کا فیصلہ۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو ـــــ؟"

"میری بات دھیان سے سنو مسٹر دانش! تم نے ایک بار روپ نگر آ کر جو غلطی کی ہے اسے دوبارہ دہرانے کی بھول کبھی نہ کرنا اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"تم ـــــ" میں نے جھلا کر جواب دیا۔ "تم مجھے دھمکی دینے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو، جو چاہے سمجھ لو۔ پرنتو میری ایک بات اپنی بدھی میں بٹھا لو" اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "تم پہلے بھی روپ نگر آئے تھے اس حقیقت کو بھی بھولنے کی کوشش کرنا۔"

"پڑھے لکھے اور خاصے شاطر مجرم معلوم ہوتے ہو؟" میں نے اسے غصہ دلانے کی

خاطر نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔ وہ محتاط انداز میں بات کر رہا تھا۔ غصہ آ جانے کی صورت میں ممکن تھا کہ اس کی زبان پر کوئی ایسی بات آ جاتی جو اس کی تلاش یا اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہوتی۔ ویسے فوری طور پر میرے ذہن میں سلامت خان یا رمیش ہی کا نام ابھرا تھا۔

''میں تمہارے خیال کی تردید نہیں کروں گا۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔ ''تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ میں اُردو، ہندی دونوں بھاشائیں بڑی روانی سے بول سکتا ہوں۔ کبھی میرے منہ سے نکلا ہوا کوئی شبد تمہاری کھوپڑی کے اوپر سے گزر جائے تو پوچھ لینا۔''

''روپ نگر سے تمہارا کیا تعلق ہے؟'' میں نے پینترا بدل کر پوچھا۔ ''کیا میرے وہاں آنے سے تمہاری ذات کو تکلیف پہنچی ہے؟''

''نہیں ــــ لیکن تمہاری زندگی میری بات نہ مان کر خطرے میں ضرور پڑ سکتی ہے۔''

''تمہیں میری زندگی سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟'' میں نے دیدہ و دانستہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''مجھے تمہارے پتا (باپ) کی ذات سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن کبھی کبھی انسان کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

''تم ــــ تم کون ہو؟'' میں چیخ اٹھا۔ ''سلامت خان یا رمیش ــــ؟''

''سفلی کے عمل سے سلامت خان جیسے ناموں کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ تم چاہو تو رمیش کے نام سے یاد رکھو۔ میری ذات پر ناموں کا کبھی کوئی اثر نہیں پڑا۔ میں صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔''

''میرے باپ نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نفرت سے پوچھا۔ ''کیا تمہاری ان کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی تھی یا پھر تم نے کسی لمبی رقم کی لالچ میں کسی اور کے اشارے پر ان کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں؟''

''تم بھول رہے ہو کہ کبیر احمد کے کیس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا ــــ کیا تمہیں مرنے والے کی لاش کے پاس سے سولہ فٹ لمبے کچے سوتی دھاگے کے ملنے کا علم نہیں ہے جس نے تمہارے سورگ باشی پتا کے شریر کا سارا خون ......''

''حرامزادے ــــ'' میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ میری رگوں میں دوڑنے والے

لہو کی گردش تیز ہو گئی۔ میں چیخ کر بولا۔ ''میں تجھے پاتال سے بھی باہر نکال کر کتوں جیسی موت ماروں گا۔''

''میں نے تمہاری بات سن لی۔ اب تم بھی حرامزادے کی ایک بات کان کھول کر سن لو۔'' وہ سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''تم کبھی روپ نگر گئے تھے۔ تمہاری ملاقات کشمیر امپوریم پر ضرغام نامی کسی ایسے شخص سے ہوئی تھی جسے مرے ہوئے دس سال بیت گئے، تم نے اس کے ساتھ کیا باتیں کی تھیں، گلزار خان نے تم سے سلامت خان یا رمیش کے بارے میں کیا کچھ کہا تھا یہ تمام باتیں اپنی کھوپڑی سے ہمیشہ کے لئے نکال دو ورنہ تمہیں اپنی بربادی پر ماتم کرنے کا بھی موقع نصیب نہیں ہو گا۔ فی الحال گلزار خان کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اس کی روشنی میں تم اپنے ہوش میں جھانک سکتے ہو ــــ سمجھ رہے ہو میری بات؟''

''نامردوں کی طرح چھپ کر دھمکیاں دے رہے ہو ــــ نیچ ذات۔'' میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''مرد ہو تو کھل کر سامنے آؤ ــــ''

''چنتا مت کرو ــــ'' اس نے مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ ''ابھی تمہیں میری شکتی کا اندازہ نہیں ہے۔ جب ہو جائے گا تو تم اونچے سُروں میں بولنا بند کر دو گے۔''

''کیا صرف اپنی ناپاک شکتی کا احساس دلانے کی خاطر اتنی دیر سے بھونک رہے ہو ــــ؟'' میرے لہجے کی تلخی بڑھتی گئی۔

''مجھے تم سے ایک بات اور بھی معلوم کرنی ہے۔'' وہ میری بات نظر انداز کر کے بولا۔ ''تمہاری اور فاخرہ کی شادی ٹل جانے کا اصل کارن کیا ہے؟''

میں اس کے سوال پر چونکا۔ میرے ذہن میں جوگیا کا تصور اُبھرا۔ فاخرہ سے شادی نہ کرنے کا مشورہ اسی نے دیا تھا۔ پھر بیگم نفیس نے بھی دو مہینے کی مہلت طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سے بات کرنے والا اگر رمیش تھا تو اس کا فاخرہ اور میری شادی سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ ــــ معاً میرے ذہن میں ایک اور خیال بڑی سرعت سے اُبھرا ــــ کہیں جوگیا اور رمیش ایک ہی شخصیت کے دو روپ تو نہیں تھے؟ جوگیا کی حیثیت سے اس نے سامنے آ کر مجھے اپنی ماورائی قوتوں کے مظاہرے سے حیران کیا اور اب رمیش کی حیثیت اختیار کر کے مجھے الجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جوگیا کے تصور کے ساتھ مجھے وہ مفلر بھی یاد آ گیا جو اس نے گلے میں لپیٹ کر شرٹ کے اندر کر رکھا تھا ــــ جوگیا بھی ادھیڑ عمر کا تھا۔

خاصا مہذب اور پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے ــــ اسی کا نام سلامت خان اور رمیش بھی ہو سکتا تھا۔"

میرا ذہن بڑی تیزی سے کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گردن کے کسی گہرے زخم کو چھپانے کی خاطر مفلر کا استعمال یقیناً ایک موثر طریقہ تھا ــــ جوگیا نے میرے کمرے میں بیٹھے بیٹھے میرے منیجر کے آدھے راستے سے واپس ہونے کی بات کی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔ میرے سامنے موجود ہونے کے باوجود وہ منیجر کی نظروں سے اوجھل رہا تھا۔ پھر وہ کسی چھلاوے کی مانند نظروں سے اوجھل ہو گیا ــــ اس نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا تھا کہ میں اس کے سلسلے میں اپنے دل و دماغ کے دروازے بند کر لوں ــــ اور اب رمیش کی گفتگو کا لب لباب بھی یہی تھا کہ میں اپنے والد کی موت کی اصل وجہ معلوم کرنے کے ارادے سے باز آ جاؤں۔

"مسٹر دانش ــــ" تھوڑے توقف کے بعد دوسری طرف سے انتہائی نامناسب انداز میں پوچھا گیا۔ "کیا تمہیں سانپ سونگھ گیا ہے یا پھر تم اپنی موت کے تصور سے کپکپا رہے ہو؟ ــــ تم نے ابھی تک فاخرہ کے سلسلے میں میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

"تم اگر مہمان شکتی اور گندی قوتوں کے مالک ہو تو پھر مجھ سے کچھ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے ــــ؟" میں نے اسے ٹالنے کی خاطر ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا۔ میرے وجود کے اندر ابھی تک رمیش اور جوگیا کے نام آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"ایک آخری بات اور گرہ سے باندھ لو ــــ" اس نے اس بار تنبیہی لہجے میں کہا۔ "میرے مقابلے پر کسی اور کا سہارا لینے کی حماقت بھول کر بھی نہ کرنا ورنہ پوری دھرتی پر تمہیں کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں مل سکے گی۔"

"اس کا فیصلہ آنے والا وقت کرے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "میں تمہاری بکواس سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔"

"دھرتی پر کسی بالک کے لئے کیول دو ہی سمبندھ سب سے زیادہ انمول ہوتے ہیں۔ ایک ماں، دوسرا باپ۔ ان دونوں کا کوئی مول نہیں ہوتا، کوئی نعم البدل بھی نہیں ہوتا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہارے پتا کا سایہ تمہارے سر سے اٹھ چکا ہے اب کیول تمہاری ماں زندہ ہے، اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو تمہیں میری ہر آگیا کا پالن کرنا ہوگا ــــ

ٹھنڈے دل سے سوچ لو، میں پھر کسی سے تم کو ٹٹولنے کی کوشش کروں گا ــــ"

میں جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ وہ جوگیا یا رمیش میں سے جو کوئی بھی تھا، ماں کی موت کی دھمکی دے کر اس نے میرے زخموں پر نشتر چلا دیا تھا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ شاید میں نے روپ نگر جا کر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میرے الد کے قاتلوں کو یقیناً یہ بات پسند نہیں ہوگی کہ میں ان کا تعاقب کرتا ہوا ان کی شہ رگ تک پہنچ جاؤں۔ محبت اور جنگ میں کسی حربے کا استعمال ناجائز نہیں ہوتا۔ پانی میں ڈوبتا ہوا چڑیا کا ایک نوزائیدہ بچہ بھی اپنی زندگی بچانے کی خاطر آخری وقت تک پھڑپھڑاتا رہتا ہے۔ میرے والد کے قاتل تو ہوش مند اور گندی قوتوں کے مالک تھے، وہ مجھے میرے ارادے سے باز رکھنے کی خاطر اوچھے ہتھکنڈے اختیار کر رہے تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔

میں بڑی دیر تک اس فون کال کے سلسلے میں الجھتا رہا، پھر میں نے ٹیپ کی ہوئی گفتگو سننے کی خاطر ریوائنڈ کا بٹن دبا دیا، ہرچند کہ فون پر بات کرنے والے کا لب ولہجہ جوگیا سے مختلف تھا لیکن میں اسے ہر زاویئے سے جانچنا چاہتا تھا۔ مجرمانہ ذہن رکھنے والے قاتلوں کے لئے آواز بنا کر بولنا بھی کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ 'اگر جوگیا اور رمیش ایک ہی شخصیت کے دو روپ تھے تو پھر جوگیا کو میرے سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ آ ہی گیا تھا تو جو باتیں اس نے فون پر کی تھیں وہ دوبدو بھی کر سکتا تھا۔ وہ اگر پراسرار اور شیطانی قوتوں کا مالک تھا تو پھر اسے میری ذات سے کیا خطرہ لاحق تھا؟' کئی باتیں وضاحت طلب تھیں جو میرے ذہن کو الجھا رہی تھیں۔

ٹیپ ریوائنڈ ہو گیا تو میں نے پلے (PLAY) کا بٹن دبا دیا لیکن اس کے بعد مجھے ایک نئی صورت حال سے دوچار ہونا پڑا جو نہ صرف حیرت انگیز بلکہ ناقابل یقین تھی۔ ریکارڈنگ سسٹم میں اگر کوئی فنی خرابی تھی تو پھر ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سرے سے ریکارڈ ہی نہ ہوتی لیکن میری آواز بہت واضح طور پر سنائی دے رہی تھی جبکہ دوسری جانب سے بولنے والے کا ایک لفظ بھی ریکارڈ نہیں ہوا تھا۔ درمیانی وقفے میں صرف ٹیپ چلنے کی سائیں سائیں کی مدھم آواز ابھرتی رہی۔ میں نے جھلا کر پورا ٹیپ نکال کر ضائع کر دیا۔

مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میرا واسطہ جن لوگوں سے پڑا تھا وہ

طاغوتی قوتوں کے مالک تھے لیکن اس کے باوجود میں نے طے کرلیا تھا کہ ان کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔ البتہ ماں کے سلسلے میں مجھے جو دھمکی دی گئی تھی اس کے پیش نظر مجھے ہر کام بڑی رازداری سے کرنا لازم تھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانے کی ضرورت تھی۔ خود اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنا تھا۔ میں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں غور کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی کی آواز نے مجھے دوبارہ چونکا دیا۔

''ہیلو——'' میں نے تیسری گھنٹی بجنے کے بعد ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''سر——'' دوسری جانب سے میری لیڈی سیکرٹری کی مانوس آواز سنائی دی۔ ''آپ کے لئے روپ نگر سے کال ہے۔''

''کون بات کرنا چاہتا ہے——؟'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''کوئی انسپکٹر پولیس بات کریں گے۔ انہوں نے یہی کہا ہے، نام نہیں بتایا۔''

''او۔کے، آپ لائن ملا دیں۔'' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''ہیلو—— مسٹر دانش کبیر۔'' ریسیور پر ایک مردانہ آواز ابھری۔

''جی—— بول رہا ہوں——'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں روپ نگر کی پولیس سے انسپکٹر بنگش بول رہا ہوں۔''

''فرمایئے—— مجھ سے کیا کام پڑ گیا ہے——؟''

''آپ گلزار خان نامی کسی شخص سے واقف ہیں؟''

''جی نہیں——'' میں نے بہت سنبھل کر ڈھلمل انداز میں جواب دیا۔ ''کیا کوئی خاص مسئلہ ہے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے جناب۔'' انسپکٹر نے مہذب لہجے میں کہا۔ ''دراصل گلزار خان ایک غریب مقامی باشندہ ہے جو پرائیویٹ ریسٹ ہاؤسز اور چھوٹے موٹے ہوٹلوں میں ملازمت کر کے گزارا کرتا تھا۔ ابھی کچھ دیر پیشتر ہم نے جھاڑیوں سے اس کی لاش برآمد کی ہے۔ اس کی جامہ تلاشی پر آپ کا وزیٹنگ کارڈ ملا ہے۔''

''آئی سی——'' میں نے اس بار سنجیدگی سے کہا۔ ''پچھلے دنوں میں روپ نگر گیا تھا۔ میں نے ہوٹل کی بجائے ایک ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہاں جو شخص میری خدمت پر مامور تھا میں نے اسے اپنا کارڈ دیا تھا۔'' میں نے اپنی بات

جاری رکھی۔ ''اگر اسی شخص کا نام گلزار خان تھا تو مجھے اس کی موت کی اطلاع پر دکھ ہوا۔ وہ نہایت شریف، ایماندار اور خدمت گزار آدمی تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر کبھی شہر آئے تو مجھ سے ضرور ملے—— لیکن اس کی لاش جھاڑیوں سے ملی ہے، یہ بات میرے لئے یقیناً حیرت انگیز ہے۔ اس لئے کہ وہ تو نہایت......''

''ہوسکتا ہے کہ کسی اناڑی شکاری نے اس غریب کو جانور سمجھ کر گولی داغ دی ہو۔'' انسپکٹر بنگش نے دوستانہ انداز میں کہا۔ ''اس قسم کے واقعات یہاں ایک دو بار پہلے بھی رونما ہو چکے ہیں۔''

''کیا کچھ مشتبہ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے؟'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں دریافت کیا۔

''ابھی تک تو کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی لیکن ہم تفتیش کر رہے ہیں۔''

''میرے لائق کوئی خدمت——؟''

''جی نہیں۔'' انسپکٹر نے کہا۔ ''آپ کا کارڈ چونکہ مرنے والے کی جیب سے برآمد ہوا تھا اس لئے ہم نے محض خانہ پری کے لئے آپ کو زحمت دی تھی۔''

''کوئی بات نہیں——''

گلزار خان کی موت کی تصدیق ہو جانے کے بعد میرے دل میں ان لوگوں کے لئے اور شدید نفرت پیدا ہوگئی جنہوں نے میرے والد کو بھی کسی خاص دشمنی کی وجہ سے ہلاک کیا تھا اور ابھی تک آزادی کے ساتھ کھلی فضا میں دندناتے پھر رہے تھے۔

اس روز میں حسب معمول پانچ بجے دفتر سے اٹھنے لگا تو امیت مہتا نے دوبارہ مجھ سے ملاقات کی۔ وہ اس بات پر بضد تھا کہ میں اسے مشتبہ افراد کے نام سے آگاہ کر دوں۔ مجھے اس کے اصرار میں صداقت اور وفاداری نظر آرہی تھی لیکن فون آجانے کے بعد میں نے اسے ٹال دینا زیادہ مناسب سمجھا۔

''میں آپ کو خدمت کا موقع ضرور دوں گا مہتا جی لیکن فی الحال آپ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھیے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے ہدایت کی۔ ''جو بات میرے اور آپ کے درمیان ہوئی ہے اس کی بھنک بھی کسی تیسرے کو نہیں ملنی چاہئے۔''

''آپ مجھ پر وشواس کر سکتے ہیں مالک۔ جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔''

دفتر سے گھر جاتے وقت بھی میرا ذہن رمیش اور جوگیا کے سلسلے میں دو اور دو چار کرنے

میں مصروف تھا۔ کئی باتیں غور طلب تھیں۔ جوگیا کو بچے کی آنکھ والے پیپر ویٹ کا علم کس طرح ہوا جب کہ میرے اندازے کے مطابق خود ضرغام بھی اس سے لاعلم تھا؟ اس نے خاص طور پر اسی طرف میری توجہ کیوں مبذول کرائی تھی؟ وہ عورت کون تھی جو مجھے خواب میں نظر آئی تھی؟ دونوں ہٹے کٹے پجاری اس بدنصیب عورت کی زبان سے کس کا نام اگلوانا چاہتے تھے؟ دراز قد پجاری نے اپنے ساتھی کے روکنے کے باوجود اس عورت پر آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ کیوں لگا دی تھی؟۔۔۔۔ اس غریب کا انجام کیا ہوا؟ وہ زندہ بچی یا شعلوں میں جھلس کر کوئلہ بن گئی؟''

میرے ذہن میں خواب کا ایک ایک منظر کسی فلم کی مانند تصورات کی اسکرین پر اجاگر ہو رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ شعلوں میں گھری اس بدنصیب عورت کی فلک شگاف چیخوں کی آوازوں نے میری مردانگی کو للکارا تھا۔ میں اسے بچانے کی خاطر لپکا تھا لیکن بچے کی کربناک آواز ابھرتے ہی دونوں پجاری چونک کر میری طرف شکاری عقاب کی مانند جھپٹے تھے، عین اسی وقت میری کلائی استخوانی ہاتھ کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ میری آنکھ کھلی تو میں خوابگاہ میں موجود تھا۔۔۔۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ محض میرا خواب نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کا کوئی نہ کوئی تعلق اس کہانی سے ضرور منسلک تھا جو روپ نگر میں کشمیرا امپوریم پر میری اور ضرغام کی ملاقات کے بعد سے شروع ہوئی تھی۔ گلزار خان کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ جوگیا کا میری نگاہوں کے سامنے آنا، پھر اچانک نظروں سے اوجھل ہو جانا کسی طلسمی کہانی کا حصہ نہیں تھا۔ ضرغام سے میری ملاقات خواب میں نہیں بلکہ پورے ہوش و حواس میں ہوئی تھی۔۔۔۔ میں ان تمام باتوں کو دوسروں سے منوانے کے لئے کوئی ثبوت، کوئی جواز نہیں پیش کر سکتا۔ لیکن یہ بھی غلط نہیں ہے کہ میں بذات خود ان حیران کن باتوں کا گواہ تھا جن کی نفی نہیں کی جا سکتی تھی۔

بہر حال جس شخص نے بھی مجھے فون کر کے روپ نگر سے اور وہاں رونما ہونے والے واقعات سے الگ تھلگ رہنے کا مشورہ دیا تھا وہ صرف مذاق نہیں تھا۔ کوئی نہ کوئی خطرہ ایسا ضرور لاحق ہو گا جس نے میرے والد کے قاتل یا قاتلوں کو چوکنا کر دیا ہو گا۔ وہ مجھے تمام باتوں کو فراموش کر دینے کا جو مشورہ دے رہے تھے اس کے پس منظر میں ڈور کا کوئی ایسا سرا یقیناً ہو گا جو میرے ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔ میں اس نکتے کی اہمیت کو نہ جان سکا۔۔۔۔ مگر

میرے حریفوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اگر میں نے اپنی تگ و دو جاری رکھی تو میرے اور قانون کے ہاتھ ان کے گریبانوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے میری ماں کی موت کی دھمکی دی تھی۔ وہ آخری حربہ استعمال کر کے مجھے ذہنی طور پر مفلوج کرنا چاہتے تھے۔ میری اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا تو شاید میں انہیں منہ توڑ جواب دیتا لیکن ماں کی زندگی کو داؤ پر لگانا میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔ میں خون کے گھونٹ پی کر برداشت کرنے پر مجبور تھا لیکن میرا ذہن بدستور گھپ اندھیرے میں روشنی کی کوئی ایسی کرن تلاش کرنے میں مصروف تھا جو درست سمت میں میری اس طرح رہنمائی کر سکتی کہ سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی ٹوٹنے سے محفوظ رہتی۔۔۔۔!!

گھر پہنچ کر میں نے گرم پانی سے غسل کر کے لباس تبدیل کیا تو ذہن کا کچھ غبار ہلکا ہوا۔ ماں کی موجودگی میں میرا نارمل رہنا ضروری تھا ورنہ ان کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ میں والدہ کے ساتھ شام کی چائے پینے میں مصروف تھا کہ بیگم نفیس آ گئیں۔ اس وقت ان کی آمد خلاف توقع ہی تھی اس لئے کہ ابھی میری اور فاخرہ کی شادی کے التوا کی بات ہوئے کچھ ہی وقت گزرا تھا۔ میری والدہ نے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے لئے چائے بنانے لگیں۔ میں نے بیگم نفیس کو بغور دیکھا لیکن ان کے چہرے پر جو تاثرات نظر آ رہے تھے ان سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔ والدہ اور بیگم نفیس کے درمیان موسم کی تبدیلی کا ذکر شروع ہوا تو میں اٹھ کر اپنی لائبریری میں آ گیا جہاں میں اکثر اپنا کچھ نہ کچھ وقت کتابوں کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔ اس لائبریری کی داغ بیل والد صاحب نے ڈالی تھی اس لئے اگر اسے مشترکہ لائبریری کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اپنی زندگی میں والد صاحب نے اسے بڑے ذوق شوق سے ترتیب دیا تھا۔ کاروبار سے متعلق کتابوں کی الماریاں ایک طرف تھیں جبکہ دوسری الماریوں میں دنیا بھر کے چیدہ چیدہ مصنفوں کی مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں نہایت سلیقے سے ترتیب وار رکھی گئی تھیں۔ لائبریری میں جو میزیں تھیں، ایک والد صاحب کی بڑی میز تھی جو مغربی گوشے میں رکھی تھی۔ میں نے ان کی موت کے بعد اسے اسی حالت میں رہنے دیا تھا، اپنے لئے دوسری میز رکھ لی تھی۔ لائبریری میں ایک علیحدہ فون کنکشن بھی موجود تھا۔ کچھ دیگر برقی آلات بھی تھے جو والد صاحب کے زیر استعمال رہا کرتے تھے۔

میں یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھوں گا کہ والد صاحب کی موت کے بعد میں نے ان کی میز کی تمام درازوں کو بھی چھان مارا تھا اور سرسری طور پر ان کتابوں کو بھی الٹ پلٹ کر دیکھا تھا جو اکثر والد صاحب کے زیر مطالعہ رہتی تھیں لیکن میری محنت رائیگاں ہی گئی۔ مجھے اس چھان بین کے دوران کوئی بھی ایسی کارآمد چیز یا دستاویز نہیں ملی جو ان کی پراسرار موت کے سلسلے میں میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی۔ والد صاحب کی ان تمام ڈائریوں کو بھی کھنگال ڈالا تھا جن میں کاروبار اور بینک سے متعلق ضروری حوالوں کے علاوہ کوئی اور اندراجات نہیں تھے۔

اس وقت لائبریری میں میری آمد کا مقصد وہ نہیں تھا جو اکثر ہوا کرتا تھا۔ بیگم نفیس نہ آتیں تو میں والدہ ہی کے ساتھ رہتا۔ ان کے آ جانے سے میں نے ان کے درمیان سے ہٹ جانا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری موجودگی میں پھر کوئی ایسا موضوع زیر بحث آ جائے جو میرے اور والدہ دونوں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہو۔ خاص طور سے میں فاخرہ کے کسی حوالے سے بچنا چاہتا تھا۔

فاخرہ میری ماں ہی کی نہیں بلکہ میری بھی پسند تھی۔ میں جانتا تھا کہ بیرسٹر نفیس فاروقی اور بیگم نفیس کے علاوہ فاخرہ بھی مجھے پسند کرتی تھی۔ میرے اور فاخرہ کے درمیان بھی دونوں گھرانوں کے وسیع تعلقات کی وجہ سے اکثر مختلف عنوانات پر گفت و شنید رہتی تھی۔ وہ نہ صرف صورت کے اعتبار سے حسن کا مکمل شاہکار تھی بلکہ سیرت کے اعتبار سے بھی لاکھوں میں ایک تھی۔ میرے اور فاخرہ کے درمیان کبھی محبت کے موضوع پر کوئی بحث نہیں ہوئی تھی لیکن شاید اسے بھی اس بات کا بخوبی علم تھا کہ میں اس کی شخصیت سے متاثر ہوں۔ اگر ماں نے ہماری شادی کا ذکر از خود نہ چھیڑا ہوتا تو شاید کچھ وقت گزرنے کے بعد میں کسی نہ کسی بہانے ان پر فاخرہ کے سلسلے میں اپنی پسند کا عندیہ ظاہر کر دیتا۔

اس وقت بھی بیگم نفیس کو دیکھ کر میرے ذہن میں فاخرہ ہی کا تصور جاگا تھا جو میں خاموشی سے اٹھ کر لائبریری میں آ گیا تھا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر جوگیا کا تصور ابھرا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اگر میں نے اپنے باپ کے قاتلوں کو تلاش کئے بغیر شادی کی تو فاخرہ کی موت یقینی ہو گی۔ ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھے اس عقیدے پر مکمل یقین اور اعتماد ہے کہ موت اور زندگی کا اختیار صرف خدا کو ہے اور جس کے لئے جو

وقت مقرر کر دیا گیا ہے اسے دنیا کی تمام قوتیں مل کر بھی نہیں ٹال سکتیں۔ لیکن انسان کبھی کبھی ضعیف الاعتقادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں بھی جوگیا کے سلسلے میں اسی کمزوری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے منیجر کے آدھے راستے سے شادی کے کارڈ لے کر واپسی والی بات بڑے یقین سے کہی تھی اور ہوا بھی ویسا ہی تھا۔ پھر منیجر میرے آفس میں داخل ہونے کے باوجود جوگیا کی موجودگی سے یکسر لاعلم رہا اور اس کے بعد جب میں نے جوگیا کی شیطانی قوتوں کو آزمانے کی خاطر یہ دریافت کیا کہ سوت کے کچے دھاگے کے پیچھے کس کی شخصیت میرے والد کی موت کا سبب بنی تھی تو اس نے میری بات کو نظر انداز کر کے ضرغام کے دیئے ہوئے گفٹ پیک کو پہلی فرصت میں کھول کر دیکھنے کا مشورہ دیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ازاں بعد خواب کی کیفیت میں جو کچھ میری نظروں نے دیکھا اس نے گتھی کو اور الجھا دیا۔ پھر فون پر ہونے والی گفتگو نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ گلزار خان کی موت کی اطلاع کی تصدیق بھی ہو گئی تھی اس لئے ماں کی موت کی دھمکی نے میرے اعصاب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ فون کرنے والا بھی یقیناً طاغوتی قوتوں کا مالک تھا جو اس نے دور ہونے کے باوجود میرے ذہن میں جھانک کر دیکھ لیا ہو گا کہ میں نے امیت مہتا کو اپنے دفتر میں کس مقصد سے طلب کیا تھا۔ اس نے مجھ سے فاخرہ کے ساتھ شادی ٹل جانے کا سبب بھی دریافت کیا تھا۔۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔۔؟" اگر وہ دل میں جھانکنے کی قوت رکھتا تھا تو پھر اسے میری شادی کے التوا کا سبب بھی معلوم ہو جانا چاہئے تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اس کے مقابلے پر کسی اور کا سہارا لینے کی غلطی بھول کر بھی نہ کروں ورنہ مجھے کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہ ملے گی۔۔۔۔ "کیا اس کا اشارہ جوگیا کی طرف تھا؟۔۔۔۔ یا۔۔۔۔ اس نے جان بوجھ کر وہ بات کہی تھی کہ میں جوگیا اور رمیش کے درمیان کوئی رشتہ تلاش کرنے کی کوشش نہ کروں؟"

پیچیدگیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ میرا ذہن الجھ رہا تھا۔ میں نے وقت گزارنے کی خاطر یوں ہی ہاتھ بڑھا کر قریبی شیلف سے انگلش کی ایک ڈکشنری نکال کر اس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ لغت دیکھنا میری ہوبی (HOBBY) بھی تھی لیکن اس وقت نکرومین سی (NECROMANCY) کا لفظ میری نگاہوں کے سامنے آیا تو میری نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ اس کے معنی دیکھ کر میرے وجود کے اندر جوار بھاٹے کی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ میں نے کئی بار اس کے معنی کو بغور پڑھا۔۔۔۔ "مُردوں کی روحوں سے باتیں کر کے پیش

گوئی کرتا۔"ـــــ میرے اندر یہ خواہش بڑی شدت سے پیدا ہوئی کہ کاش میں کسی ایسے عامل یا ساحر کی تلاش کر سکتا جو مجھے آنے والے واقعات کے سلسلے میں کچھ بتا سکتا۔ مغرب میں بلیک میجک جاننے والوں کے علاوہ میرے مطلوبہ ساحر بھی بڑی آسانی سے ایک معقول معاوضے کے عوض دستیاب ہو جاتے ہیں لیکن مشرق میں اول تو ان باتوں کو بدعت سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ جو لوگ اس میدان میں خم ٹھونک کر سامنے آتے ہیں وہ اپنی چرب زبانی اور نفسیاتی حربے استعمال کر کے سادہ لوح افراد کو دھوکا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر پاتے۔ ٹیلی پیتھی (TELEPATHY) کے فن میں مہارت رکھنے والے بھی روحانی ربط کے ذریعہ قبل از وقت، آئندہ پیش آنے والے واقعات کی نشان دہی کر سکتے ہیں لیکن مشرق میں اس فن کو بھی محض ضعیف الاعتقاد افراد کی جیبیں کاٹنے کے لئے جعلی پیر فقیر اپنا ذریعہ آمدنی بنائے بیٹھے ہیں۔

میری نظریں ابھی لغت کے اس مخصوص لفظ اور اس کے معنی پر بار بار پھسل رہی تھیں جب فون کی گھنٹی کی آواز نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میں نے ڈکشنری بند کر کے ریسیور اٹھا لیا۔

"کیا آپ دانش بول رہے ہیں؟" دوسری طرف سے میری آواز سن کر تصدیق چاہی گئی۔

"جی ہاں مس فاخرہ۔" میں نے فاخرہ کی مانوس آواز پہچان کر قدرے بے تکلفی سے کہا۔ "میری خوش قسمتی ہے کہ اتفاق سے نہ صرف میں دانش بول رہا ہوں بلکہ لائبریری میں اس وقت میرے سوا کوئی دوسرا شخص بھی موجود نہیں ہےـــــ فرمائیے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"مجھے آپ سے ایک بہت اہم بات کرنی ہے لیکن اس شرط پر کہ آپ اسے نہ صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں گے بلکہ غلطی سے بھی اس کا تذکرہ کسی اور سے نہیں کریں گے۔ اپنی والدہ سے بھی نہیں۔" دوسری طرف سے بڑی سنجیدگی سے کہا گیا۔

"بات کیا ہےـــــ؟" میں نے احتیاطاً لائبریری کا دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے پوچھا ویسے مجھے اس بات پر حیرت بھی ہوئی کہ فاخرہ نے جو میری والدہ کو ہمیشہ آنٹی کہا کرتی تھی اس وقت "اپنی والدہ" کے اشارے سے موسوم کیا تھا۔ شاید بات کی نوعیت اتنی

ہی اہم تھی کہ اس نے آنٹی کہنے سے گریز کیا تھا۔

"میری تاکید کو فراموش نہ کیجئے گا، ورنہ آپ کو جو نقصان پہنچے گا اس کی تلافی بھی ناممکن ہو گیـــــ" اس نے ایک بار پھر اپنی بات کی اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"فاخرہـــــ" میں نے قدرے رومانی لہجے میں پوچھا۔ "آپ اصل بات بھی بتائیں گی یا ابھی کچھ دیر اور پہیلیاں بجھواتی رہیں گی؟"

"میرا قیمتی مشورہ ہے کہ آپ امیت مہتا کو پہلی فرصت میں ملازمت سے برطرف کر دیں اور مس منوالا سے فلرٹ شروع کر دیں۔"

"کیا؟ـــــ میں آپ کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔" میں نے گڑبڑا کر سوال کیا۔ "کیا آپ اس وقتـــــ"

"میرے پاس وقت کم ہے دانش صاحب۔" اس نے میری بات کاٹ کر ٹھوس لہجے میں کہا۔ "میرے مشورے پر عمل کر کے آپ اس الجھن سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کو فی الحال لاحق ہے۔"

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ امیت مہتا نہ صرف میرا بلکہ میرے مرحوم والد کے بھی اعتماد کا پرانا ملازم تھا اور منوالا میری لیڈی سیکرٹری تھی۔ میرے اور اس کے درمیان روزِ اوّل سے ایک باس اور ورکر کا ضروری فاصلہ برقرار تھا۔ فاخرہ کی دونوں باتیں میری عقل و فہم سے بالاتر ثابت ہو رہی تھیں۔

"مسٹر دانشـــــ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔" فاخرہ کی مانوس آواز دوبارہ ریسیور پر ابھری۔ "کیا آپ اپنی فاخرہ کی بات پر عمل کرنے سے ہچکچا رہے ہیں؟"

"یہ بات نہیں ہے لیکنـــــ"

"میں جو گزارش کر رہی ہوں اسے بلا کسی چون و چرا مان لیجئے، اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔" اس بار اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں یقین دلاتی ہوں کہ میری بات مان لینے کے بعد آپ کو کسی سے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگاـــــ"

"کیا مطلبـــــ؟" میں چونکا۔ "آپ کس خطرے کی بات کر رہی ہیںـــــ؟"

"میرا اشارہ اس فون کال کی طرف ہے جس نے آپ کا سکون برباد کر رکھا ہے۔"

"آپ ـــــ آپ ـــــ کس فون کال کی بات کر رہی ہیں؟" میں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔ فاخرہ کی باتیں سن کر نہ جانے کیوں میرے تن بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"اگر آپ کو اپنی فاخرہ اور اپنی ماں کی زندگی عزیز ہے تو میرے مشوروں پر عمل کرنے میں کسی سستی کا مظاہرہ مت کیجئے گا۔ فی الحال میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں بتا سکتی۔"

"لیکن آپ کو ان باتوں کا ـــــ"

"میری باتوں پر عمل کرنے کے بعد اپنی پرچھائیں سے بھی محتاط رہنے کی کوشش کیجئے گا۔" میرا جملہ پھر درمیان سے اچک لیا گیا۔ پھر اس سے پیشتر کہ میں کوئی دوسری بات کرتا دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

میں ریسیور کریڈل پر رکھ کر قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ میری پریشانی کم ہونے کی بجائے اور زیادہ بڑھ گئی ـــــ میرے دل و دماغ میں آندھی کے جھکڑ چلنے لگے۔ جس فون کال کی باتیں ابھی تک میرے سینے میں دفن تھیں اس کا علم فاخرہ کو کس طرح ہو گیا؟ ـــــ کیا میرے دشمنوں نے میرے بعد اب فاخرہ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانے کی ٹھان لی تھی ـــــ؟ امیت مہتا اور مس متوالا کا نام درمیان میں کیوں کر آ گیا ـــــ؟

میں بڑی دیر تک حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن رہا۔ پھر میں نے تیزی سے اٹھ کر فاخرہ کے نمبر ڈائل کئے۔ میرے وجود کی گہرائی میں کئی اندیشے اور وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ میرے خون کی گردش ہر لحظہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

"ہیلو ـــــ" چوتھی یا پھر شاید پانچویں گھنٹی کے بعد دوسری جانب سے ایک مردانہ آواز ابھری۔

"تم کون بول رہے ہو ـــــ؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"زین بول رہا ہوں جناب ـــــ" دوسری طرف سے بولنے والا بیگم نفیس کا پرانا ملازم ثابت ہوا۔ "آپ کو کس سے بات کرنی ہے ـــــ؟"

"فاخرہ بی بی سے بات کراؤ ـــــ" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ابھی تک اپنے کمرے سے باہر نہیں آئیں اور بیگم صاحبہ شاید آپ ہی کی طرف گئی ہیں۔" ملازم نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "آپ کہیں تو چھوٹی بی بی کو جگا دوں؟"

"کیا ان کے کمرے میں بھی فون ہے ـــــ؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔

"نہیں صاحب ـــــ ان کے کمرے میں کوئی فون نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے ـــــ میں پھر کسی وقت فون کر لوں گا۔"

میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔ ایک بار پھر میرے ذہن میں سوالوں کی یلغار شروع ہو گئی۔ میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے فاخرہ کی آواز شناخت کرنے میں کسی غلطی سے کام نہیں لیا تھا۔ البتہ اس کے لب و لہجے میں میں نے جو سنجیدگی اور خشکی محسوس کی تھی وہ اس کی فطرت کے برعکس تھی۔ تمام زندگی میں وہ نہایت ہنس مکھ، شوخ اور خاصی حاضر جواب واقع ہوئی تھی ـــــ پھر؟ اگر وہ فاخرہ نہیں تھی تو اور کون تھی؟ ـــــ اگر کسی نے فاخرہ کی آواز نقل کرنے کی کوشش کی تھی تو کیا اسے اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ میں اس سے تصدیق بھی کر سکتا ہوں؟ ـــــ خاص طور سے فاخرہ کا ہی نام کیوں استعمال کیا گیا تھا ـــــ؟ کیا اس فون کا مقصد بھی مجھے ذہنی طور پر الجھانا اور پریشان کرنا تھا ـــــ؟

دروازے پر دستک کی آواز ابھری تو میرے خیالات کا سلسلہ منتشر ہو گیا۔ میں لائبریری سے باہر آیا تو میری والدہ بیگم نفیس کے ساتھ موجود تھیں۔

"میں بیگم نفیس کے ساتھ فاخرہ بیٹی کو دیکھنے جا رہی ہوں۔" ماں نے مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ "مجھے دیر ہو جائے تو کھانے پر میرا انتظار نہ کرنا۔"

"خیریت تو ہے ـــــ؟" میں نے بیگم نفیس کی موجودگی میں زیادہ تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

"معمولی سا فصلی بخار ہے۔" بیگم نفیس نے وضاحت کی۔ "میں نے ذکر کیا تو تمہاری امی کو بلاوجہ فکر دامن گیر ہو گئی۔"

"فاخرہ اب ہماری امانت ہے۔" ماں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اس کی فکر ہمیں نہ ہو گی تو اور کسے ہو گی؟"

امی، بیگم نفیس کے ساتھ چلی گئیں تو میں اپنی خوابگاہ میں جا کر بستر پر نیم دراز ہو گیا۔ فاخرہ کی علالت کا سن کر اور ملازم زین کے بیان کی روشنی میں مجھے مجبوراً یہ سوچنا پڑا کہ وہ فون فاخرہ نے نہیں کیا ہو گا لیکن جس نے بھی کیا تھا اس نے حیرت انگیز طور پر فاخرہ کی آواز کی سو فیصد صحیح نقل کی تھی۔ لیکن میں اس کے بے سروپا مشوروں کا کوئی مقصد نہیں تلاش

کر سکا تھا۔

خاصی دیر تک میں بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹا صبح سے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اچانک میرے ذہن میں پیپر ویٹ کا خیال ابھرا۔ کوئی بات تھی جو میرے ذہن کو اس پراسرار پیپر ویٹ کو ایک نظر دوبارہ دیکھنے پر اکسا رہی تھی۔ میں نے خوابگاہ کا دروازہ اندر سے بند کر کے وہ الماری کھولی جہاں آخری بار میں نے اسے سگار بکس میں محفوظ کیا تھا۔ میں نے ڈبے کو کھولا تو وہاں پیپر ویٹ نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ میں نے بوکھلاہٹ میں پوری الماری الٹ پلٹ کر دیکھ ڈالی لیکن پیپر ویٹ کہیں نہ ملا۔ البتہ سگار کے ڈبے میں رکھے ہوئے سرخ کاغذ کے درمیان ایک مختصر سی چٹ پر میرے لئے ایک پیغام ضرور موجود تھا ——

''فاخرہ نے فون پر جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کرنا ہی تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ لیکن اس سلسلے میں رازداری شرط ہے ورنہ سارا کام چوپٹ ہو جائے گا —— جوگیا اور رمیش کی شخصیت کو ایک ہی روپ کے دو نام سمجھنے کی بھول مت کرو ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے ——''

میں اس تحریر کو بار بار پڑھ رہا تھا۔ میرا ذہن بری طرح ان پراسرار واقعات میں الجھ رہا تھا جب اچانک قریب سے ایک شعلہ سا لپکا اور میرے ہاتھ میں دبی چٹ جل کر راکھ ہو گئی —— میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا ——!



پراسرار پیپر ویٹ کی گمشدگی، پیغام کی چٹ کا برآمد ہونا پھر حیرت انگیز طور پر جل کر راکھ ہو جانا یہ ساری باتیں میرے اعصاب کو جھنجھوڑنے کے لئے بہت کافی تھیں۔ حالات کے پیش نظر اب یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ فاخرہ کے نام سے آواز کی نقل کرنے والی شخصیت کسی اور کی ہی ہو گی۔ امیت مہتا کی ملازمت سے برطرفی اور مس منوالا کے ساتھ دوستی اور بے تکلفی کا مشورہ بھی کسی خاص مقصد کے تحت دیا گیا ہوگا۔ مگر ان تمام باتوں میں ایک نکتہ قابل فکر تھا، چٹ پر تحریر شدہ پیغام میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ میں جوگیا اور رمیش کو ایک ہی تصویر کے دو رُخ سمجھنے سے گریز کروں ورنہ نقصان ہو گا۔ 'وہ پیغام کس کا تھا؟'

گزشتہ رات والدہ نے بیگم نفیس کے گھر سے واپسی پر بتایا تھا کہ فاخرہ کو بخار کی شدت خاصی تیز تھی۔ شاید ملازم کو اس بات کا موقع نہیں ملا ہو گا کہ وہ فاخرہ کو میری فون کال کی بابت آگاہ کرتا ورنہ وہ ضرور فون کرتی۔

بہر حال میں اس وقت اپنے دفتر میں بیٹھا انہی باتوں پر غور کر رہا تھا جب میری لیڈی سیکرٹری منوالا کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک ضروری فائل پر دستخط کرانے کی غرض سے آئی تھی۔ میں اسے پہلے بھی تقریباً روز ہی دیکھتا تھا لیکن اس وقت میں نے اسے پہلی بار بڑی توجہ سے دیکھا، وہ درمیانہ قد، کھلی ہوئی رنگت اور گداز جسم کی مالک تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش بھی کسی اجنبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ والد صاحب کے زمانے سے ملازم تھی لیکن ابھی تک دفتر میں اس کا کوئی اسکینڈل مشہور نہیں ہوا تھا۔ وہ ملنسار ہونے کے باوجود دوسروں کو حد سے تجاوز کرنے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ باصلاحیت ہونے کے علاوہ قابل اعتماد بھی تھی۔ دفتر کی حد تک میں اس کی کارکردگی سے بھی اسی قدر تعلق رکھتا تھا جتنا دوسرے ورکرس سے تھا۔ باہر وہ کیا کرتی تھی؟ کہاں رہتی تھی؟ اس

کے مشاغل کیا تھے؟ مجھے اس کے بارے میں مطلق کسی بات کا علم نہیں تھا۔ مجھے یہ سب معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

''کیا بات ہے سر ــــــ؟'' اس نے مجھے اپنی طرف زیادہ متوجہ پا کر دبی زبان میں پوچھا۔ ''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

''جی نہیں ــــــ تشریف رکھئے۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ پھر یوں ہی فائل کے ورق الٹنے پلٹنے لگا۔

''سر ــــــ'' منوالا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کچھ توقف سے کہا۔ ''میرا اندازہ اگر غلط نہیں ہے تو آج آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے ــــــ'' میں نے جلدی سے فائل کے مطلوبہ کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے محتاط لہجے میں جواب دیا۔ ''رات کو دیر تک جاگنا پڑا تھا۔''

''میں کافی تیار کر کے بھیجوں ــــــ؟'' اس نے ایک مخلص ماتحت کی حیثیت سے پوچھا۔ وہ فائل اٹھا کر جانے کے لئے پر تول رہی تھی جب میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھے رہنے کو کہا۔

''ہم اس وقت کافی ایک ساتھ ہی پئیں گے۔ مجھے آپ سے دفتر کے سلسلے میں دو ایک ضروری مشورے بھی کرنے ہیں ــــــ'' میں نے اپنا جملہ مکمل کر کے ملازم کو طلب کیا اور کافی لانے کی ہدایت کر دی۔ ملازم الٹے قدموں واپس لوٹ گیا تو میں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ ''مسٹر امیت مہتا کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ــــــ؟''

''کس سلسلے میں سر ــــــ؟'' اس نے وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ مسٹر امیت کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟''

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید لاشعوری طور پر میں نے فاخرہ کی آواز میں کی جانے والی کال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا ورنہ کسی ایک ورکر سے کسی دوسرے کے بارے میں پوچھ گچھ کرنا میرے اصول کے خلاف تھا۔ میں ہر شخص کو اس کی ذاتی کارکردگی کے معیار سے پرکھنے کا عادی تھا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، اس کی واپسی ممکن نہیں تھی چنانچہ میں نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ فاخرہ کی آواز میں جو مشورے دیئے گئے تھے ان پر عمل کر کے ہوا کے صحیح رخ اور سمت کا اندازہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حالات

سازگار اور موافق نہ ہونے کی صورت میں واپسی کا راستہ بھی اختیار کر سکتا تھا۔ ویسے بھی موصول ہونے والی فون کالوں کے سلسلے میں ذاتی طور پر تفتیش کرنے کی خاطر کوئی نہ کوئی قدم تو بہرحال اٹھانا تھا۔

''ون منٹ ــــــ'' میں نے کچھ سوچ کر گہری سنجیدگی اختیار کی۔ ''آپ چونکہ میری پرسنل لیڈی سیکرٹری ہیں اس لئے میں آپ پر اعتماد کرتا ہوں لیکن کیا میں امید رکھوں کہ اس وقت ہمارے درمیان جو گفتگو ہو گی وہ ٹاپ کانفیڈنشل (TOP CONFIDENTIAL) رہ سکے گی ــــــ؟''

''آپ مجھ پر بھروسا کر سکتے ہیں سر! میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں لگنے دوں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مسٹر امیت مہتا ہمارے پرانے ورکر ہیں۔'' میں نے دیدہ و دانستہ ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ ''مجھے ان کی کارکردگی سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں ان کو قابل اعتماد بھی سمجھتا ہوں لیکن ــــــ'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر منوالا کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

''لیکن کیا سر ــــــ؟'' اس نے دبی زبان میں وضاحت چاہی۔

''میں اُس سیٹ (SEAT) پر کسی اور شخص کو ملازم رکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایسی صورت میں مسٹر امیت کو کسی دوسرے سیکشن (SECTION) میں ٹرانسفر.....''

''نو ــــــ'' میں نے تیزی سے فیصلہ کن لہجہ اختیار کیا۔ ''میں مسٹر امیت کو کسی طرح باعزت طور پر ملازمت سے سبکدوش کرنا چاہتا ہوں۔''

''آئی سی ــــــ'' وہ میرا جواب سن کر ششدر رہ گئی۔ اس کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ اسے میرے فیصلے پر حیرت ہوئی ہے۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میں بھی سٹپٹا کر رہ جاتا۔

کافی کی ٹرالی آ جانے کے سبب گفتگو کا رخ کچھ دیر کے لئے بدل گیا۔ منوالا کافی تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ فاخرہ والی فون کال پر عمل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ میں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھاؤں۔ ایک معمولی سی غلطی اور لغزش بھی بساط کا رخ بدل سکتی تھی۔

میرے ذہن کی اسکرین پر سگار بکس سے برآمد ہونے والی چٹ پر درج پیغام بار بار ابھر رہا تھا۔ مس منوالا نے کافی تیار کر کے ایک کپ میرے سامنے رکھا تو میں نے بدستور سنجیدگی سے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں کہ مسٹر امیت کی ملازمت سے سبکدوشی کے سلسلے میں آپ کوئی ایسا مناسب مشورہ دیں کہ میرا مقصد بھی پورا ہو جائے اور امیت مہتا کی کارکردگی کو کوئی دھچکہ بھی نہ پہنچے——''

''مجھے سوچنا پڑے گا——'' اس نے بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔'' آئی ایم سوری سر—— میں آپ کے فیصلے کی مخالفت کی گستاخی تو نہیں کر سکتی لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ مسٹر امیت کے جانے سے جو خلاء پیدا ہو گا وہ——''

''میں آپ کے خیال سے سو فیصد متفق ہوں۔'' میں نے اس کا جملہ کاٹ کر اقرار کیا۔

''پھر——؟'' وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''میں نے جو کام آپ کو سونپا ہے وہ بہت سے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہی زبان سے نکالا ہے۔''

''تھینکس سر——'' اس نے کسمسا کر جواب دیا پھر کافی پینے میں مصروف ہو گئی۔ اس کا عمل غیر اضطراری نہیں تھا۔

''مس منوالا——'' میں نے موضوع بدلنے کی خاطر قدرے بے تکلفی سے پوچھا۔ ''کیا میں صرف آپ کی ڈیٹ آف برتھ دریافت کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟''

اس نے دوبارہ چونک کر میری سمت دیکھا۔ غالباً اسے مجھ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

''میری یادداشت اگر غلط نہیں ہے تو آج آپ کی ہیپی برتھ ڈے بھی ہے۔'' میں چونکہ اس کی پرسنل فائل دیکھ چکا تھا اس لئے میں نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔'' آئی وِش یو آل ہیپی نس (HAPPINESS)۔''

''شکریہ سر۔'' اس نے جواب میں تعجب کا اظہار کیا۔'' آپ کو میری سالگرہ کا خیال کیسے آ گیا؟''

''شاید اس لئے کہ آج ہم نے پہلی بار ایک ساتھ کافی پی ہے۔'' میں نے شوخی کا انداز

اختیار کیا۔'' ویسے آپ کافی بہت اچھی بناتی ہیں۔''

اس کی گلابی نظروں میں بدستور حیرت کے تاثرات مچل رہے تھے۔ میں نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ اپنی بات جاری رکھی۔'' سالگرہ کی وجہ سے تو آج آپ کی شام خاصی مصروف گزرے گی۔''

''نو سر——'' اس نے ہونٹ بسورتے ہوئے دبی زبان میں جواب دیا۔'' میرے چھوٹے بھائی کی موت بھی تین سال قبل آج ہی کے دن ہوئی تھی اس لئے میں سالگرہ نہیں مناتی۔ ممی میری خوشی کی خاطر گھر میں کیک کاٹ لیتی ہیں اور—— بس۔''

''آپ کے ڈیڈ تحفہ تو ضرور——''

''میرے ڈیڈ بھی اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔'' وہ آبدیدہ ہو گئی۔'' صرف میں اور میری ممی دو کمروں کے ایک فلیٹ میں رہتے ہیں۔''

''سوری——'' میں نے اس کے دکھ میں شریک ہونے کی خاطر ہمدردی کا اظہار کیا۔ ''میری بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہو گا۔ میں معذرت خواہ ہوں۔''

''کوئی بات نہیں سر—— قسمت میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ تو انسان کو ہر حال میں بھگتنا پڑتا ہے۔'' اس کی توجہ دوبارہ کافی کی طرف مبذول ہو گئی۔ اپنے غم کو چھپانے کی خاطر اس نے میری طرف سے نظریں پھیر لیں۔

مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میری وجہ سے اس کے زخموں کو ٹھیس پہنچی۔ مجھے اگر اس کی نجی زندگی کے بارے میں علم ہوتا تو میں اس وقت اس کی سالگرہ کا ذکر کبھی نہ چھیڑتا۔ میں خاموش بیٹھا اس کے چہرے کے تاثرات کو محسوس کرتا رہا۔ سوگوار ہونے کے بعد وہ اور پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی مسلط رہی پھر میں گفتگو کا موضوع بدلنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ منوالا نے مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''مسٹر امیت کے لئے بہتر یہی ہو گا کہ وہ اپنی کسی ذاتی مجبوری کی آڑ لے کر ملازمت سے مستعفی ہو جائیں۔''

''یہ نہایت مناسب طریقہ ہو گا۔ لیکن اسے اس بات پر آمادہ کون کرے گا——؟''

''اسے خود آمادہ ہونا پڑے گا——'' اس نے اس بار خلاء میں جھانکتے ہوئے بڑے

یقین سے کہا۔ ''اگر اس نے آج اور اسی وقت اس فیصلے پر عمل نہ کیا تو آنے والا کل اس کے لئے بڑا اذیت ناک ثابت ہوگا۔''

میں اپنی نشست پر کسمسا کر رہ گیا۔ منوالا نے جس انداز میں وہ بات کہی تھی وہ میرے لئے حیران کن ہی تھی۔ کچھ دیر پہلے اسے امیت مہتا کے بارے میں میرا فیصلہ سن کر تعجب ہوا تھا، اس نے دبی زبان میں یہ بھی کہا تھا کہ امیت کے جانے کے بعد جو خلاء پیدا ہوگا اس کا فوری طور پر بھرنا آسان نہیں ہوگا اور اب ـــــ اب وہ اسی کی خاطر بڑے اعتماد سے ایک تشویشناک پیش گوئی کر رہی تھی۔ میرے ذہن میں فاخرہ والی کال کے جملے گونجنے لگے۔

میں نے منوالا کو بنظر غور گھورتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

''آپ استعفیٰ والی بات اس قدر یقین سے کس طرح کہہ رہی ہیں ـــــ؟''

''اس لئے کہ یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اپنے فیصلے دوسروں پر مسلط کرنے کی بھرپور طاقت رکھتی ہوں۔'' یکلخت اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آپ کی انفارمیشن کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ امیت مہتا اس وقت ٹائپ رائٹر پر بیٹھا میرے فیصلے کی تعمیل میں اپنا ریزگنیشن (RESIGNATION) ہی ٹائپ کر رہا ہے۔''

میں منوالا کے لب و لہجے سے اس بات کا اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس کی پشت پر کوئی نادیدہ قوت کارفرما ہے۔ لیکن وہ طاقت کس کی تھی؟ ـــــ کون ہوسکتا تھا وہ؟ ـــــ جوگیا، ریمش یا کوئی تیسری شیطانی قوت جو ابھی تک میرے سامنے نہیں آئی تھی۔

میں جن پراسرار حالات سے دوچار تھا اس کے پیش نظر سب کچھ ممکن تھا۔ میرا ذہن پھر ڈور کا سرا تلاش کرنے لگا۔ میری نگاہیں مس منوالا پر مرکوز تھیں جو اس وقت اپنے باپ اور بھائی کی موت کو یکسر فراموش کر کے اس طرح اپنی کرسی پر بیٹھی کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی جیسے وہ میری پرسنل لیڈی سیکرٹری نہیں بلکہ کوئی ہم پلہ کاروباری شخصیت تھی۔ اس کے گداز ہونٹوں پر بڑی آسودہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میرے دماغ میں جوگیا اور ریمش کے نام خلط ملط ہو رہے تھے۔ ''کون دوست تھا اور کون دشمن؟'' ـــــ

میں ابھی اسی فیصلے میں الجھ رہا تھا جب منوالا نے بڑے محبوبانہ انداز میں مسکرا کر سرسراتے لہجے میں کہا۔

''مسٹر دانش ـــــ میرے ساتھ دوستی کر کے دیکھو۔ میں تمہیں ایسے جہانوں کی سیر کراؤں گی جسے تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟ ایسے سنہری مواقع بار بار ہاتھ نہیں آتے۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی ہتھوڑا پوری طاقت سے مارا ہو۔ میں منوالا کی زبان سے وہ جملے سن کر سٹپٹا گیا جس کا مفہوم اس پیغام میں بھی مضمر تھا جو پراسرار پیپر ویٹ گم ہو جانے کے بعد مجھے سگار بکس سے برآمد ہونے والی چٹ کے ذریعے ملا تھا۔ منوالا کا مجھے تم کہہ کر مخاطب کرنا اس بات کی نشاندہی کر رہا تھا کہ کوئی طاغوتی قوت اسے کنٹرول کر رہی تھی۔ میرے بجائے اسی نے بے تکلفی کا ازخود اظہار کر دیا تھا۔ میرے لئے احتیاط شرط تھی۔ کسی خوش فہمی یا جلد بازی کا شکار ہو کر میں کسی نادیدہ دشمن کے جال میں بھی پھنس سکتا تھا۔

میری نظریں منوالا پر جم کر رہ گئی تھیں۔ اس پر جو طاقت مسلط تھی وہ یقیناً میرے تاثرات کا بھی جائزہ لے رہی ہوگی۔ میں ابھی کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ میں نے نظریں گھما کر دیکھا، آنے والا امیت مہتا کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

''سوری سر ـــــ'' اس نے ایک نظر منوالا کی طرف ڈال کر سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''مجھے شاید اس وقت اندر نہیں آنا چاہئے تھا لیکن میں آپ کا زیادہ سمے برباد نہیں کروں گا۔''

''کوئی خاص کام ـــــ؟'' میں نے نارمل لہجے میں دریافت کیا۔ ویسے اس کے ہاتھ میں دبے کاغذ کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کس مقصد سے آیا ہوگا۔

''میں ملازمت سے اپنا ریزگنیشن پیش کرنے آیا ہوں۔'' اس نے قریب آکر کاغذ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے انکھیوں سے منوالا کی سمت دیکھا، وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''آپ اس فرم کے پرانے ملازم ہیں۔'' میں نے کاغذ پر ٹائپ شدہ مضمون پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں آپ سے اس قدر اچانک اور جلدی میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کا سبب دریافت کر سکتا ہوں؟''

''منش کا جیون بھی کسی سمندر کے انوسار ہے جس میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔'' اس

نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ ''میرے اوپر بھی کوئی بپتا ایسی آن پڑی ہے کہ جس سے میرے من کی شانتی میں بھونچال آ گیا ہے، مجھے کچھ دنوں کے لئے اس شہر سے کہیں اور جانا ہوگا۔''

''آپ اگر چاہیں تو چھٹی بھی لے سکتے ہیں ——'' میں نے اس کی ذہنی کیفیت کو ٹٹولنے کی خاطر فراخ دلانہ پیشکش کی۔

''من شانت نہ ہو تو کوئی سیوک تن من دھن سے کام نہیں کر سکتا۔'' اس نے بڑی عاجزی سے میری طرف دیکھا۔ ''میں آپ کی آگیا چاہتا ہوں سر! ملازمت کے دوران مجھ سے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو تو شما کر دیجئے گا۔ آپ کی بڑی کرپا ہو گی۔''

''کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے ——؟''

''ہاں مالک —— اب مجھے جانا ہی ہوگا ——'' اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

میں نے زیادہ اصرار مناسب نہیں سمجھا، انٹرکام (INTERCOM) پر کیشئر سے رابطہ قائم کر کے اسے ہدایت کی کہ وہ امیت مہتا کا مکمل حساب کتاب کر دے اور فرم کی جانب سے ایک لاکھ کا بونس بھی دے دیا جائے۔

''میں نے آپ کا نمک کھایا ہے سر —— کبھی سیوک کی کوئی ضرورت پڑے تو یاد کر لیجئے گا۔'' وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر جانے کے لئے پلٹا تو منوالا نے اسے مخاطب کیا۔

''مہتا جی! باس کی طرح مجھے بھی آپ کے جانے کا افسوس ہے لیکن میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہوں گی۔''

''جی —— کہئے ——'' وہ جاتے جاتے رک گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس وقت ذہنی طور پر حاضر نہیں تھا۔

''باس نے دو ایک دن پہلے آپ کے ساتھ اپنے کسی دشمن کی بات کی تھی —— یاد ہے آپ کو ——؟'' منوالا کا لب و لہجہ پراسرار ہو گیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر امیت مہتا کو ٹکٹکی باندھے گھور رہی تھی۔

''ہاں —— لیکن آپ ——''

''امیت مہتا! میری بات دھیان سے سنو۔'' منوالا اس کی بات کاٹتے ہوئے ٹھوس آواز میں بولی۔ ''باس نے تم سے رازداری کی جو بات چیت کی تھی وہ تم اپنی کھوپڑی سے کھرچ

کر صاف کر دو۔ تمہیں اب کوئی بات یاد نہیں رہے گی۔ کیول اتنا یاد رکھنا کہ تم نے مسٹر دانش اور ان کے پرکھوں کا نمک کھایا ہے —— کبھی نمک حرامی کرنے کا دھیان بھی من میں نہ آنے دینا، ورنہ تمہارے پریوار کے سارے لوگ چن چن کر شمشان گھاٹ پہنچا دیئے جائیں گے۔ تمہیں بھی کوئی شکتی شرن نہیں دے سکے گی۔ سن رہے ہو تم، میں تمہیں کیا آگیا دے رہی ہوں؟ اس کمرے سے باہر جانے کے بعد تمہاری بدھی کمہار کے چاک سے اترے ہوئے کسی برتن باسن کی انوسار بالکل صاف اور کوری ہو جائے گی۔ تمہیں یہاں بتائے ہوئے سمے کی کوئی بات یاد نہیں رہے گی۔''

''ہاں ——'' امیت مہتا نے اس بار کسی معمول کی طرح جواب دیا۔ ''میں وچن دیتا ہوں کہ میں ساری بیتی باتیں بھول جاؤں گا۔''

''مسٹر دانش نے تم سے اپنے پتا کی رام کہانی کے سلسلے میں کیا کہا تھا؟'' منوالا کا لہجہ اور گمبھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ پورے انہماک سے مہتا کو گھور رہی تھی۔

''مجھے کچھ یاد نہیں ——'' مہتا نے کسی معصوم بچے کی طرح سادگی سے کہا۔

''میری آنکھوں اور میری آواز کو یاد رکھنا۔'' منوالا تحکمانہ انداز میں بولی۔ ''میں تمہیں جب بھی کوئی حکم دوں گی تم کو اس کا پالن اپنا دھرم سمجھ کر کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے —— میں تمہاری کسی بات سے انکار نہیں کروں گا۔''

''تم اس سمے کس سے باتیں کر رہے ہو ——؟''

''مجھے نہیں معلوم ——'' مہتا نے میری حیرت کو دوچند کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اس سمے کیول دو سرخ سرخ آنکھیں دیکھ رہا ہوں —— کسی کی آواز بھی سن رہا ہوں، بولنے والے کا شریر مجھے نظر نہیں آ رہا —— میں ان آنکھوں اور آواز کو یاد رکھوں گا۔''

''تم اب جا سکتے ہو ——''

جواب میں امیت مہتا کسی روبوٹ کے انداز میں پلٹا اور نپے تلے قدم اٹھاتا دفتر سے باہر چلا گیا۔ میں نے کسی فوری خیال کے تحت منوالا کو ٹھوس آواز میں مخاطب کیا۔

''مہتا نے آج جس ذہنی دباؤ کے تحت استعفیٰ دیا ہے اس کے دور ہونے کے بعد کیا اسے اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوگا ——؟''

''نہیں ——'' اس نے میری سمت دیکھ کر پورے اعتماد سے جواب دیا۔

''ایک بات اور بھی ممکن ہے——'' میں نے اسے دوسرے زاویے سے کریدا۔

''آج تمہاری طاقت نے اسے اپنا معمول بنالیا ہے، کل کوئی دوسرا بھی اس پر حاوی آ سکتا ہے۔''

''نہیں—— ایسا نہیں ہوگا——'' اس نے پھر مختصراً کہا۔ اس کی آنکھیں بدستور سرخ انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

''تم جس روانی سے ہندی بول رہی تھیں اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ تم——''

''زیادہ کھوجنے کی کوشش مت کرو۔'' وہ میری بات کاٹ کر بولی۔ ''ذات پات یا استری (عورت) اور پُرش (مرد) کے چکر میں مت الجھو، جو کچھ چٹ پر لکھا تھا کیول اسی پر عمل کرو—— اسی میں تمہاری مکتی ہے۔''

''کیا تم جانتی ہو یا جانتے ہو کہ میرے والد کا قاتل کون ہے؟ انہیں کس وجہ سے سفلی کے ناپاک عمل کا نشانہ بنایا گیا تھا؟''

''سمے کا انتظار کرو——''

''لیکن میں.....''

''تم قسمت کے دھنی ہو جو میری شرن (پناہ) میں آ گئے، جب تک میری شکتی تمہارے ساتھ ہے کوئی اور تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' میری پوری بات سنے بغیر کہا گیا۔ پھر اچانک میں نے منوالا کی آنکھوں کی سرخی یکلخت غائب ہوتے دیکھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اس طرح مجھے چونک کر دیکھا جیسے میرے دفتر میں اپنی موجودگی کا سبب جاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے——'' میں نے اس کے سامنے رکھے ہوئے کپ کی جانب اشارہ کیا تو وہ دوبارہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اس کی کیفیت میں اچانک رونما ہونے والی تبدیلی اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ اسے جو طاغوتی قوت کنٹرول کر رہی تھی اب اس کے وجود سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ میں نے اپنے خیال کی تصدیق کی خاطر مسکرا کر کہا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے اپنی برتھ ڈے پر گھر آنے کی دعوت دی میں کوشش کروں گا کہ کچھ وقت نکال سکوں۔''

''آپ میرے مختصر سے اپارٹمنٹ میں آنا چاہیں تو میں منع نہیں کروں گی سر——''

اس کی گفتگو کا انداز پھر مہذب اور ماتحتوں جیسا ہوگیا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کا دن کبھی میرے لئے بڑا خوشگوار ہوا کرتا تھا لیکن چھوٹے بھائی کی موت کے بعد میں اپنی سالگرہ کے موقع پر صرف اپنے بھائی کی بھولی بسری باتوں سے دل بہلاتی ہوں۔ ممی میری خوشی پر کیک ضرور کاٹتی ہیں لیکن ہم نہ باقاعدہ سیلی بریٹ (CELEBRATE) کرتے ہیں نہ کسی کو انوائیٹ (INVITE) کرتے ہیں۔''

''میری اطلاع کے لئے ایک بات اور بتا دیں——'' میں نے مزید بے تکلفی کا اظہار کیا۔ ''آج کے دن آپ کے اپارٹمنٹ کے باہر نو وزیٹرس (NO VISITORS) کا بورڈ تو نہیں لگا ہوتا؟''

میری بات سن کر وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی، میں اس کی مسکراہٹ سے فائدہ اٹھا کر کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرے ڈائریکٹ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ وہ جلدی جلدی کافی ختم کرنے میں مصروف ہوگئی۔

''میں فاخرہ بول رہی ہوں——'' میرے ہیلو کے جواب میں دوسری جانب سے فاخرہ کی آواز ابھری۔ ''ابھی زین نے بتایا ہے کہ آپ نے کل شام مجھے فون کیا تھا——''

''آپ کی خیریت دریافت کرنا مطلوب تھا۔'' میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''اب بخار کی کیا پوزیشن ہے؟''

''پہلے سے بہتر ہے——'' فاخرہ نے کہا۔ ''کل شام کو آنٹی بھی دیکھنے آئی تھیں۔ شاید ان کے قدموں کی برکت تھی جو بخار کی شدت ختم ہوگئی——''

''امی جان کے ساتھ میرا بھی آنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن——'' میں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''لیکن کیا——؟'' اس نے سادگی سے دریافت کیا۔

''یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ اگر کہیں بخار کی شدت میں آپ نے خاکسار کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔''

''یہ خطرہ آپ کو کب سے لاحق ہوگیا——؟'' اس نے میری بات کا مفہوم سمجھ کر دبی زبان میں پوچھا۔

''انسان پر برا وقت آتے دیر بھی نہیں لگتی——'' میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر معنی

خیز انداز اختیار کیا۔ ''کیا آپ کو اندازہ ہے کہ دو مہینے انتظار کی کوفت برداشت کرنے والوں کے شب و روز کس طرح گزرتے ہیں؟''

''دن کے بارے میں تو کچھ نہیں کہہ سکتی البتہ رات کے سلسلے میں کسی ناول میں پڑھا تھا کہ اختر شماری (تارے گننا) وقت گزارنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے ــــــ''

''کیا آپ بھی اسی تجربے سے گزر رہی ہیں ــــــ؟'' میں نے برجستہ سوال کیا۔

''جی نہیں ــــــ ابھی اس کی نوبت نہیں آئی۔'' شوخی سے جواب دینے کے ساتھ ہی دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

میں نے ریسیور رکھ کر منوالا کی سمت دیکھا تو وہ کافی ختم کر کے جانے کے لئے پر تول رہی تھی۔ میں نے جس فائل پر دستخط کئے تھے وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' میں نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ آج آپ کو دفتر بھی نہیں آنا چاہئے تھا۔ اب بھی وقت زیادہ نہیں گزرا۔ آپ چاہیں تو گھر جا سکتی ہیں۔''

''جب تک آپ دفتر میں موجود ہیں میں بھلا اپنی سیٹ چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں؟'' اس نے اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''کسی وقت بھی کوئی ضروری کام پیش آ سکتا ہے۔''

''اس کا مطلب تو یہ ہوا! کہ آپ مجھے دفتر سے نکالنے کے بعد ہی گھر جائیں گی۔'' میں نے مسکرا کر مذاق میں کہا۔

''میں ایک ادنیٰ ملازم ہوں اور آپ بگ باس ہیں سر۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''بھلا میں یہ جرأت کیسے کر سکتی ہوں؟''

''کیا باس اپنے کسی ملازم سے ہنسنے بولنے کا حق نہیں رکھتا؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ملازموں کے لئے یہی بہت ہے سر ــــــ'' اس نے زیر لب کہا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آفس سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں اس کے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا، پھر ضروری فائلیں دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

شام کو ٹھیک پانچ بجے میں جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں منوالا کی عادت سے واقف تھا۔ جب تک میں دفتر میں موجود رہتا تھا وہ بھی اپنی سیٹ سے ایک لمحے کو بھی دور

نہیں جاتی تھی۔ مبادا کہ اس کے چلے جانے کے بعد مجھے کسی اہم کام کے سلسلے میں پریشان ہونا پڑے۔ وہ ایک مخلص، محنتی اور فرض شناس ورکر تھی اسی لئے اپنے فرائض منصبی سے کبھی غفلت یا کوتاہی نہیں برتتی تھی۔

دفتر سے اٹھ کر میں سیدھا گھر آیا۔ ماں کے ساتھ حسب معمول ناشتہ کیا پھر دو گھنٹے بعد لباس تبدیل کر کے باہر جانے کے ارادے سے نکلا تو ماں نے روک کر کہا۔

''میں نے کل تمہیں بیگم نفیس کی موجودگی کی وجہ سے اپنے ساتھ لے جانا کچھ مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن تم کسی وقت موقع نکال کر کھڑے کھڑے فاخرہ کی عیادت ضرور کر آنا۔''

''کیا فاخرہ کی طبیعت زیادہ خراب ہے ــــــ؟'' میں نے پوچھا۔

''فصلی بخار ہے۔'' ماں نے کہا۔ ''تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی تمہارا جانا ضروری ہے۔''

''میرے سلسلے میں کوئی بات نکلی تھی کیا ــــــ؟''

''ہاں۔'' ماں کے چہرے پر شفق کی سرخی نے ممتا کی مسکراہٹ کی شکل اختیار کر لی۔ میری بلائیں لیتے ہوئے بولیں۔ ''میں نے باتوں باتوں میں بیگم نفیس سے شادی کے التوا کا شکوہ کیا تو انہوں نے عجیب بات بتائی۔''

''وہ کیا ــــــ؟'' میرے اندر نہ جانے کیوں تجسس کی ایک لہر دوڑ گئی۔

''میرا خیال ہے کہ بیگم نفیس نے مجھ سے غلط بیانی نہیں کی تھی بلکہ ان کے ایک واقف کار نے انہیں لندن میں کسی عزیز کی موت کی غلط اطلاع دی تھی۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''کسی قریبی واقف کار کو موت کی غلط اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی؟''

''کچھ پڑھے لکھے جاہل لوگ اس قسم کا بھونڈا مذاق کرنے کو بھی بذلہ سنجی سمجھتے ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم سے اپنی مجبوری کا تذکرہ کرنے کے بعد جب بیگم نفیس نے ان صاحب کے گھر جا کر پرسہ دینے کی کوشش کی تو موصوف نے سرے سے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ انہوں نے موت کی اطلاع دی تھی۔ بعد میں بیگم نفیس کو لندن فون کر کے تصدیق کرنی پڑی تو یہی معلوم ہوا کہ ان کے عزیز حیات ہیں۔'' والدہ نے مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''بیگم نفیس مجھ سے شرمندگی اور معذرت کا اظہار کر رہی تھیں

اوراب انہوں نے سارے فیصلے کرنے کا اختیار مجھے سونپ دیا ہے۔"

میرے دل کی دھڑکن بتدریج تیز ہونے لگی۔ جوگیا نے کہا تھا کہ اگر میں نے والد صاحب کی موت کے ذمہ داروں کا سراغ لگائے بغیر شادی کی تو فاخرہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی جس کا غم میری والدہ کی صحت پر بھی بری طرح اثر انداز ہوسکتا تھا۔

'ہوسکتا ہے کہ جس شخص نے بیگم نفیس کو لندن والے عزیز کی موت کی اطلاع دی ہو اس کا ذہن بھی وقتی طور پر کسی طاغوتی قوت کے زیر اثر رہا ہو؟' میرے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ فاخرہ کی فون کال اور مس منوالا کی مثال بھی میرے سامنے تھی۔ امیت مہتا نے جس انداز میں اپنا استعفیٰ پیش کیا وہ بھی حیران کن ہی تھا۔

"تم کس سوچ میں گم ہو گئے ——؟" ماں نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہئے تھا کہ اب تمہاری اور فاخرہ کی شادی کے تمام اختیارات مجھے حاصل ہو گئے ہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی، پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اب چونکہ سارے فیصلوں کا حق آپ کو ہے اس لئے میں مشورہ دوں گا کہ فی الحال دو ماہ تک اس موضوع کو نہ چھیڑا جائے تو مناسب ہوگا۔"

"کیا مطلب ——؟" ماں نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"دراصل میں شادی کے التوا کے سلسلے میں اپنے کچھ قریبی دوستوں کو صورت حال سے آگاہ کر چکا ہوں اس لئے ——"

"اوہ —— میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" ماں نے میرے عذر لنگ سے اتفاق کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہاری بات چونکہ معقول ہے اس لئے میں بہر حال دو ماہ اور انتظار کرلوں گی۔ لیکن شادی کی تاریخ ہفتے عشرے میں بیگم نفیس سے مل کر طے کرلوں گی تاکہ ضروری رسومات کا انتظام قبل از وقت ہو سکے۔"

"جیسی آپ کی خوشی ——" میں نے ماں کی خوشی کے درمیان زیادہ حائل ہونا مناسب نہیں سمجھا اور زیر لب مسکراتا ہوا باہر آ گیا جہاں میرا ڈرائیور کار کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ یہاں میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ والد صاحب کی پراسرار موت کے بعد میں نے ماں کے بے حد اصرار پر ایک نوجوان ڈرائیور اور بھی رکھ لیا تھا جو شام پانچ بجے

سے لے کر رات بارہ بجے کی ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا۔ ڈرائیور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ میرا باڈی گارڈ بھی تھا چنانچہ ڈیوٹی کے دوران وہ ہمیشہ مسلح رہتا تھا۔

گاڑی میری کوٹھی کے احاطے سے باہر نکلی تو میں نے ڈرائیور کو سول لائنز ایریا کے بازار چلنے کی ہدایت دی جہاں ہر چیز مہنگی مگر ایک نمبر کی ملتی تھی۔ والدہ کی زبانی شادی کی بات سن کر میرے ذہن میں پھر جوگیا اور رمیش کے نام گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ جوگیا ایک بار سامنے آ کر غائب ہو گیا تھا جبکہ رمیش نے یا کسی نے رمیش بن کر صرف فون پر بات کی تھی۔ میں اقرار کر چکا ہوں کہ فاخرہ مجھے بھی پسند تھی۔ اس کے ساتھ شادی کر کے میں خوشگوار زندگی گزار سکتا تھا لیکن محض اپنی خوشی کی خاطر میں فاخرہ کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ ماں کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔

ڈرائیور نے گاڑی سول لائنز کے کمرشل ایریا میں لے جا کر روکی تو میں تمام خیالات ذہن سے جھٹک کر نیچے اترا۔ دو چار دکانوں پر چکر لگانے کے بعد میں نے منوالا کے لئے ہیرے جڑے صلیب کے نشان (✞) والا ایک قیمتی نیکلس خرید کر گفٹ پیک کرایا پھر اس کی رہائش گاہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ مجھے اس کا پتہ معلوم تھا اس لئے مطلوبہ بلڈنگ تلاش کرنے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ ڈرائیور کو میں نے گاڑی میں رہنے کی تاکید کی اور خود نیچے اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا جہاں گراؤنڈ فلور پر موجود ایک بورڈ پر عمارت میں رہنے والوں کے نام، فلیٹ نمبر اور فلور نمبر درج تھے۔

میں لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر پہنچ گیا جہاں فلیٹ نمبر بائیس پر مسز فلورا منوالا کی نیم پلیٹ موجود تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کال بیل دبا دی۔ ایک منٹ کے بعد ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھول کر مجھے اجنبی نظروں سے گھورا۔ شکل صورت کے اعتبار سے وہ میری لیڈی سیکرٹری کی ماں ہی لگ رہی تھی۔ بظاہر وہ نیک سیرت اور ملنسار نظر آ رہی تھی لیکن میرے ہاتھ میں گفٹ پیک دیکھ کر اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ وہ میرے نام اور شخصیت سے ناواقف ہونے کے باوجود میرے آنے کا مقصد بھانپ گئی تھی۔

"مجھے مس منوالا سے ملنا ہے ——" میں نے مہذب لہجے میں کہا۔

"آپ کا نام ——؟" اس نے مجھے سرتاپا غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دانش کبیر ——"

"اوہ، تو آپ ہیں مسٹر دانش ـــــ" وہ میرا نام سن کر چونکتے ہوئے بولی۔ "آئی ایم سوری، میں نے چونکہ آپ کو پہلی دفعہ دیکھا ہے اس لئے پہچان نہیں سکی۔ لیکن بے بی اکثر آپ کا تذکرہ کرتی رہتی ہے۔" اس نے میرے لئے راستہ چھوڑتے ہوئے شستہ انداز میں کہا۔ "آپ باہر کیوں کھڑے ہیں، اندر آجایئے ـــــ"

میں اس کے ساتھ پہلے کمرے سے گزر کر دوسرے کمرے میں گیا تو مس منوالا مجھے ایک گول میز کے اطراف رکھی ہوئی چار کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی نظر آگئی۔ سالگرہ کے دن کی مناسبت کے برعکس اس نے بہت سادہ لباس پہن رکھا تھا۔ میز پر درمیان میں ایک کیک موجود تھا جس کے اوپر صرف ایک موم بتی روشن تھی۔ منوالا بڑے اداس اور مغموم انداز میں اس موم بتی کی لو پر اس طرح نظریں جمائے بیٹھی تھی جیسے ماضی کی خوشگوار یادوں کو کرید رہی ہو۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا میک اپ نہیں تھا پھر بھی وہ حسین کہے جانے کی مستحق تھی۔ میں دروازے پر ہی رک گیا۔

"بے بی ـــــ" اس کی ماں نے اسے مخاطب کیا۔ "دیکھو تو آج ہمارے گھر کون آیا ہے۔"

مس منوالا نے پلٹ کر دیکھا، پھر مجھے سامنے موجود پا کر وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں تیرنے والی نمی میں خوشی کے چراغ جل اٹھے۔

"آپ ـــــ" وہ میرے قریب آکر بولی۔ "آپ نے بلاوجہ کیوں زحمت کی؟"

"کیا آپ مجھے بیٹھنے کی دعوت نہیں دیں گی؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"سوری ـــــ" اس نے مسکرا کر کہا، پھر بڑے محبوبانہ انداز میں میز کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

"مینو ـــــ تم مسٹر دانش سے بات کرو، میں کافی تیار کر کے لاتی ہوں۔" ہم میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اس کی ماں نے بڑی اپنائیت سے کہا پھر تیزی سے پلٹ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"مینو ـــــ" میں نے شوخی سے کہا۔ "آپ کی ممی نے آپ کا بڑا خوبصورت نام رکھا ہے۔ اس نام کے جملہ حقوق محفوظ تو نہیں ہیں؟"

"میں سمجھی نہیں ـــــ" اس کو جملہ حقوق محفوظ کا مطلب شاید معلوم نہیں تھا جو اس نے

وضاحت چاہی۔

"میرا مطلب ہے کہ کیا میں بھی آپ کو مینو کے مختصر اور خوبصورت نام سے مخاطب کر سکتا ہوں؟"

"ایز یو وش (AS YOU WISH)" وہ شانے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔

"تھینکس ـــــ" میں نے اس کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے گفٹ پیک اس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "آپ کی سالگرہ کی خوشی کے موقع پر میری جانب سے ایک حقیر تحفہ ـــــ"

"آپ نے بلاوجہ زحمت کی۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو بتا چکی تھی کہ چھوٹے بھائی کی موت کے بعد سے ـــــ"

"پلیز ـــــ" میں نے دوستانہ انداز میں اس کی بات کاٹ کر سمجھانے کی کوشش کی۔ "خدا کو جو کچھ منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے، بندہ کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن میرا ذاتی نظریہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں اس قادر مطلق کا شکر ادا کرنا چاہئے۔"

اس کی والدہ کافی لے کر آگئیں تو میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے کسی دعوت کے بغیر یہاں آکر آپ کو میزبانی کرنے کی زحمت سے دوچار کر دیا لیکن اس گفٹ کا تو کوئی قصور نہیں ہے جو بیچارہ ابھی تک ڈبے میں بند آپ کی توجہ کا طلب گار ہے۔"

منوالا نے میری خوشی کی خاطر گفٹ پیک کھولا تو اس کی نظریں ایک لمبے کو نیکلس کی چکاچوند پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے میرا تحفہ اپنی ممی کو دکھایا تو وہ مدھم آواز میں بولیں۔

"آپ غریب خانے پر آگئے یہی ہماری عزت افزائی کے لئے بہت تھا۔ اتنے قیمتی تحفے کی کیا ضرورت تھی؟"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے پیار سے مخاطب کیا ورنہ کچھ لوگ تو مجھ سے ابھی تک اس بات پر خفا ہیں کہ میں نے یہاں آنے کی جرأت کیوں کی؟" میں نے منوالا کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر اس کی ممی سے کہا تو انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ کیا بلڈنگ کے کسی رہنے والے نے کچھ کہا ہے؟"

"جی نہیں ـــــ" میں نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا۔ "کسی غیر نے ایسی بات کی

ہوتی تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔ لیکن جب گھر کا بندہ ہی دشمنی پر اتر آئے تو شریف آدمی کو چلو بھر پانی میں ڈوب مرنا چاہئے ـــــ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں ـــــ؟" منوالا کی ممی نے بدستور حیرت سے دریافت کیا تو منوالا اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ ماں کو سمجھانے کی خاطر اس نے اصل مقصد کی سمت آتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"آپ کو اتنا قیمتی تحفہ نہیں دینا چاہئے تھا ـــــ میں نے صرف اتنا ہی تو کہا تھا۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟"

"کچھ اور کہنا باقی رہ گیا ہو تو وہ بھی کہہ ڈالئے۔" میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کے گھر پر بیٹھا ہوں، جتنا جی چاہے برا بھلا کہہ لیجئے۔"

"آئی سی ـــــ" منوالا کی ممی نے میری باتوں کا مفہوم بھانپ کر بڑی اپنائیت سے کہا۔ "مسٹر دانش، مجھے خوشی ہے کہ میری بچی آپ جیسے انسان دوست شخص کے پاس جاب (JOB) کر رہی ہے۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" میں برا سا منہ بنا کر کھڑا ہوا تو منوالا کے علاوہ اس کی ممی بھی گھبرا گئی۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے ـــــ؟" اس کی ممی نے بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ "اگر آپ کافی پئے بغیر چلے گئے تو میں یہی سمجھوں گی کہ آپ نے ہمیں کسی قابل نہیں سمجھا۔"

"آپ بھی تو مجھے بیٹا سمجھنے کے قابل نہیں سمجھ رہیں۔" میں نے شکوہ کیا۔ "بار بار مسٹر دانش کہہ کر مخاطب کر رہی ہیں۔"

"گاڈ بلس یو مائی سن (GOD BLESS YOU MY SON)" منوالا کی ممی کی آواز فرط جذبات سے بھر آئی۔ "یو آر ریئلی گریٹ (YOU ARE REALY GREAT) خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔"

میں نے جواب میں آگے بڑھ کر منوالا کی ممی کو گلے لگایا تو منوالا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں، پھر محفل کا رنگ بدل گیا۔ میرے اصرار پر منوالا نے نہ صرف کیک کاٹا بلکہ میرے کہنے پر اس نے میرا نیکلس بھی گلے میں ڈال لیا۔ ایک گھنٹے بعد بے تکلفی کی فضا ہموار کرنے کے بعد میں جانے کے ارادے سے اٹھا تو ماں بیٹی مجھے چھوڑنے کی خاطر باہر

تک آ گئیں۔

"میں آپ سے ایک درخواست کروں گی ـــــ" منوالا نے دبی زبان میں کہا۔

"میں یہاں تمہارا باس نہیں ہوں۔" میں نے اس بار اسے تم کہہ کر مخاطب کیا۔ "کوئی درخواست پیش کرنی ہے تو دفتر میں باقاعدہ لکھ کر پیش کرنا۔"

"میں بھی یہی گزارش کروں گی کہ دفتر میں ہمارے درمیان باس اور ماتحت کا فرق برقرار رہے تو مناسب ہوگا۔"

"مینو ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا۔" اس کی ممی نے کہا۔ "لوگ دلوں میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، بات کا بتنگڑ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم آزاد خیال ضرور ہیں لیکن اپنی بدنامی سے ہر شریف آدمی ڈرتا ہے۔ تم بھی میری اس بات سے انکار نہیں کرو گے۔"

"اگر آپ بھی سفارش کر رہی ہیں تو میں مینو کی درخواست پر ضرور غور کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا، پھر مسکراتا ہوا لفٹ میں بیٹھ کر نیچے آ گیا۔

مجھے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی۔ میں نے فاخرہ کی زبان میں موصول ہونے والی کال پر عمل کرتے ہوئے منوالا سے فلرٹ کا آغاز بھی کر دیا تھا اور امیت مہتا سے چھٹکارا بھی حاصل ہو گیا تھا ـــــ "لیکن ان باتوں کا مقصد کیا تھا؟ وہ کون تھا جو میری مدد کرنا چاہتا تھا؟ اس ہمدردی کی آڑ میں اس کا کیا مفاد وابستہ تھا؟ ـــــ جس نے رمیش کے نام سے مجھے فون کال کی تھی اس کی اصلیت کیا تھی؟ کیا وہ واقعی رمیش تھا یا اس نے محض اپنی معلومات کی بناء پر رمیش کا صرف نام استعمال کیا تھا؟ ـــــ اس نے مجھے دوبارہ روپ نگر کا رخ نہ کرنے کا مشورہ کیوں دیا تھا؟ یہ بھی کہا تھا کہ میں نے روپ نگر میں جو کچھ دیکھا یا سنا ہے اسے یکسر ذہن سے کھرچ کر حرف غلط کی طرح بھلا دوں ورنہ میری ماں کو کوئی جان لیوا حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اس دھمکی کا کیا مقصد تھا؟ کیا روپ نگر میں کوئی ایسا ثبوت موجود تھا جسے حاصل کر لینے کے بعد میں اپنے باپ کے قاتل یا قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتا تھا؟ ـــــ اگر وہ شیطانی قوتوں کے مالک تھے تو پھر مجھ سے خوف زدہ کیوں تھے؟ ـــــ"

میرے ذہن میں مختلف سوالات گردش کر رہے تھے۔ میں پچھلی نشست پر سر سیٹ سے لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھا اب تک پیش آنے والے پراسرار واقعات کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھا جب ایک پُرشور دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی میں اچھل کر اڑتا ہوا

ڈیش بورڈ سے اتنی شدت سے ٹکرایا کہ میری کھوپڑی میں کئی سورج یکلخت طلوع ہو کر یکے بعد دیگرے غروب ہوتے چلے گئے پھر میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا، مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا ——!

ذہن کی مشینری ٹھپ ہو جائے تو پھر انسان کو تمام احساسات سے چھٹکارا مل جاتا ہے، وقت گزرنے کا احساس بھی مٹ جاتا ہے۔ میں بھی اسی کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ میں کب تک دنیا و مافیہا سے بے خبر رہا مجھے نہیں معلوم لیکن دوبارہ ہوش آنے پر میں نے خود کو کسی بڑے ہسپتال کے اسپیشل روم میں بستر پر پڑا پایا۔ میرے ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ قریب ہی کرسی پر ایک ڈیوٹی نرس موجود تھی۔ ابھی میں پوری طرح گزرے ہوئے حالات کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ نرس اٹھ کر تیزی سے میرے قریب آ گئی۔

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں ——؟" اس نے پیشہ ورانہ انداز میں سوال کیا۔

"اور لوگ کہاں ہیں ——؟" میں نے اس کے بے تکے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس وقت وزیٹنگ آورس (VISITING HOURS) نہیں ہیں۔" اس نے میری نبض پر ہاتھ رکھ کر اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے مہذب لہجے میں مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ویسے بھی اس وقت رات کے سوا دس بجے ہیں۔"

"میں یہاں کب آیا تھا ——؟"

"تین روز پیشتر۔" وہ نرمی سے بولی۔ "آپ کی کار کو کوئی شدید حادثہ پیش آ گیا تھا، آپ مکمل طور پر کاما (COMMA) کی حالت سے دوچار تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو بہتر گھنٹے کے اندر اندر ہوش آ گیا۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"کیا میرے گھر والوں کو حالات کا علم ہے؟"

"جی ہاں، آپ کی والدہ اور دیگر عزیز رشتے دار برابر آپ کو دیکھنے آتے ہیں لیکن ایک خاتون حادثے والے دن سے ابھی تک یہیں موجود ہیں۔" نرس نے دوبارہ گھڑی پر نظر ڈال کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "وہ شاید آپ کے دفتر میں کام کرتی ہیں۔"

میرے ذہن میں منوالا کا تصور ابھرا۔ میں نے تیزی سے دریافت کیا۔ "کیا اس وقت بھی وہ خاتون موجود ہیں؟"

"جی ہاں، وہ باہر ریسٹ روم میں بیٹھی ہیں۔"

"کیا میں ان سے مل سکتا ہوں ——؟"

"پہلے میں ڈاکٹر کو آپ کے ہوش میں آنے کی اطلاع کرتی ہوں، باقی باتیں آپ انہی سے دریافت کر لیجئے گا۔" اس نے میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

میرا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ مجھے گزری ہوئی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ میں اس دھماکے کے بارے میں سوچنے لگا جس نے تین روز تک مجھے دنیا کے تمام ہنگاموں سے لاتعلق رکھا تھا۔ مجھے اپنے ڈرائیور کا خیال آیا۔ خدا جانے وہ زندہ تھا یا خدا کو پیارا ہو گیا تھا؟ مجھے اس خاتون کے بارے میں بھی سوچنا پڑا جو نرس کے بیان کے مطابق میرے ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد سے ابھی تک موجود تھی، نرس نے دفتر میں کام کرنے والی کا حوالہ دیا تھا، اس اعتبار سے وہ منوالا ہی ہو سکتی تھی۔ میں نے ماں کے بارے میں سوچا۔ "میرے حادثے کی خبر سن کر ان کے دل پر کیا قیامت گزری ہو گی؟ بیگم نفیس اور فاخرہ کو یقینی طور پر تشویش لاحق ہو گی۔" میں اپنے خیالوں میں گم تھا جب نرس ڈاکٹر کے ساتھ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہیلو مسٹر دانش۔" ڈاکٹر نے میرے قریب آ کر دوستانہ انداز میں پوچھا۔ "اب آپ کیسا فیل (FEEL) کر رہے ہیں؟"

"اس کا فیصلہ تو آپ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں زندگی کی طرف واپس لوٹ رہا ہوں۔"

"گڈ —— مجھے یقین ہے کہ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر جو غالباً میرے فیملی بیک گراؤنڈ اور اسٹیٹس (STATUS) سے واقف تھا بڑی انکساری سے بات کر رہا تھا۔ "صرف بہتر گھنٹے کی فکر ہمیں ضرور تھی لیکن خدا کی ذات سے امید تھی کہ آپ پہلے کی طرح نارمل زندگی گزار سکیں گے۔"

"حادثے کی نوعیت کیا تھی؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرا مشورہ ہے کہ آپ فی الحال اس حادثے کو بھول کر کوئی اور بات کریں تو بہتر ہو گا۔ ابھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر نے میری نبض اور بلڈ پریشر دیکھتے ہوئے

کہا۔ ''فی الحال میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ آپ جس حادثے سے دوچار ہوئے تھے اس میں کسی انسان کا زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔''

''گویا میرا ڈرائیور ـــــ'' میں ایک نتیجہ اخذ کرنے کے بعد خاموش ہوا تو ڈاکٹر نے فوری طور پر نرس کو کسی انجکشن کے بارے میں ہدایت دی۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتی باہر چلی گئی تو میں نے ڈاکٹر سے کہا۔

''پلیز ـــــ مجھے کوئی خواب آور انجکشن نہ لگائیے گا۔''

''آپ کے ذہنی سکون کے لئے جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میرے فرائض میں داخل ہے۔'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''صرف دو روز کی بات اور ہے، اس کے بعد آپ کو گھر جانے کی اجازت مل جائے گی۔''

''نرس بتا رہی تھی کہ کوئی خاتون بھی حادثے کے بعد سے مستقل ہسپتال میں موجود ہیں۔''

''اوہ ـــ آپ شاید مسز فلورا منوالا کی بات کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔

''وہ دیوانگی کی حد تک آپ کی صحت کے لئے فکرمند ہے، شاید آپ کا اور منوالا فیملی کا کوئی پرانا تعلق ہے۔''

''کیا میں ایک منٹ کے لئے اس سے مل سکتا ہوں؟'' فلورا منوالا کا نام سن کر مجھے تعجب ہوا۔ صرف ایک ملاقات کے بعد وہ میرے لئے جس قدر پریشان تھی وہ میرے لئے حیرت انگیز ہی تھا۔

''میں ان خاتون کو آپ سے ملوا سکتا ہوں، لیکن ایک شرط پر۔'' ڈاکٹر نے بات جاری رکھی۔ ''آپ ان کے ساتھ کوئی جذباتی گفتگو نہیں کریں گے۔''

میں نے اقرار کیا تو ڈاکٹر خود جا کر فلورا کو اپنے ساتھ لے آیا۔ مجھے ہوش و حواس میں دیکھ کر یکلخت اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ ان آنسوؤں میں ممتا کی بے پناہ چاہت جھلک رہی تھی۔

''آپ نے میری خاطر ـــــ''

''نو مائی سن نو ـــــ'' اس نے جلدی سے اپنے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ ''تم کوئی بات مت کرو، ڈاکٹر کا خیال ہے کہ تمہیں ابھی چوبیس گھنٹے تک مکمل

ریسٹ کی ضرورت ہے۔''

''آپ چاہیں تو اب گھر جا سکتی ہیں۔'' میرے بجائے ڈاکٹر نے فلورا کو مخاطب کیا۔ ''مسٹر دانش کی حالت اب بالکل نارمل ہے۔''

''نہیں ڈاکٹر، مجھے گھر جانے کے لئے مجبور نہ کرو۔'' اس نے جذباتی لہجے میں درخواست کی۔ ''جب تک میرا دانش بیٹا ہسپتال میں ہے، میں بھی اس کے قریب ہی رہنا پسند کروں گی۔''

''ٹھیک ہے ممی ـــــ'' میں نے ایک ماں کی ممتا کے پُرخلوص جذبوں کی تسکین کی خاطر اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ''جب تک میں ہوں، آپ بھی میرے پاس رہیں گی۔''

''یسوع مسیح تمہیں ہمیشہ زندہ اور سلامت رکھے، میری عمر بھی تمہیں لگ جائے ـــــ'' اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے دعا دی، پھر الٹے قدموں واپس چلی گئی۔

ڈاکٹر نے مجھے سکون پہنچانے کی خاطر انجکشن لگایا تو کچھ دیر بعد میں پھر نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

دوسری صبح میری والدہ ملازم کے ساتھ گھر سے ناشتہ لے کر آ گئیں۔ شاید ڈاکٹر نے گزشتہ رات ہی انہیں میری خیریت سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے ہوش میں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو چھلک اُٹھے۔ فلورا بھی ماں کے ساتھ ساتھ تھی۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں دو دن بعد گھر جانے کی اجازت مل جائے گی۔'' ماں نے خوشی کا اظہار کیا۔ ''میں تمہاری طرف سے صدقہ خیرات کرتی رہی ہوں۔ تم گھر آؤ گے تو تمہاری صحت کا جشن بھی شاندار طریقے سے مناؤں گی۔''

''اس جشن میں کون کون شریک ہو گا؟'' میں نے کنکھیوں سے فلورا منوالا کی جانب دیکھ کر پوچھا تو ماں میری نگاہوں کا مفہوم بھانپ کر بولی۔

''سب سے پہلے میری گم شدہ بہن فلورا جو بہت عرصے بعد مجھے ملی ہے۔'' ماں نے فلورا کو لپٹاتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے محبت کرنے والے شریک ہوں گے۔''

میں نے ماں اور فلورا منوالا کے ساتھ مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتے کے آدھے گھنٹے بعد بیگم نفیس اور فاخرہ بھی آ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی میرے اسٹاف کے لوگوں کی آمد کا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ ڈاکٹر کی ہدایت پر اسٹاف کے لوگوں کو صرف دو منٹ مجھ سے ملاقات کی اجازت ملی، ڈاکٹر بار بار میرے کمرے کا چکر لگاتا رہا۔ نرس بھی لوگوں کو زیادہ باتیں کرنے سے روکتی رہی۔

دوپہر کو ماں جانے لگیں تو فلورا منوالا کو بھی ان کے گھر چھوڑنے کے لئے ساتھ لے گئیں۔ وہ جانے پر آمادہ نہیں تھیں لیکن ڈاکٹر کے علاوہ میری ماں نے بھی سمجھایا تو راضی ہو گئیں۔

مجھے ابھی تک پیش آنے والے حادثے کی تفصیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ ایک دن اور گزر گیا۔ پھر دوسرے دن میں دوپہر کو لنچ کے بعد سونے کے ارادے سے لیٹا تو دن کی ڈیوٹی والی نرس جس کا نام رخسانہ تھا میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ کھانے کے بعد وہ مجھے ضروری دوائیں دے چکی تھی اس لئے خلاف توقع اس کا میرے قریب آ کر کھڑا ہونا مجھے عجیب سا لگا۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والی تناؤ کی کیفیت بھی کچھ عجیب سی تھی۔ شاید وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن جس انداز میں وہ مجھے نگاہوں میں نگاہیں ڈالے گھور رہی تھی وہ مجھے اچھا نہیں لگا۔

''کیا بات ہے نرس ـــ؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو ـــ کوئی خاص بات؟''

''نہیں ـــ میرے لئے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ میں نے تمہیں حادثے کی صورت میں جو پہلی وارننگ دی ہے تم اسے بھولے نہیں۔'' رخسانہ نے بڑے کھردرے اور سرد لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہوں میں سرخی کا رنگ گہرا ہونے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی طاغوتی قوت کے زیر اثر ہے۔

''کون ہو تم ـــ؟'' میں نے رخسانہ کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ ''مجھے بار بار کیوں پریشان کیا جا رہا ہے ـــ؟''

''صرف اس لئے کہ تم میری طاقت کا اندازہ لگا سکو ـــ'' اس کے جواب میں برتری کا رنگ بھی جھلک رہا تھا۔

''کیا چاہتے ہو ـــ؟'' میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''میرے اس حکم سے گریز کرنے کی حماقت کبھی نہ کرنا جو تمہیں فون پر پہلے بھی دیا جا

چکا ہے ـــ روپ نگر سے متعلق تمام دیکھی بھالی اور سنی سنائی باتوں کو یکسر نظر انداز کر دو، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

میرے ذہن میں رمیش کا نام ابھرا ـــ میں نے اپنے خیال کی تصدیق ضروری سمجھتے ہوئے زہر خند سے کہا۔ ''آج تم ہندی بھاشا بولنے سے کترا کیوں رہے ہو؟''

''تم اگر چاہو تو میں سنسکرت زبان میں بھی بات کر سکتا ہوں۔'' اس نے ایک بار پھر اپنی بڑائی کا اظہار کیا۔ ''مجھے اور بھی کئی زبانیں آتی ہیں۔''

''لیکن میرے سامنے آنے سے تم اب بھی خوفزدہ ہو۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔ ''اگر خوفزدہ نہ ہوتے تو دوسروں کے جسم میں گھس کر چوروں کی طرح بات نہ کرتے۔''

''میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے مقابلے پر کسی اور کا سہارا تلاش کرنے کی غلطی نہ کرنا۔'' اس نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے کرخت آواز میں کہا۔ ''ورنہ تمہارا حال بھی ویسا ہی ہوگا جیسا تمہارے ڈرائیور کا ہو چکا ہے۔''

''کیا مطلب ـــ؟'' میں چونکا۔ ''کیا ہوا میرے ڈرائیور کو ـــ؟''

''اس کی لاش کے ٹکڑوں کو دفن کیا جا چکا ہے لیکن اس کے گوشت کے کچھ لوتھڑے تمہیں اب بھی اس دیوار پر چپکے نظر آ جائیں گے جس سے تمہاری گاڑی ٹکرائی تھی۔'' اس نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا۔ ''تمہاری کار بھی چور چور ہو گئی ہے، اس کو دیکھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ تمہارے ڈرائیور کی موت کس قدر بھیانک اور اذیت ناک ہوئی ہوگی۔''

''اس غریب نے تمہارا کیا بگاڑا تھا ـــ؟'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نفرت سے دریافت کیا۔

''اس بکرے یا بچھڑے کا بھی کوئی دوش (قصور) نہیں ہوتا جس کو شیر کا شکار کرنے کے کارن بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ تھوڑی سی بدھی (عقل) استعمال کرو تو بات تمہاری کھوپڑی میں آ جائے گی ـــ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ ایک لمحے کو میرے دل میں خیال ابھرا کہ رخسانہ کا گلا دبوچ کر اسے زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دوں مگر میں نے ضبط سے کام لیا۔ اس غریب کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ ایک مہرے کے طور پر استعمال کی جا رہی تھی۔ اس کے

فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہ رہا ہوگا کہ اس وقت اس کے جسم اور دل و دماغ پر کسی شیطان کا قبضہ تھا۔ میں کچھ دیر خاموش رہا تو اس نے سرسراتی آواز میں دریافت کیا۔

''کس وچار میں گم ہو؟ تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔''

''کیا جواب دوں ـــــ؟'' میں نے حقارت سے کہا۔

''جو کچھ بیت چکا اسے بھول جاؤ۔ تمہارا تعلق جس دھرم سے ہے اس میں مرنے والے دوبارہ کسی روپ میں بھی دھرتی پر واپس نہیں آتے۔ گڑے مردے اکھاڑنے سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تم نے زیادہ اچھل کود کرنے کی کوشش کی تو تمہاری ماں کا جیون بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔''

''میرے باپ نے تمہارا کیا بگاڑا تھا ـــــ؟'' میں نے دل پر جبر کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''اسے کس جرم کی پاداش میں سزا دی گئی؟''

''گند کو کھنگالنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہارے لئے کیول ایک ہی راستہ ہے، میری آگیا کا پالن کرو۔ پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کرو گے تو اور بھی بہت کچھ کھو دو گے۔''

''ایک شرط میری بھی ہے ـــــ'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''تم بھی سائے کی طرح میرا تعاقب کرنا ختم کر دو۔''

''گرو سے ٹھٹھول کر رہے ہو ـــــ؟'' اس نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ ''کیا سنسار کی ساری سندرتا سے تمہارا من اچاٹ ہو گیا ہے؟''

''اگر تم واقعی اتنی ہی مہان اور شیطانی قوتوں کے مالک ہو جس کی ڈینگیں مار رہے ہو تو پھر مجھے تمہارے مقابلے پر کسی کا سہارا تلاش کرنے سے تمہیں کیا فرق پڑ جائے گا؟'' میں نے اس کی دُکھتی رگ ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''کوئی فرق نہیں پڑے گا'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''تم چاہو تو اپنی اس اِچھا (خواہش) کو بھی پورا کر کے دیکھ لو، پرنتو ایک بات کا دھیان رکھنا، جب دو شکتیوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو کچھ نردوش لوگ بھی چکی کے دو پاٹ کے درمیان آکر گھن کی طرح پس جاتے ہیں۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میری بات پر بھی غور کر لینا۔''

''فاخرہ کے ساتھ میری شادی کے بارے میں تم کیا کہو گے ـــــ؟'' میں نے کچھ

سوچ کر ٹھنڈے دل سے پوچھا۔

''وہ سندر نار ہے۔ تمہارا اور اس کا ملاپ اوش شبھ ثابت ہوگا۔ میری مانو تو اس کے ساتھ وواہ کر کے موج میلہ کرو، باقی بکھیڑوں کو بھول جاؤ ـــــ''

''لیکن پہلے تو تم نے کچھ اور کہا تھا'' مجھے بروقت سوجھ گئی۔

''کیا کہا تھا میں نے ـــــ؟'' اس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''تم نے کہا تھا کہ اگر میں نے اپنے پتا کے قاتلوں کا سراغ لگائے بغیر شادی کی تو فاخرہ مفت میں ماری جائے گی۔''

''نہیں ـــــ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ـــــ تم شاید مجھے الجھانے کے کارن ایک من گھڑت بات کر رہے ہو'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''اس سندری کے ساتھ شادی میں میرا آشیرباد تمہارے ساتھ رہے گا۔''

اس نے جو جواب دیا اس میں مجھے جھوٹ کی آمیزش نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن جوگیا نے یہی کہا تھا کہ میری اور فاخرہ کی شادی کسی پچھتاوے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس نے شادی سے پہلے مجھے اپنے والد کے قاتل کو کھوجنے کی شرط عائد کی تھی۔ آخر اس نے ایسا کیوں کہا تھا؟ ـــــ وہ اس بات پر بضد کیوں تھا کہ میں قاتلوں کا سراغ لگاؤں؟ کیا اسے علم تھا کہ رمیش قاتل تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ اپنے بل بوتے پر رمیش سے ٹکرانے سے کیوں کترا رہا تھا؟ مجھے درمیان میں لانے سے اس کا کیا مقصد اور مفاد وابستہ تھا؟'' میرے اندازے کے مطابق جوگیا کی شخصیت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ منوالا کے ذہن کو کنٹرول کرنے کے بعد امیت مہتا کو استعفیٰ دینے پر اسی کی طاغوتی قوتوں نے آمادہ کیا تھا۔ مجھے چٹ پر درج جو پیغام دیا گیا تھا اس کے اندر بھی جوگیا ہی کا ہاتھ شامل نظر آ رہا تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ بات قابل حیرت ہی تھی کہ اس نے فاخرہ سے میری شادی کے ساتھ میری ماں کو جان کا خطرہ پیش آنے والی بات کیوں کہی تھی؟ کیا کوئی ایسی ہی خاص بات تھی جو وہ براہ راست رمیش سے نہیں الجھنا چاہتا تھا؟ وہ بات کیا تھی؟ ـــــ اور بچے کی آنکھ والا پیپر ویٹ کس نے غائب کیا تھا؟ جو عورت مجھے خواب میں نظر آئی تھی اس کا رمیش سے یا جوگیا سے کیا تعلق تھا؟ اسے کس بات کی سزا مل رہی تھی؟ میرے ذہن میں ابھی سوالات کی یلغار جاری تھی جب رخسانہ نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اب کیا سوچ رہے ہو ــــ ؟"

"میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ تم پر کس حد تک اعتماد کروں۔" میں نے فوری طور پر ذہن میں ایک پلان مرتب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ــــ ؟"

"اگر میں اس بات کو مان لوں کہ روپ نگر کی کہانی کو بھول جاؤں گا تو اس بات کی کیا ضمانت ہوگی کہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو گے؟"

"میں تم کو وچن دیتا ہوں کہ تمہارے وشواس کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔"

"نہیں ــــ" میں نے اسے نرم پڑتا دیکھ کر ٹھوس لہجے میں کہا۔ "تمہیں ایک بار کھل کر میرے سامنے آنا ہوگا۔ ہمارے درمیان جو بھی فیصلہ ہوگا وہ دوبدو ہوگا۔"

"کیا یہ تمہاری آخری شرط ہے ــــ ؟"

"ہاں ــــ میں کسی سائے سے کوئی عہد و پیمان کرنے کو دانشمندی کے خلاف سمجھتا ہوں۔" میرا انداز فیصلہ کن تھا۔

"تم اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ مجھے کسی بات کے لئے مجبور کر سکو پرنتو میں تمہاری یہ اِچھا بھی پوری کر دوں گا۔" تھوڑے توقف سے کہا گیا۔ "مگر ایک بات گرہ سے باندھ لو، میرے سامنے آنے کے بعد بھی اگر تم نے میرے وشواس کو توڑنے کی غلطی کی تو پھر دھرتی پر تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ تمہیں اور تمہارے پریوار (خاندان) کو پاتال میں بھی میرے کشٹ سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"مجھے منظور ہے ــــ" میں نے غیر اختیاری طور پر اس کی بات مان لی۔

"ٹھیک ہے ــــ تم ابھی دو چار دن اور سکون کا سانس لے لو اس کے بعد میں تمہیں اپنے درشن بھی ضرور دوں گا۔"

رخسانہ کی شعلہ بار نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ امیت مہتا کے سلسلے میں بھی میں منوالا کو اسی کیفیت سے دوچار دیکھ چکا تھا۔ اس نے بھی کسی نادیدہ طاغوتی طاقت کے زیر اثر رہ کر امیت مہتا کو اپنے فیصلے پر عمل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

رخسانہ اپنا آخری جملہ ادا کرنے کے بعد خواب بیداری کی حالت میں آہستہ سے پنجوں کے بل گھومی، پھر اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھیں ــــ

میرے ذہن میں پھر کھلبلی شروع ہو گئی۔

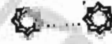
میرے اندازے کے مطابق رمیش اور جوگیا دونوں برابر کی ٹکر کے تھے۔ اگر رمیش نے رخسانہ کو بطور روبوٹ استعمال کیا تھا تو منوالا کو یقیناً جوگیا کے اشاروں پر عمل کرنا پڑا تھا۔ شاید وہ دونوں بھی اس حقیقت سے واقف رہے ہوں کہ وہ ٹکراؤ کی صورت میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل نہیں کر سکتے اسی لئے ابھی تک ان کے درمیان نہیں ٹھنی تھی لیکن ایک بات میرے ذہن کو رہ رہ کر الجھا رہی تھی، اگر رمیش اور جوگیا دونوں یکساں قوت کے مالک تھے تو پھر انہیں اس بات کا علم کیوں نہیں ہو سکا تھا کہ کون میرے لئے کیا کر رہا ہے؟ یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی غیبی طاقت میری پشت پناہی کر رہی ہو۔ ورنہ جو گندی اور ناپاک قوتیں میرے باپ کو موت سے ہمکنار کر چکی تھیں، گلزار خان اور میرے بے قصور ڈرائیور کی موت کا سبب بنی تھیں، وہ مجھے بھی موت کے گھاٹ اتار سکتی تھیں۔ ڈاکٹر نے بھی اس بات کا اظہار کیا تھا کہ میں جس حادثے سے دوچار ہوا تھا اس میں کسی انسان کا حیرت انگیز طور پر بال بال محفوظ رہنا کسی معجزے سے کم نہیں تھا ــــ

جوگیا اور رمیش کی باتوں میں جو واضح تضاد تھا اس کا تعلق فاخرہ کی ذات سے تھا۔ رمیش نے مجھے رخسانہ کے ذریعے باور کرایا تھا کہ میں اگر فاخرہ سے شادی کر لوں تو اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کا مشورہ یہی تھا کہ میں شادی کر کے موج میلے میں زندگی بسر کروں اور روپ نگر سے شروع ہونے والی پراسرار کہانی کے ہر پہلو کو ذہن سے نکال دوں ــــ اس کے برعکس جوگیا نے خود اچانک میرے سامنے آ کر کہا تھا کہ فاخرہ سے شادی سے پہلے اگر میں نے اپنے باپ کے قاتلوں کو نہ تلاش کیا تو شادی کے بعد فاخرہ ناگہانی موت کا شکار ہو جائے گی۔ جوگیا نے بڑے ٹھوس لہجے میں اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ اس کی زبان سے نکلا ہوا کوئی حرف یا کوئی بات غلط نہیں ثابت ہوتی ــــ شاید جوگیا کے وہی الفاظ میرے لاشعور میں محفوظ تھے جو میں نے رمیش کو کھل کر سامنے آنے کی دعوت دی تھی اور اب میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا ــــ "کیا میں رمیش کے سامنے آ جانے کے بعد اپنے باپ کے قاتلوں کو معاف کر سکوں گا؟ کیا میرے لئے کسی صورت میں بھی یہ بات ممکن ہو گی کہ میں محض اپنی یا فاخرہ کی زندگی کے تحفظ کی خاطر ان لوگوں سے کوئی سمجھوتا کر لوں جنہوں نے میرے سر سے باپ کا سایہ چھین لیا تھا؟ میری ماں کے ہونٹوں سے

مسکراہٹیں چھین کر انہیں بیوگی کے غم سے دوچار کر دیا تھا۔۔۔۔؟ کیا رمیش نے سامنے آنے والی بات محض مجھے دو چار روز تک ٹالنے کی خاطر کہی تھی یا وہ حقیقتاً اپنے وعدے کو پورا کر کے خطرہ مول لینے کی جسارت کر سکتا تھا؟۔۔۔۔ رمیش اگر کھل کر سامنے آ گیا تو جوگیا کا ردِعمل کیا ہوگا؟ کیا وہ میری خاطر رمیش سے ٹکرانے کی ہمت کر سکے گا۔۔۔۔؟؟

میں حالات کے اس دوراہے پر کھڑا تھا جہاں اس بات کا کوئی حتمی فیصلہ کرنا میرے لئے آسان نہیں تھا کہ کون سا راستہ اختیار کروں؟ یہ بات بھی میرے لئے ممکن نہیں تھی کہ میں اپنے والد کے قاتلوں سے اپنی زندگی بچانے کی خاطر کوئی ایسا سمجھوتا کر لوں جو تمام عمر میرے احساسات کو کچوکے لگاتا رہے۔ ویسے بھی ایک کلمہ گو مسلمان ہونے کی حیثیت سے کفر کی قوتوں کے آگے گھٹنے ٹیک دینا مجھے کسی طور منظور نہیں تھا۔

میں تا دیر اپنے خیالوں سے الجھتا رہا، پھر میں نے ایک آخری فیصلہ کر لیا۔ کفر کے مقابلے پر اپنی تمام تر ایمانی قوتوں کے ساتھ ڈٹے رہنے کا فیصلہ۔۔۔۔!!



دو روز بعد میں ہسپتال سے گھر آ گیا۔ ماں کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ انہوں نے دل کھول کر صدقہ و خیرات کیا۔ ایک روز صبح سے شام تک ہمارے دروازے پر غریبوں کے لئے لنگر جاری رہا، یتیموں اور بیواؤں کو روٹی اور کپڑوں کے علاوہ مالی اعتبار سے بھی نوازا گیا۔ بیگم نفیس بھی پیش پیش رہیں۔ فلورا منوالا بھی ماں کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ وہ منوالا کو ساتھ نہیں لائی تھی۔ جہاندیدہ خاتون تھی شاید اس نے مصلحتوں کے پیش نظر بیٹی کو ان تمام ہنگاموں سے دور رکھا تھا۔

میں کمرے میں لیٹا حالات پر غور کر رہا تھا۔ زندگی اور موت کے فرق کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر رمیش نے میرے ساتھ رعایت نہ کی ہوتی، کار ایکسیڈنٹ میں ڈرائیور کے ساتھ میں بھی مارا جاتا تو اس وقت لنگر جاری ہونے کی بجائے میرے لئے سوئم کی رسم ادا ہو رہی ہوتی، عزیز و اقارب، دوست احباب اور میرے محلے کے ملنے جلنے والے اور دفتر کے عملے کے تمام افراد سوگوار چہرہ بنائے قرآن کی تلاوت میں مصروف ہوتے، میرے لئے فاتحہ خوانی ہوتی، میری مغفرت کی دعائیں مانگی جاتیں۔ میری ماں کی آنکھوں سے جوان بیٹے کی موت پر خون کے آنسو ٹپک رہے ہوتے۔ لیکن میں مرا نہیں تھا، زندہ تھا۔ اس لئے جان کا صدقہ مال کے فارمولے پر عمل ہو رہا تھا۔ ہر فرد خوش تھا۔ میں جس حادثے سے معجزاتی طور پر بال بال بچ گیا تھا اس پر خدا کا شکر ادا کیا جا رہا تھا۔

میرے ذہن میں اس وقت بھی روپ نگر سے شروع ہونے والی کہانی کے واقعات یکے بعد دیگرے ابھر رہے تھے، رمیش نہیں چاہتا تھا کہ میں روپ نگر کا دوبارہ رخ کروں یا وہاں پر دیکھی اور سنی باتوں پر غور کروں۔ اسے یقیناً کسی نہ کسی بات کا خوف ضرور تھا، کوئی ایسا سراغ یا ثبوت جو اگر میرے ہاتھ لگ جاتا تو اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا پڑ جاتا۔ اسی سراغ یا کسی اہم ثبوت کو میری نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی خاطر اس نے دو چار روز بعد کھل

کر سامنے آنے والی شرط منظور کر لی تھی۔

مجھے جوگیا بھی یاد آ رہا تھا جس نے دفتر میں آ کر مجھے اپنی پراسرار باتوں سے ششدر کر دیا تھا۔ اسی نے کہا تھا کہ میں پہلی فرصت میں کشمیر امپوریم سے لائے ہوئے گفٹ پیک کو کھول کر دیکھوں۔ وہ یقیناً اس پراسرار پیپر ویٹ کی موجودگی سے واقف رہا ہو گا جس میں، میں نے ایک بچے کی آنکھ کو زندہ حالت میں حرکت کرتے دیکھا تھا۔ کرب میں ڈوبی اس کی آواز بھی سنی تھی۔ اسی بچے کے استخوانی ہاتھ نے میری کلائی تھام کر خواب میں یا شاید غنودگی کی حالت میں مجھے کسی عمارت کے زمین دوز تہہ خانے میں پہنچا دیا تھا جہاں ایک عورت زنجیروں میں جکڑی ہوئی بڑی کسمپرسی کی حالت سے دوچار تھی۔ بچے کی کرب میں ڈوبی آواز نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کوئی آواز منہ سے نہ نکالوں۔ صرف حالات کو ذہن نشین کروں۔ لیکن جب ایک پجاری نے اس بدنصیب کے جسم پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی تو میں ضبط نہ کر سکا۔ میری مردانگی کو جوش آ گیا۔ میں اس عورت کو بچانے کے لئے لپکا تھا جب نادیدہ استخوانی انگلیوں کی گرفت میری کلائی پر اور شدید ہو گئی۔ اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''اپنی موت کو دعوت مت دو۔ میں نے تمہیں ہر حال میں زبان بند رکھنے کا مشورہ....''

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا، دونوں پجاری اس کی آواز سن کر چونکے، پھر درندوں کی طرح اچھل کر میری جانب لپکے تھے لیکن اسی لمحے میری کلائی استخوانی انگلیوں کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو میں اپنے بستر پر موجود تھا۔ میری ماں مجھ سے خواب میں ''بچاؤ ــــ بچاؤ ــــ'' کہنے کا سبب دریافت کر رہی تھی۔

گزرے ہوئے واقعات اور بیتی باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں جب میں کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر چونکا۔ آنے والی فاخرہ تھی۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میری مزاج پرسی کو چلی آئی تھی۔

''اب آپ کیسے ہیں ــــ؟'' اس نے قریب آ کر دریافت کیا۔

''آپ کی دعاؤں نے بچا لیا ورنہ شاید ــــ''

''خدا کے لئے کوئی بری بات منہ سے نہ نکالئے گا۔'' اس نے تیزی سے کہا۔ اس کے لب و لہجے سے پیار چھلک رہا تھا۔ ''آپ کو نہیں معلوم کہ آنٹی کے دل پر حادثے کی خبر سن

کر کیا گزر گئی تھی۔ چار چھ گھنٹے تک تو انہیں جیسے سکتہ ہو گیا، پھر آپ کو سلامت دیکھنے اور ڈاکٹر سے گفتگو کرنے کے بعد ہی انہیں سکون ملا تھا۔''

''اور آپ کے دل پر کیا گزری تھی ــــ؟'' میں نے اس کے چہرے کی شگفتگی پر نظر ڈال کر آہستہ سے دریافت کیا۔

''کیا کریں گے جان کر ــــ؟'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''بتا دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے ــــ'' میں نے اصرار کیا۔

''میں نے اور ممی نے پولیس آفیسر کے بیان پر خاص طور پر اس جگہ جا کر حادثے کی نوعیت کا جائزہ لیا تھا۔'' اس نے میرے سوال سے پہلو بچا کر جواب دیا۔ ''اف میرے خدا، ڈرائیور کی لاش کے لوتھڑے اس دیوار سے چپکے نظر آ رہے تھے جس سے گاڑی ٹکرائی تھی۔''

''گاڑی بھی یقیناً چور چور ہو گئی ہو گی ــــ'' میں نے ڈاکٹر سے سنی ہوئی بات دہرائی۔

''آپ کو کس نے بتایا ــــ؟''

''کسی نے نہیں ــــ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' میں نے اس کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہوتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا مطلب ــــ؟'' وہ مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کیا آپ اس سنگین حادثے سے میرے زندہ سلامت بچ جانے کو معجزہ نہیں کہیں گی؟''

''بالکل ــــ'' اس نے جھرجھری لے کر جواب دیا۔ ''سب کچھ ایک معجزہ ہی تھا۔''

''پھر اسے بھی ایک معجزہ ہی سمجھ لیں کہ حادثے کے وقت میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا، میں نے بچشم خود حالات کا جائزہ لیا، پھر پولیس کو تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد ہی ہسپتال کا رخ کیا تھا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ خوشگوار موڈ میں ہیں۔'' وہ میری باتوں کا مفہوم بھانپ کر بولی۔ ''ورنہ ایسے سنگین حادثے سے دوچار ہونے کے بعد تو لوگ مہینوں بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں۔''

''دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا ہے کہ بہکی بہکی باتیں کروں لیکن اس ڈر سے خود کو روک رکھا ہے کہ کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں۔''

"میری خفگی کا اتنا خیال کب سے ہونے لگا آپ کو ــــــ؟" اس نے شوخی سے نظر بچا کر گنگناتے لہجے میں سوال کیا۔

"جب سے قسمت نے مجھے موت کے ہاتھوں سے چھین کر دوبارہ آپ کی خاطر زندگی عطا کی ہے۔" میں نے برجستہ اور بے ساختگی سے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو وہ چھوئی موئی کے معصوم پودے کی مانند اپنے وجود میں سمٹنے لگی۔ اس کے چہرے پر شفق کے قرمزی رنگ لہرانے لگے۔ وہ شرما کر جانے کے ارادے سے پلٹی۔

"فاخرہ ــــــ" میں نے اسے پیار سے آواز دے کر روک لیا۔

"جی ــــــ" وہ دوپٹے کا آنچل ہاتھ میں لے کر مسلنے لگی۔

"سچ پوچھئے تو میں آپ ہی کی دعاؤں سے زندہ ہوں ورنہ ــــــ"

"آپ کو میری قسم ــــــ دوبارہ مذاق میں بھی ایسی بری فال زبان سے نہ نکالئے گا۔" اس نے تھم تھم کر کہا، پھر تیز تیز قدم اٹھاتی خوابگاہ سے نکل گئی۔

ایک دن اور گزر گیا۔ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق میں بالکل نارمل تھا۔ مجھ پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں عائد کی گئی تھی۔ گھر پر بستر پر پڑے پڑے میرا دل اکتانے لگا۔ میں نے دفتر جانے کا خیال ظاہر کیا تو ماں کی ممتا کو جوش آ گیا۔

"ابھی ایک ہفتے تک تمہیں دفتر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔" ماں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "ایک ہفتے بعد بھی میں ڈاکٹروں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی حتمی فیصلہ کروں گی۔"

"گویا میں صرف خواب گاہ تک محدود رہوں گا؟" میں نے بڑے لاڈ سے احتجاج کیا۔ "اس طرح تو میری صحت کو گھن لگ جائے گا۔"

"تم اگر چاہو تو ایک دو گھنٹے کے لئے پرانے ڈرائیور کے ساتھ شام کو تفریح کے لئے جا سکتے ہو لیکن اس شرط پر کہ جب تک میں اجازت نہ دوں تم کاروباری معاملات میں نہیں الجھو گے۔"

"آپ کو میری صحت کی طرف سے کیا تشویش لاحق ہے ــــــ؟" میں نے پوچھا۔

"فضول بحث مت کرو۔" ماں نے بڑی شفقت سے ڈانٹا۔ "تم دل بہلانے کی خاطر گھر پر بھی کسی دوست کو بلا سکتے ہو۔"

"اس کے لئے آپ کو بھی میری مدد کرنی پڑے گی۔" میں نے ماں کو چھیڑنے کی خاطر

زیر لب مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب ــــــ؟"

"آپ آنٹی سے بات کریں، وہ اگر فاخرہ کو دو چار دن کے لئے یہاں چھوڑ دیں ــــــ"

"بری بات ہے دانش ــــــ" ماں نے سنجیدگی سے مجھے گھورا۔ "جب تک نکاح اور رخصتی نہ ہو جائے کسی لڑکی کے بارے میں ایسی بات نہیں کرنی چاہئے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رخصتی کی رسم پہلے کر لی جائے، نکاح بعد میں ہوتا رہے گا۔"

"اچھا بس ــــــ زیادہ حماقت کی باتیں مت کرو ــــــ" ماں مجھے پیار سے ڈانٹتے ہوئے خانساماں کو کھانے سے متعلق ہدایت جاری کرنے چلی گئیں۔

میں پھر رمیش کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے دو چار روز بعد کھل کر سامنے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی طلب کردہ مہلت میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس نے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا بھی ضرور کرے گا۔

اس روز گھر میں جشن صحت کے ہنگاموں کی وجہ سے میں بھی تھکا ہوا تھا اس لئے میری آنکھ رات جلدی لگ گئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میری والدہ میرے سوتے تک خواب گاہ میں میرے پاس بیٹھی شادی کے بارے میں صلاح مشورے کرتی رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ جب بیگم نفیس نے سارا اختیار انہیں سونپ دیا ہے تو پھر نیک کام میں دو ماہ سے زیادہ دیر نہیں ہونی چاہئے۔ میں ان کی خوشنودی کی خاطر ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ پھر کب میری آنکھ لگی اور کب میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوا مجھے کچھ یاد نہیں۔ البتہ جب رات کو میں واش روم جانے کے ارادے سے اٹھا تو خواب گاہ میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میں اٹھ کر واش روم میں گیا لیکن دو چار منٹ بعد جب واش روم سے باہر نکلا تو جوگیا کو خلاف توقع دیوان پر بیٹھا دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ آج بھی وہ اسی حلیے میں تھا جس حلیے میں میری اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلی ملاقات میں وہ نڈر اور بے خوف نظر آ رہا تھا لیکن آج اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی مسلط تھی۔ حسب معمول اس نے گلے میں ریشمی مفلر لپیٹ رکھا تھا۔ میرے دل میں یہ خواہش اُبھری کہ کسی طرح اس کا مفلر ہٹا کر اس بات کی تصدیق کر سکوں کہ اس کی گردن پر بائیں جانب زخم کا کوئی گہرا نشان تو نہیں تھا۔ روپ نگر میں گلزار خان (مرحوم) نے سلامت خان یا رمیش کی یہی ایک

مخصوص پہچان بتائی تھی جس کے ذریعے اسے ہزاروں میں شناخت کیا جا سکتا تھا۔

'کہیں جوگیا ہی تو رمیش نہیں تھا جو اس وقت اپنے وعدے کے مطابق میری نظروں کے سامنے موجود تھا؟' میرے ذہن میں یہ خیال بجلی بن کر کوندا۔ میں پوری توجہ سے اسے گھورنے لگا جبکہ وہ بدستور کسی خیال میں محو نظر آ رہا تھا۔ ابھی ہماری نظریں چار نہیں ہوئی تھیں، میں ایک لمحہ واش روم کے دروازے پر کھڑا کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کرتا رہا، پھر میں نے قدم اٹھا کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''تم ــــ اس وقت میری خوابگاہ میں ــــ؟''

''شش ــــ'' اس نے چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے انگلی کے اشارے سے خاموش رہنے کی تلقین کی پھر انتہائی تیزی سے لپکتا ہوا میرے قریب آیا اور ہاتھ میں دبی ہوئی کوئی چیز میری پشت پر رکھ کر پوری قوت سے دبایا۔ اس کے ہاتھوں میں بلا کی قوت تھی۔ اس کے علاوہ اس نے جو چیز میری پشت پر رکھی تھی اس قدر ٹھوس اور گرم تھی کہ میں بمشکل اپنی چیخ ضبط کر سکا۔ مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے جسم کے کسی حصے کو دہکتی ہوئی آگ سے داغ دیا گیا ہو۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ میں چاہنے کے باوجود جوگیا کی اس حرکت کے خلاف کوئی احتجاج نہ کر سکا۔

دس سیکنڈ تک وہ اس ٹھوس شے کو میری پشت سے لگائے رہا، پھر اس نے ہاتھ ہٹا کر میرے سامنے اپنی مٹھی کھولی تو اس میں لوہے کا ایک بچھو موجود تھا جس کے سر پر پیتل کا ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ جوگیا کے ہونٹوں پر بڑی آسودہ مگر زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''یہ کیا ہے ــــ؟'' میں نے الجھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میری پشت پر کیا داغ دیا ــــ؟''

''چنتا مت کرو۔ جوگیا نے تمہارے اوپر جو کرپا کی ہے وہ تمہیں اپنے شرن میں رکھے گی۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ ''تم بڑے خوش قسمت ہو جو وقت اور حالات نے مجھے تمہارا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا۔''

''لیکن ــــ''

''گھبراؤ مت ــــ'' اس نے میری الجھن کو محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں جس پوتر اور مہان بچھو کے ڈنک سے داغا ہے وہ جگ جگ تمہاری رکشا

کرے گا۔ اس کے سر پر ناگ دیوتا بیٹھے ہیں۔'' جوگیا نے اپنی ہتھیلی پر نظر ڈالتے ہوئے بات جاری رکھی۔ ''میں نے بڑی کٹھن تپسیا کے بعد اسے پایا ہے۔ اس دھرتی پر تم وہ پہلے منش ہو جسے میں نے اس کے شریر کی اگنی سے داغا ہے۔ اب وہ دشٹ نہ تمہارے من کا کوئی بھید جان سکے گا نہ اسے یہ معلوم ہوگا کہ کون تمہاری سہائتا کر رہا ہے۔''

''تم ــــ تم کس کی بات کر رہے ہو ــــ؟'' میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

''اسی راکھشش کی جس نے تمہیں درشن دینے کا وچن دیا ہے۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ ''وہ مورکھ مجھ سے بھی پنجہ لڑانے کے سپنے دیکھ رہا ہے۔''

''تمہارا اشارہ رمیش کی طرف ہے؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''ہاں ــــ''

''کیا وہی میرے باپ کا قاتل ہے ــــ؟'' میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

''سمے کا انتظار کرو ــــ کون کیا ہے؟ اس چکر میں مت پڑو۔ کیول یہ بات گانٹھ سے باندھ لو کہ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں، وہ پاپی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ــــ''

''اس نے کہا ہے کہ میں روپ نگر میں ہونے والی تمام باتوں کو بھول جاؤں ورنہ وہ میرے پورے خاندان کو برے حالات سے دوچار کر دے گا۔''

''تم نے کیا سوچ رکھا ہے ــــ؟'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''میں ــــ میں اپنے باپ کے قاتلوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔'' میں نے دل کڑا کر کے جواب دیا۔

''کیا تم کالی طاقتوں سے ٹکرانے کی شکتی رکھتے ہو ــــ؟''

''جو قوتیں گندی اور ناپاک ہوں وہ زیادہ پائیدار نہیں ہوتیں۔'' میں نے جوگیا کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''میں مسلمان ہوں اور کلمہ گو مسلمان خدا کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتا۔ گناہ اور ثواب کا فیصلہ بھی صرف اسی کے اختیار میں ہے۔''

''دھرم کرم اور پاپ و پُن کے چکر میں مت پڑو ــــ یہ باتیں کیول کسی مہاپرش بلوان یا دھرماتماؤں ہی کے منہ سے اچھی لگتی ہیں۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو ــــ؟'' میں نے اس کی بات کی وضاحت چاہی۔

سب سے پہلے اس وچار کو من سے کھرچ کر نکال دو کہ جوگیا اور رمیش ایک ہی روپ کے دو نام ہیں۔'' وہ میری آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے بڑی گمبھیر آواز میں بولا۔

''جوگیا تمہارے من کا حال پڑھنے کی شکتی رکھتا ہے۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر گلے سے مفلر اتارتے ہوئے کہا۔ ''اچھی طرح میری گردن کو نظر بھر کر دیکھ لو، اس پر تمہیں دائیں بائیں کہیں کوئی گھاؤ کا نشان نظر نہیں آئے گا۔''

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ جوگیا کی زبان سے نکلا ہوا کوئی شبد اور کوئی بات غلط نہیں ہوتی۔''

''تم رمیش کے بارے میں اور کیا کچھ جانتے ہو؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''وہ مجھے روپ نگر سے دور کیوں رکھنا چاہتا ہے؟''

''وہ پاپی تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکانے کے کارن الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے ـــــ ایک بات اور دھیان سے سن لو، جو میک اپ کے ذریعے کبھی ہندو اور کبھی مسلمان بن سکتا ہے، اپنے پلید جنتر منتر سے موت کے کچے دھاگے کو اتنی شکتی دے سکتا ہے کہ وہ کسی منش کا سارا خون پی کر اسے موت کے گھاٹ اتار سکے وہ اپنے شریر پر کہیں کوئی نشان بنا کر دوسروں کو دھوکے میں بھی ڈال سکتا ہے۔'' جوگیا سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''گلزار خان غریب بھی مفت میں مارا گیا۔ سمجھ رہے ہو میری بات؟''

''تم نے مجھے بچھو کے ڈنک سے داغ کر کیا تحفظ فراہم کیا ہے؟'' میں نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''اب وہ پاپی یہ نہ جان پائے گا کہ تمہاری سہائتا کون کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی نظریں اب تمہارے من کے بھیتر بھی نہیں جھانک سکیں گی۔ اور اب میں اس کے سامنے آ کر بھی تمہاری سہائتا کر سکوں گا۔''

''مجھے کسی خطرناک حادثے سے دوچار کرنے سے اس کا کیا مقصد تھا؟''

''منوالا کے گھر سے واپسی پر تم جو کچھ سوچ رہے تھے وہ اس پاپی نے اپنی کالی شکتی کے ذریعے بھانپ لیا تھا۔'' جوگیا بڑی ٹھوس آواز میں بولا۔ ''تم قسمت کے دھنی تھے جو بچ گئے ورنہ اس نے تمہیں مارنے میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ میں اس کے آڑے نہ آ

جاتا تو تم بھی اپنے ڈرائیور کے ساتھ ہی مرکھپ گئے ہوتے۔''

جوگیا کی پراسرار باتیں میرے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔ یہ درست تھا کہ دفتر کی طرح اس وقت بھی وہ میرے خیالات پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ میری مدد کرنے پر کیوں مجبور تھا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اگر وہ رمیش سے زیادہ طاقت ور تھا تو پھر اسے ڈھیل دینے کا کیا مقصد تھا؟ آنکھ مچولی کھیلنے کی بجائے وہ دشمن کو ایک ہی وار میں ختم کر کے اپنا پیچھا ہمیشہ کے لئے چھڑا لینے سے گریز کیوں کر رہا تھا ـــــ؟ اس کے لئے میری زندگی کیا اہمیت رکھتی تھی؟ ـــــ اگر میں بھی حادثے کا شکار ہو گیا ہوتا تو کیا وہ رمیش کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا ـــــ؟

''جوگیا نے آج تک سوائے دیوی دیوتاؤں کے کسی کے آگے ڈنڈوت نہیں کیا۔'' وہ ہونٹ چباتے ہوئے بڑے خشک انداز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''بھوش میں کیا لکھا ہے؟ یہ تم نہیں جان سکتے پرنتو میں جانتا ہوں۔ اس لئے تم جس دبدھا کا شکار ہو رہے ہو اسے من سے نکال دو۔ میں نے پہلے بھی تم سے یہی کہا تھا کہ سمے کا انتظار کرو ـــــ جو بھی جس کی قسمت میں لکھا ہے وہ اوش پورا ہو گا۔''

میں نے فوری طور پر اپنے خیالات اور سوچوں کے دروازے بند کر لئے۔ میرے ذہن میں بہت سارے سوالات کلبلا رہے تھے۔ میں نے جوگیا کو ٹٹولنے کی خاطر پوچھا۔

''کیا تمہیں علم ہے کہ فاخرہ کے ساتھ میری شادی کس وجہ سے ٹل گئی تھی؟''

''ہاں ـــــ'' وہ عجیب انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بیگم نفیس کو اپنے جس عزیز کی موت کی خبر ملی تھی وہ جھوٹی ثابت ہوئی اور اب تم دونوں کی شادی کا فیصلہ تمہاری ماں کو سونپ دیا گیا ہے ـــــ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ رمیش نے تم سے اس سندری کے ساتھ شادی رچانے پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ مجھے تمہارے دشمن کے علاوہ تمہاری ساری باتوں کا علم بھی ہے۔''

''اب تمہارا کیا مشورہ ہے؟'' میں نے اسے کریدا۔ ''کیا شادی کے بعد اب بھی فاخرہ کی زندگی کو کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے؟''

''تم پھر بھول گئے کہ جوگیا کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط ثابت نہیں ہوتی۔'' اس بار وہ زہرخند سے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم جب بھی اس سندری کو دیکھتے ہو تمہارے من میں

گدگدی شروع ہو جاتی ہے ۔۔۔ لیکن یہ بات بھی کان کھول کر سن لو کہ اگر تم نے اس کے ساتھ شادی کی تو چالیس روز کے اندر اندر وہ کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔"

"کیا تم اس شادی کو رکوا نہیں سکتے؟" میں نے بے چینی سے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ ماں خود اس رشتے سے منہ موڑ لے۔"

"نہیں۔۔۔" اس نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ "اب جوگیا اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے تمہیں خود کرنا ہوگا۔"

میں ایک لمحے کو گنگ رہ گیا۔ جوگیا کا کھرا جواب سن کر نہ جانے کیوں میرے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ مجھے ماں کی پسند کا اندازہ تھا۔ وہ فاخرہ کے سلسلے میں اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کر سکتی تھیں اور میں کھل کر انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"کس وچار میں گم ہو گئے۔۔۔؟" جوگیا نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنی ماں کو کس طرح آنے والے کل کے خطروں سے آگاہ کروں۔"

"میں نے کہا تھا کہ سمے کا انتظار کرو۔۔۔ جو بھوش میں لکھا گیا ہے وہ اوش پورا ہوگا۔" اس نے سرسری طور پر کہا، پھر گفتگو کا موضوع بدل کر بولا۔ "کیا تم نے میرے کہنے کے انوسار (مطابق) وہ بنڈل کھولا جو تم کو ضرغام نے دیا تھا۔۔۔؟"

جوگیا کی بات سن کر فاخرہ کا تصور میرے ذہن سے کسی خواب کی طرح چھو منتر ہو گیا۔ مجھے وہ تمام باتیں یاد آ گئیں جو میں نے خواب بیداری کی کیفیت میں دیکھی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک خیال اور بھی اُبھرا۔۔۔ "اگر جوگیا دل کا حال جاننے کی قوت رکھتا تھا تو کیا اسے ان باتوں کا علم نہیں ہوگا جو خواب کی حالت میں رونما ہوئی تھیں؟ کیا وہ صرف میرا امتحان لینا چاہتا تھا یا بار بار یہ احساس دلانے کا خواہشمند تھا کہ وہ میرے روز و شب کی ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے۔" میں ایک لمحہ خاموش رہا، پھر میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"میں نے کشمیر امپوریم سے جو چیزیں خریدی تھیں، ضرغام نے اس کا پیکٹ میری نظروں کے سامنے بنایا تھا۔ لیکن جب تمہارے کہنے پر میں نے اسے کھولا تو سگار بکس میں

رکھے ہوئے سرخ کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک اور چیز نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔"

"تم شاید اس پیپر ویٹ کی بات کر رہے ہو جس میں کسی بچے کی آنکھ قید ہے۔۔۔؟" جوگیا نے کسمسا کر جواب دیا۔

"ہاں۔۔۔" میں چونکا۔ "کیا تمہیں سگار بکس میں اس کی موجودگی کا علم تھا؟"

"نہ ہوتا تو میں اس کی طرف تمہاری توجہ کیوں دلاتا۔۔۔؟"

"کیا ضرغام نے مجھے اس کے بارے میں......؟"

"کچھ نہیں بتایا تھا۔" جوگیا نے میرا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "جب وہ خود اس پراسرار پیپر ویٹ سے ناواقف تھا تو تمہیں کیا بتاتا۔"

"کشمیر امپوریم پر ضرغام مجھ سے کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا تھا۔" میں نے اپنے ذہن کی گرہوں کو کھولنے کی خاطر کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ کسی شیطانی قوت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی تھی۔۔۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ ضرغام کا میرے والد کی موت سے کیا تعلق تھا؟"

"اس کا تعلق تمہارے پتا کی موت سے نہیں بلکہ براہِ راست تمہارے پتا سے تھا۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

ضرغام اور سورگ باشی کبیر جی کبھی ایک دوسرے کے بہت گہرے متر تھے۔" جوگیا نے اس بار ایک لمحے کی خاموشی کے بعد خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ "ضرغام کو اس بات کا خطرہ تھا کہ تمہارے پتا جی نے جو نیا بیوپار شروع کیا تھا اس میں کیول گھاٹے کے انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس نے تمہارے پتا کو کئی بار سمجھانے کی کوشش کی کہ جس گاؤں جانا نہیں اس کے کوس گننے سے کیا حاصل۔۔۔ لیکن تمہارے پتا نے جب اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اس غریب نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے دوسری پارٹی کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے ضرغام کا کانٹا اتنی چالاکی سے اپنے راستے سے دور کیا کہ کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکا۔ تمہارے پتا بھی اپنے متر کی ناگہانی موت کو ایک حادثہ سمجھتے رہے۔۔۔ دوسری پارٹی تمہارے پتا کو اپنے جال میں پھانس کر بے بس کرنا چاہتی تھی۔ ایک موقع پر تمہارے پتا اور دوسری پارٹی کے درمیان سخت باتوں کا تبادلہ ہوا تو تمہارے پتا بھی اپنی جگہ چوکس ہو گئے۔ پرنتو جب موت کا سایہ سر پر منڈلانے لگے تو پھر منش کی ایک نہیں چلتی،

ساری احتیاط اور تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ پھر وہی ہوا جو ضرغام کا خیال تھا۔ اس کے مرنے کے دس سال بعد تمہارے پتا روپ نگر گئے تو ان کے دشمنوں کو موقع مل گیا۔''

جوگیا کی باتیں میرے وجود کو سلگا رہی تھیں۔ ممکن ہے اس نے جو کچھ کہا تھا وہ درست ہو لیکن اس وقت میرا ذہن اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ میں اپنے والد کے تمام کاروبار اور کاروباری مصروفیات سے باخبر تھا۔ دوسری اہم بات جو میرے ذہن میں چبھ رہی تھی وہ ضرغام اور والد صاحب کی موت کے درمیان دس سال کا وقفہ تھا۔ میرا دل اس بات پر بھی کھٹک رہا تھا کہ جوگیا ایک ایک تفصیل سے باخبر ہونے کے باوجود مجھے بار بار ''سمے کا انتظار کرو'' کہہ کر ٹال جاتا تھا۔۔۔۔ ''آخر کیوں؟ اگر وہ میرا ہمدرد تھا۔۔۔۔ اگر اس کی طاغوتی قوتوں نے مجھے کار والے حادثے میں موت کے چنگل سے نجات دلائی تھی تو پھر وہ کھل کر تفصیل بتانے سے گریز کیوں کر رہا تھا؟''

''اپنے آپ کو الجھانے سے کیا ہوگا۔۔۔۔؟'' جوگیا نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کر کے لاپروائی سے کہا۔ ''جو بیت گیا سو بیت گیا، جو ہونے والا ہے اس پر نظر رکھو۔۔۔۔ جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو پھر ویاکل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔؟''

''جوگیا۔۔۔۔'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا تم مجھے میرے مرحوم والد کے دوسرے کاروبار کے متعلق کچھ نہیں بتاؤ گے؟''

''ہمارے درمیان اس پراسرار ہیپر ویٹ کی بات ہو رہی تھی جس میں ابھی تک کسی مُردہ بچے کی ایک زندہ آنکھ بند ہے۔'' جوگیا نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''مگر وہ اب میرے پاس نہیں ہے۔'' میں نے قدرے الجھ کر جواب دیا۔ پھر خواب میں نظر آنے والی تمام تفصیل ایک ہی سانس میں دہراتا چلا گیا۔ بچے کی کربناک آواز نے بھی یہی کہا تھا کہ میں اس خواب کو صرف جوگیا کو سنا سکتا ہوں، کسی اور کو نہیں۔

جوگیا نہایت سنجیدگی اور پوری توجہ سے میری باتیں سنتا رہا، اس کے چہرے کے تاثرات بار بار بدل رہے تھے۔ کبھی وہ غصے میں اپنے ہونٹ چبانے لگتا۔۔۔۔ کبھی اس کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ کھیلنے لگتی۔ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ میں نے آخر میں بچے کی آواز سن کر دونوں پجاریوں کے چونکنے اور اچھل کر میری جانب چھلانگ لگانے کی بات

کی تو جوگیا تلملا کر بولا۔

''تم نے ایک سنہرا موقع کھو دیا۔۔۔۔ اب مجھے نئے سرے سے کوئی جال بچھانا ہوگا۔''

''کون تھی وہ عورت؟'' میں نے دریافت کیا۔ ''بچے کی آواز سن کر پجاریوں کا چونکنا بھی میرے لئے حیرت انگیز ہے۔ جب وہ مجھے نہیں دیکھ سکے تو بچے کی آواز ان کے کانوں تک کس طرح پہنچ گئی۔۔۔۔؟ ہیپر ویٹ اب کہاں ہے؟ وہ پیغام کس کا تھا جو مجھے ہیپر ویٹ کے بجائے الماری میں ملا تھا پھر ایک شعلے نے لپک کر اسے بھی راکھ میں تبدیل کر دیا۔۔۔۔؟''

''ہیپر ویٹ کو میں نے ہٹا دیا۔ میں اگر ایسا نہ کرتا تو وہ ہمارے مشترکہ دشمنوں کے ہاتھ بھی لگ سکتا تھا۔ جو چٹ تمہیں ملی پھر جل کر بھسم ہو گئی وہ بھی میری شکتی کا چمتکار تھا۔'' جوگیا نے سنجیدگی سے کہا۔ ''جسے تم صرف رمیش کے نام سے جانتے ہو وہ سامنے آئے تو اس سے خوفزدہ ہونے کی کوشش مت کرنا، کھل کر بات کرنا۔ میں نے تمہیں دیوی دیوتاؤں اور ناگ بچھو کے جس تحفے سے داغا ہے وہ ہر موقع پر تمہاری حفاظت کرے گا۔ میری چھایا بھی تمہارے آس پاس ہی ہوگی۔ کسی بات کی چنتا مت کرنا۔''

''کیا تمہاری طرح رمیش کے بھی کئی نام ہیں۔۔۔۔؟'' میرے لہجے میں اس بار طنز کی ہلکی سی آمیزش بھی تھی۔

''جو کچھ تم نے سپنے میں دیکھا ہے اس کا ایک شبد بھی زبان پر مت لانا۔ اگر تم نے ایسا کیا تو میری شکتی بھی تمہاری کوئی سہائتا نہیں کر سکے گی۔ ہیپر ویٹ کے سلسلے میں بھی اپنی زبان بند ہی رکھنا ورنہ سارا کھیل چوپٹ ہو جائے گا۔'' اس نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے بڑے ٹھوس لہجے میں ہدایت کی۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رمیش تمہاری آواز کی نقل کر کے مجھے فاخرہ، منوالا یا کسی اور کے روپ میں دھوکا دے جائے؟''

''اب ایسا نہیں ہوگا۔۔۔۔ تم ناگ بچھو کا کوڈ (CODE) یاد کر لو۔ میں جس روپ میں بھی آؤں گا اسی کوڈ کا حوالہ دوں گا۔''

''تم نے عورت اور اس بچے کے بارے میں ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیا اس میں بھی تمہاری کوئی ذاتی مصلحت ہے؟'' میں نے آخری جملہ چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

''تمہیں جوگیا کی باتوں پر وشواس کرنا ہوگا ـــــ تمہارے پاس کیول اس کے اب کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔'' اس نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ پھر قبل اس کے کہ میں کوئی دوسری بات کرتا وہ یکلخت کسی چھلاوے کی طرح نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

میرے ذہن میں کلبلاتے کئی سوال تشنہ رہ گئے۔ میری پشت کو جہاں داغا گیا تھا وہاں ابھی تک سوزش ہو رہی تھی۔ میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر ایک دستی آئینے کی مدد سے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جہاں جلن ہو رہی تھی، وہاں معمولی سا کوئی نشان بھی موجود نہیں تھا۔ میں دوبارہ بستر پر نیم دراز ہو کر جوگیا کی لچھے دار باتوں پر غور کرنے لگا۔ خاص طور پر والد صاحب کے کسی دوسرے بیوپار والی بات رہ رہ کر میرے ذہن میں چبھ رہی تھی جس کے بارے میں نہ تو مجھے کوئی علم تھا نہ دفتر کے پرانے عملے کے کسی فرد نے اس کا ذکر کیا تھا۔ کاروباری دنیا میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو کسی بڑے کاروبار کی دیانت داری کی آڑ میں چھوٹے موٹے کئی دیگر کام بھی کرتے ہیں جس کا کوئی اندراج کسی ریکارڈ کی صورت میں موجود نہیں ہوتا۔ یہ محض انکم ٹیکس بچانے کی خاطر کیا جاتا ہے۔ مگر میں والد صاحب کی طبیعت اور ان کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اپنی ایمانداری اور خالص کاروباری اصولوں کی وجہ سے اپنے حلقے میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے اس لئے میں ان کے بارے میں ایسی لغو بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

وہ رات بڑی بے چینی سے گزری۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر بھی جوگیا کی کہی ہوئی باتوں کا اثر باقی تھا۔ فاخرہ کے سلسلے میں بھی مجھے پریشانی لاحق تھی۔ میں محض اپنی پسند اور پیار کی خاطر اس کی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹے ـــــ؟'' ماں نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تم کچھ گم صم سے نظر آ رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''میں سوچ رہا تھا کہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے دو چار ماہ کے لئے کہیں باہر چلا جاؤں۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''اتفاق بھی کیسے عجیب ہوتے ہیں۔'' ماں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ فاخرہ سے شادی کے بعد تم کو ہنی مون منانے کی خاطر ایک دو ماہ کے لئے کہیں باہر جانے کا مشورہ دوں گی۔''

ماں نے فاخرہ کا ذکر نکالا تو جوگیا کے کہے ہوئے جملے میرے ذہن میں نشتر بن کر چبھنے لگے۔

''رشید فاروقی کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟'' میں نے اپنے کاروبار کے عمر رسیدہ جنرل منیجر کا ذکر نکال کر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ ''کیا ان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ میری غیر موجودگی میں وہ سارا کام سنبھال لیں گے؟''

''کیوں نہیں ـــــ'' ماں نے بڑے یقین سے کہا۔ ''تمہارے والد بھی ان پر بے حد بھروسا کرتے تھے۔ میں بھی فاروقی صاحب کی شرافت اور ایمانداری کی گواہ ہوں۔ تم آنکھ بند کر کے ان پر اعتماد کر سکتے ہو۔''

''لیکن رشید صاحب نے مجھ سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ والد صاحب کوئی اور کاروبار بھی کرتے تھے۔'' میں نے ماں کو ٹٹولنے کی خاطر سرسری انداز میں کہا۔

''کوئی اور کاروبار ـــــ؟'' ماں نے حیرت سے مجھے گھورا۔ ''میں سمجھی نہیں کہ تم کس کاروبار کا ذکر کر رہے ہو ـــــ؟''

''میں نے پہلے آپ سے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا ـــــ'' میں نے بات بنانے کی خاطر کہا۔ ''دراصل میرے حادثے سے ایک ہفتہ قبل کسی نے مجھ سے فون پر اپنی رقم کا تقاضہ کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ ہمارے کسی نجی کاروبار میں وہ والد صاحب کے ساتھ پچیس فیصد کا شریک تھا اور ابھی تک اسے منافع کی مد میں ایک معقول رقم کی ادائیگی نہیں کی گئی۔ والد صاحب کی موت کی وجہ سے اس نے فوری طور پر کوئی مطالبہ مناسب نہیں سمجھا تھا۔''

''تم نے اسے کیا جواب دیا؟'' ماں نے خلاف توقع بڑے تجسس سے چونکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔ ''وہ کتنی رقم کا مطالبہ کر رہا تھا؟''

''اس نے ایک لاکھ پچھتر ہزار کا مطالبہ کیا تھا۔'' میں نے ایک فرضی رقم کا بہانہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ کو علم ہے کہ والد صاحب کوئی......''

''نہیں۔'' ماں نے تیزی سے کہا۔ ''تمہارے باپ کا کوئی دوسرا کاروبار نہیں تھا۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم اس کی مطلوبہ رقم اس کے حوالے کر دو۔''

''کیا مطلب ـــــ؟'' میں نے ماں کے جواب پر حیرت کا اظہار کیا۔ جب والد صاحب نے دوسرا کوئی کاروبار سرے سے کیا ہی نہیں تو رقم کی ادائیگی کا کیا سوال پیدا ہوتا

ہے؟‘‘

’’تم کو ابھی حالات اور وقت کا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔‘‘ ماں نے پہلو بدل کر بدستور سنجیدگی سے کہا۔ ’’اکثر شر پسند لوگ بڑے کاروباری افراد سے زبردستی رقم وصولنے کی خاطر اسی قسم کا بہانہ تراشتے ہیں۔‘‘

’’لیکن ——‘‘

’’جان کا صدقہ مال ہوتا ہے۔‘‘ ماں نے میری بات کاٹتے ہوئے تشویش بھرے انداز میں کہا۔ ’’اگر تم سے ایک ہفتہ قبل رقم کا کوئی مطالبہ کیا گیا تھا تو تمہیں پہلی فرصت میں مجھ سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔‘‘ ماں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ’’ہوسکتا ہے تم جس حادثے سے دوچار ہوئے ہو اس کی پشت پر بھی انہی بدمعاشوں کا ہاتھ رہا ہو۔‘‘

’’گویا آپ مجھ کو یہ حکم دے رہی ہیں کہ میں غنڈوں اور لفنگوں کو ان کی منہ مانگی رقم ادا کرتا رہوں۔‘‘ میں ماں کے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ’’اس طرح تو ان کی ہمت اور مطالبات اور بڑھ جائیں گے۔‘‘

’’بحث مت کرو دانش ——‘‘ ماں نے ہاتھ مسلتے ہوئے عجیب بے بسی کی کیفیت سے دوچار ہو کر مجھے مخاطب کیا۔ ’’مجھے تمہاری زندگی کاغذ کے چند ٹکڑوں سے زیادہ عزیز ہے —— اگر تم بھی نہ رہے تو......‘‘

ماں نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ پلکوں کی اوٹ سے ابلنے والے آنسوؤں کو دوپٹے کے آنچل سے پونچھتی ہوئی تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میرا ذہن پھر قلابازیاں کھانے لگا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ ماں میرے والد کی موت کے کسی اہم راز سے واقف ہیں —— جوگیا کی ’’دوسرے بیوپار‘‘ والی بات کی صداقت جاننے کی خاطر میں نے ماں کے سامنے کسی کے فون کرنے والی فرضی کہانی سنائی تھی اور ماں کی حالت غیر ہوگئی تھی۔ میرے وجود کے سناٹے میں گرم آندھیوں سے اُڑنے والے سنگریزے چبھنے لگے۔ میں ماں کی دل جوئی کی خاطر اٹھ کر ان کے کمرے میں گیا تو ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر دیکھ کر لرز اٹھا۔ ان کی نگاہوں میں دور کہیں خوف کی ایک کرن بھی ٹمٹما رہی تھی۔ میں نے لپک کر ماں کو اپنی کشادہ اور مضبوط باہوں کے حصار میں لے لیا۔

’’مجھے کچھ نہیں ہوگا امی جان۔‘‘ میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ’’موت اور زندگی خدا

کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کا حکم ہے تو میں فون کرنے والے کو اس کی مطلوبہ رقم ضرور پہنچا دوں گا۔‘‘

ماں میرا جواب سن کر مطمئن ہوگئی۔ اس نے پیار سے میرا چہرہ ہاتھوں کے درمیان تھام کر میری پیشانی پر ممتا کی مہر ثبت کر دی۔ مجھے زندگی اور سلامتی کی دعائیں دینے لگی۔ میں تادیر ماں کے پاس بیٹھا ان کی دل جوئی کرتا رہا۔ ان کی خوشی کی خاطر میں نے نہ چاہنے کے باوجود فاخرہ سے شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ ماں کے دل کو قرار آ گیا۔ شادی کی بات نے ان کے چہرے پر مسرتوں کے خزانے بکھیر دیئے۔ لیکن میرا اضطراب اور بڑھ گیا۔ والد صاحب کی موت کی گتھی سلجھنے کی بجائے اور الجھتی جارہی تھی ——!

دن بھر میں ماں کے ساتھ ساتھ رہا۔ شام کو ماں کی اجازت لے کر اپنے پرانے وفادار ڈرائیور کے ساتھ ماحول کی تبدیلی کی خاطر ساحل کی طرف چلا گیا۔ دانشوروں اور ماہرین طب کا خیال ہے کہ سمندر کا مدوجزر اور پانی کی سطح کو چھو کر چلنے والی ہوائیں انسان کے ذہن کو سکون پہنچاتی ہیں۔ میں ساحل کے ساتھ ساتھ نرم اور ٹھنڈی ریت پر چہل قدمی کرتا رہا۔ غروب ہونے والے سورج کا نظارہ تفریح کے لئے آنے والوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہوا کی نمی جسموں کو گدگدا رہی تھی۔ ہر فرد اپنے اپنے ذوق اور شوق کے مطابق مگن تھا۔ بچے آزادی کے ساتھ اِدھر اُدھر کھیل کود رہے تھے۔ میں ٹہلتا ہوا اپنی گاڑی سے تقریباً پچاس گز دور نکل گیا۔ جوگیا کی باتیں بدستور میرے ذہن میں تھوڑے وقفے کے بعد صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں۔ میں انہی خیالوں میں گم ٹہل رہا تھا جب کسی نے پشت سے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ میں اس طرح چونکا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ میں نے تیزی سے گھوم کر دیکھا تو میری سانسوں کی رفتار یکلخت تیز ہوگئی۔

وہ درمیانے قد اور چھریرے جسم کا مالک تھا، رنگ گندمی تھا۔ اس کے جسم پر قیمتی لباس نظر آ رہا تھا۔ جس انداز میں اس نے مجھے روکنے والی حرکت کی تھی وہ بھی دوستانہ ہی تھی لیکن اس کے گلے میں لپٹا ہوا مفلر میرے خون کی حدت اور گردش کو بتدریج تیز کر رہا تھا۔ میں نے اسے اس روز سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں سلامت خان یا رمیش کا وہ حلیہ ابھر آیا جو مرحوم گلزار خان نے مجھے روپ نگر میں قیام کے دوران بتایا تھا۔ رمیش نے چار دن کی جو مہلت مانگی تھی وہ بھی پوری ہو رہی تھی۔ اس

کے ہونٹوں پر کھیلنے والی معنی خیز مگر مکروہ مسکراہٹ بھی اس بات کی چغلخوری کر رہی تھی کہ وہی میرا مطلوبہ شخص تھا۔ جس انداز میں وہ مجھے گھور رہا تھا اس میں بھی برتری اور طاقت کے گھمنڈ کا احساس چھلک رہا تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

''تم ـــ'' میں نے اسے سپاٹ لہجے میں مخاطب کیا۔ ''تم شاید وہی ہو جو میں سمجھ رہا ہوں؟''

''ہاں ـــ'' وہ زہرخند سے بولا۔ ''تم نے ٹھیک پہچانا۔ میں وہی ہوں جس کے بارے میں تمہیں روپ نگر میں گلزار خان نے بتایا تھا۔ پرنتو وہ مورکھ اب اس دھرتی پر نہیں رہا، پرلوک سدھار گیا۔ تمہیں وشواس نہیں آتا تو میں مفلر ہٹا کر گردن کا وہ گھاؤ بھی دکھا سکتا ہوں جو میری پہچان ہے۔''

''تمہارا نام رمیش ہے ـــ؟'' میں نے خود کو سنبھال کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں ـــ'' اس نے دیدہ دلیری سے جواب دیا۔ ''ذات کا چمار ہوں ـــ چمار نہ ہوتا تو سفلی کے جان لیوا عمل کا ماہر نہ ہوتا۔''

''تم نے فرزارد میں اپنے آپ کو سلامت خان کے نام سے بھی مشہور کر رکھا تھا ـــ؟''

''نام کی بات چھوڑو ـــ کام کی بات کرو۔'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''میں اپنے دیئے ہوئے وچن کے انوسار تمہارے روبرو کھڑا ہوں۔ تم نے یہی شرط رکھی تھی نا ـــ؟''

''میرے باپ کے قتل میں تمہارا کیا کردار تھا ـــ؟'' میں نے اسے حقارت سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''سوت کے کچے دھاگے پر وہ جیو دھاری (جان لیوا) عمل میں نے ہی کیا تھا جو تمہارے پتا کے شریر کا سارا خون پی گیا تھا۔'' اس نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا پھر بولا۔ ''اور کیا جاننا چاہتے ہو ـــ؟''

''میرے باپ نے تمہارا کیا بگاڑا تھا ـــ؟'' میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی نہ کوئی کارن تو اوش ہوگا۔'' اس کے لہجے میں تکبر تھا۔ ''بلا کارن کے کون کسی کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے۔''

''تمہارے ناپاک اور گندے ارادوں کے پیچھے کوئی ذاتی دشمنی تھی یا کسی دشمن نے تمہیں منہ مانگی قیمت دے کر خریدا تھا؟''

''میں نے تم سے فون پر کہا تھا کہ جو بیت گیا اسے اپنی بدھی سے نکال دو۔ جو ایک بار اوپر چلا گیا وہ دوبارہ پلٹ کر دھرتی پر نہیں آتا۔ تمہارے دھرم کرم کی پستکوں (کتابوں) میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ پھر بال کی کھال نکالنے اور گڑے مُردے اکھاڑنے سے کیا پراپت ہوگا؟'' وہ شانے اچکاتے ہوئے بولا۔ ''تم نے دوبدو بات کرنے کی شرط رکھی تھی، میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے اپنا دیا ہوا وچن پورا کر دیا۔ اب تمہاری باری ہے ـــ''

''تم مجھے روپ نگر سے دور کیوں رکھنا چاہتے ہو ـــ؟'' میں نے اس کے جواب کے تلخ زہر کو برداشت کرتے ہوئے سوال کیا۔

''کیوں اور کیسے کی باتیں چھوڑو دانش جی۔'' اس بار اس نے کسی سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ ''تم پڑھے لکھے شریف آدمی ہو، اجلے تن کے مالک ہو، گند میں پتھر پھینکو گے تو اس کی چھینٹیں تمہارے اوپر بھی ضرور آئیں گی۔'' وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے تلخ انداز میں بولا۔ ''میں نیچ ذات آدمی ہوں، میرے ساتھ الجھو گے تو جو کچھ بچا ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ تمہاری مکتی اسی میں ہے کہ میرا کہا مان لو۔ روپ نگر کا دھیان اپنے من سے ہمیشہ کے لئے نکال دو ـــ اور وہ باتیں بھی جو تم سے گلزار خان یا کشمیر امپوریم پر اس مورکھ بوڑھے کی بھٹکتی آتما نے کی تھیں جو اپنے کیے کی سزا بھوگ چکا ہے۔''

''تم شاید ضرغام کی بات کر رہے ہو ـــ؟'' میں نے رمیش کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔ مجھے کوئی آخری فیصلہ کرنے کی خاطر کچھ وقت درکار تھا۔ میرے ذہن میں جوگیا کی پراسرار شخصیت بھی کلبلا رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں رمیش کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی حماقت بھول کر بھی نہ کروں۔ یہ بھی یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ میری پشت کو ''ناگ چھو'' کی مہر سے داغ کر جو تحفظ فراہم کیا ہے اس کے حصار کو رمیش کی طاغوتی قوتیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی ـــ یہ بھی کہا تھا کہ میں رمیش سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اس سے کھل کر باتیں کروں، اس کی پرچھائیں آڑے وقتوں میں میرے آس پاس ہی کہیں منڈلا رہی ہوگی ـــ مجھے جوگیا کی باتوں کی تصدیق بھی منظور تھی۔

''ہاں ــــــ'' رمیش نے جواب دیا۔ ''میں تمہارے پتا کے اسی متر کی بات کر رہا ہوں جو بہت اچھل کود کر رہا تھا۔ اس مورکھ کو بھی بڑا گھمنڈ تھا اپنے اثر و رسوخ پر ــــــ وہ چنڈال ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی بھول کر رہا تھا۔ میں اسے ڈھیل دیتا رہا، تھپکی لگاتا رہا۔ پرنتو جب بیچ لمبی ہوگئی تو میں نے ڈور کھینچ کر اسے بھی کنے سے ایسا کاٹا کہ پولیس آج تک کوئی کھوج نہیں لگا سکی۔ تمہارے پتا کے ساتھ کیا ہوا ــــــ؟'' اس نے تضحیک آمیز نظروں سے مجھے گھورا۔ ''قانون کے رکھوالے مجھے بھی شبہے میں اٹھا لے گئے تھے۔ سب سے زیادہ مار کٹائی بھی میرے ساتھ کی گئی لیکن نتیجہ ڈھاک کے تین پات کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ تنگ آ کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں چاہتا تو اپنے کالے علم سے انہیں بھی تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ ان کی آنکھوں میں ڈھول جھونک کر نکل جاتا تو پھر بات بڑھ جاتی۔'' اس نے سانس لے کر کہا۔ ''اب تم بھی بات لمبی کرنے کی بھول مت کرو ــــــ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟''

''میں سن بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں۔'' میں نے اس بار درشت انداز اختیار کیا۔

''اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں تو ــــــ؟''

''انکار کرنے سے پہلے ایک بار پھر سوچ وچار کر لو ــــــ'' اس نے پھر میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔ ''کیا تم کسی چھایا کے ساتھ پنجہ لڑانے کی شکتی رکھتے ہو ــــــ؟''

''نہیں ــــــ'' میں دبنگ آواز میں بولا۔ ''لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ موت اور زندگی عطا کرنے کی قوت صرف اور صرف خدا کے اختیار میں ہے ــــــ انسان صرف ڈینگیں مار سکتا ہے۔''

''کیا تم نے کیول یہی بتانے کے لئے مجھ سے درشن دینے کی شرط باندھی تھی؟'' اس کا جواب معنی خیز تھا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی قوتوں کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔ وہ مجھے اپنی کالی طاقتوں سے مرعوب کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔

''میری ایک بات کا جواب دو گے ــــــ؟''

''پوچھو ــــــ''

''میری جگہ اگر تم ہوتے تو کیا تم اپنے باپ کے قاتل یا قاتلوں کو معاف کر دیتے؟''

''میں تمہارا بھاشن یا اپدیش سننے نہیں آیا۔'' وہ کسی زخمی درندے کی طرح بل کھا کر

سفاک انداز میں بولا۔ ''مردوں کی طرح کھل کر صاف صاف بات کرو ــــــ میرے ساتھ چھل کپٹ سے کام لینے کی بھول کی تو تمہارا انت ضرغام اور کبیر احمد سے بھی ادھک بھیانک ہوگا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہی طاقت مجھے پھر بچا لے جس نے کار والے ہولناک حادثے میں میری جان کی حفاظت کی تھی۔'' میں نے جوگیا کی بات یاد کرتے ہوئے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

رمیش میرا جواب سن کر ایک لمحے کو چونکا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی دوچند ہوگئی۔ مجھے اس کی نگاہیں اپنے وجود میں چبھتی محسوس ہوئیں ــــــ وہ اپنی شیطانی قوتوں کو بروئے کار لا کر میری کہی ہوئی بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جب جوگیا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''تم نشچنت (بے فکر) ہو جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اپنی زبان پر قابو رکھنا۔ بھول سے کوئی ایسی بات مت کرنا کہ کھیل چوپٹ ہو جائے۔ جو پانسہ بھی پھینکنا، سوچ سمجھ کر پھینکنا۔''

''کیا میں رمیش کی شیطانی اور کالی قوتوں کے سامنے قدم جما سکوں گا؟'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''تم اپنے دھرم کے پرماتما پر وشواس رکھو۔ جس کی بھگتی میں کوئی کھوٹ نہ ہو وہ اسے کبھی نراش نہیں کرتا۔''

''مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ لیکن کہیں میرا اور رمیش کا ٹکراؤ میری ماں یا فاخرہ کے لئے ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔'' میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ ''ضرغام اور گلزار خان بھی بے گناہ مارے گئے ہیں۔''

''کوئی چنتا مت کرو ــــــ'' جوگیا نے ٹھوس آواز میں کہا۔ ''میں ہوں نا تمہارے ساتھ ــــــ''

''جو ایک بار گند کھا لے پھر اس کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا۔'' رمیش مجھے قہر آلود نظروں سے گھورتے بولا۔ ''تم جس شکتی کی بات کر رہے ہو اس کا میری ذات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تمہارا کار حادثے سے بچ جانا ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔ میری بات مان لو، سپنے

دیکھنے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہو گا ـــــ میرے ساتھ ناتا جوڑ لو، اسی میں تمہاری مکتی ہے، دور کی سوچو گے تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔"

"رمیش ـــــ" میں نے پہلی بار اسے للکارا۔ "تم مجھے جو دھمکی دے رہے ہو اس کی پشت پر تمہاری گندی ذہنیت کا دخل زیادہ ہے۔ طاقت کے گھمنڈ میں تم شاید اس حقیقت کو بھول رہے ہو کہ دنیا کی ہر شے فانی ہے۔ ایک دن جب موت کا چنگل تمہاری پتلی گردن کے گرد اپنا شکنجہ سخت کرے گا تو تم بھی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر دم توڑ دو گے ـــــ کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا؟"

"پہلے نہیں کیا تھا پرنتو اب پورے دھیان سے دیکھ رہا ہوں کہ موت کی چھایا تمہارے سر پر منڈلا رہی ہے۔" اس نے بڑی رعونت سے جواب دیا۔ "مجھے سیدھی انگلی سے گھی نکلتا نظر نہیں آ رہا۔ کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہیں دو چار رگڑے دے کر اپنی بات سمجھانے کی کوشش کروں ـــــ؟"

"تم نے کہا تھا کہ فاخرہ کے ساتھ....."

"باتوں میں الجھانے کا خیال من سے نکال دو۔" وہ مجھے حقارت سے گھورنے لگا۔ "سیدھی طرح صرف میری بات کا جواب دو۔ کیا تم روپ نگر کی کہانی کا پیچھا کرنے سے باز نہیں آؤ گے؟"

"نہیں ـــــ" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا تو رمیش کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس کی آنکھوں میں گندی قوتوں کا رقص اور تیز ہو گیا۔ اس کی خونخوار نظریں میرے دل و دماغ کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھیں۔ کچھ دیر وہ سینہ تانے کھڑا مجھے نگاہوں نگاہوں میں تولتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"کیا تم اس سے میری مہان شکتی کا کوئی چمتکار دیکھنا پسند کرو گے؟"

"میں یہاں کھیل تماشہ کرنے نہیں، تم سے دوٹوک فیصلہ کرنے کی غرض سے آیا تھا۔"

میں نے اس کے کمزور جملے کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر جواب دیا تو اس کے چہرے پر دنیا جہان کی خباثتیں نظر آنے لگیں۔ اس کی آنکھیں کسی الاؤ کی طرح روشن ہو گئیں جس میں خوفناک شعلے بھڑکتے نظر آ رہے تھے۔ جس انداز میں اس کی نظریں جھپکے بغیر میرے وجود پر جمی تھیں اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنے کے سلسلے

میں غور کر رہا تھا۔

ضرغام، گلزار خان اور میرے بے گناہ ڈرائیور کو اپنی کالی قوتوں کا نشانہ بنانے کے بعد اس کو شاید اس بات کی امید نہیں تھی کہ میں کسی مزاحمت کی جرأت کر سکوں گا۔ اس کا خیال ایک حد تک درست بھی تھا۔ اولاد ہونے کی حیثیت سے میرا فرض تھا کہ اپنے باپ کے قاتلوں کا کھوج لگا کر انہیں قانون کے حوالے کروں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ میں کسی بھی قیمت پر کم از کم اپنی ماں کو اپنی ضد پر قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رمیش نے مجھے یہی دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے روپ نگر سے شروع ہونے والی کہانی کی بکھری ہوئی کڑیاں جوڑنے کی حماقت کی تو میری ماں کی زندگی بھی اس کی پلید قوتوں کی زد میں آ جائے گی۔ خود میں نے بھی سوچا تھا کہ ماں کی زندگی بچانے کی خاطر میں وقتی طور پر باپ کی موت کے زخم کو سینے کی گہرائیوں میں دفن کر لوں گا لیکن جوگیا کے درمیان میں آ جانے کے بعد میری ہمت بڑھ گئی تھی۔ میں اس خیال کی کوئی وضاحت نہیں کر سکوں گا کہ میں نے جوگیا کی باتوں پر کیوں کر اعتماد کر لیا تھا ـــــ رمیش کی طرح بظاہر وہ بھی پراسرار اور ناقابل یقین قوتوں کا مالک تھا، دل کی گہرائیوں میں جھانک سکتا تھا، آنکھ بند کر کے سمندر کی گہرائیوں تک غوطہ لگا سکتا تھا، آنے والے وقتوں کے بارے میں پیش گوئی کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میرے دفتر میں آ کر اس نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے ششدر کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے کئی ناموں سے جانا پہچانا جاتا ہے لیکن میں اسے جوگیا کے نام سے یاد رکھوں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ جوگیا نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ کئی صنعتوں کا مالک ہے۔ دبی زبان میں اس نے ان باتوں کے بارے میں بھی بہت کچھ بتا دیا تھا جو روپ نگر میں میرے مشاہدے میں آ چکی تھیں۔ اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ اگر اس نے بروقت رمیش کی کالی قوتوں کا توڑ نہ کیا ہوتا تو ڈرائیور کے ساتھ ساتھ میں بھی کار والے حادثے میں گوشت کے لوتھڑوں میں تقسیم ہو کر موت کی وادیوں میں گم ہو جاتا۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ رمیش نے مجھے مارنے کی کوشش کیوں کی تھی؟ اس خبیث نے میرے دل و دماغ میں ابھرنے والے ان خیالات کو پڑھ لیا تھا جو منوالا کے اپارٹمنٹ سے واپسی پر میرے وجود کے ڈھانچے میں کلبلا رہے تھے۔

گزشتہ رات جوگیا نے اپنے کہنے کے مطابق دیوی دیوتاؤں کے کسی انمول تحفے "ناگ بچھو" کے ڈنک سے میری پشت داغ کر اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ اب رمیش تحفظ کے اس حصار کو نہیں توڑ سکے گا جو اس نے میرے گرد قائم کیا تھا۔ اس وقت بھی جب میں ساحل پر رمیش کے سامنے کھڑا تھا، جوگیا کی مانوس آواز ہی نے مجھے حوصلہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں رمیش سے خوفزدہ ہونے کی غلطی نہ کروں، کھل کر بے خوف انداز میں ترکی بہ ترکی جواب دوں۔

جوگیا کیوں میری پشت پناہی کر رہا تھا؟ روپ نگر سے شروع ہونے والی کہانی میں اس کا کیا کردار تھا؟ ــــ وہ کس حد تک ملوث تھا؟ یہ باتیں میرے ذہن کو ہمیشہ الجھاتی رہی تھیں۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی بار بار ابھرا تھا کہ اگر وہ لامحدود قوتوں کا مالک تھا تو رمیش کی براہِ راست گوش مالی کرنے کی بجائے میری ذات کا سہارا کیوں لے رہا تھا؟ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود نہ جانے کیوں میں نے اس کی بات مان کر رمیش کو للکارنے میں کسی پس و پیش کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں جوگیا کی باتوں کی صداقت بھی آزمانا چاہتا تھا اور یہ بھی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ رمیش کی کالی اور ناپاک قوتوں کے مقابلے پر کس حد تک وہ میرا ساتھ نبھائے گا۔

ساحل پر لوگوں کی موجودگی میں رمیش میرے ساتھ دست و گریبان ہونے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن جن نگاہوں سے وہ مجھے گھور رہا تھا اس میں ان جنگلی آدم خور درندوں کی درندگی ضرور موجود تھی جو اپنے شکار کو پھاڑ کھانے کا فیصلہ کر لینے کے بعد مصلحتوں پر غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ میں اپنی جگہ قدم جمائے کھڑا تھا۔

"مجھے تمہارے اوپر دیا بھی آ رہی ہے اور غصہ بھی۔" رمیش نے طویل خاموشی کے بعد ایک بار پھر سرسراتے لہجے میں کہا۔ "منش کے لئے اس دھرتی پر اپنے جیون سے زیادہ سندر کوئی اور چیز نہیں ہوتی اور تم ــــ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کی بھول کر رہے ہو۔ اب بھی سمے تمہارے ہاتھ سے نہیں نکلا، ایک بار پھر سوچ لو ــــ شیر اور بکری کا کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر کبھی کبھی چیونٹی بھی ہاتھی کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔" میں نے نڈر انداز میں جواب دیا۔

"تم ــــ" رمیش غصے کی شدت سے تھرتھرانے لگا۔ "تم رمیش سے پنجہ لڑانے کی بات کر رہے ہو ــــ؟"

"میں اب بھی پہل نہیں کروں گا۔" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "پہلے بھی کہانی کی ابتدا تم نے کی تھی مگر ایک بات کان کھول کر سن لو، میں اپنے باپ کے قاتلوں کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں کروں گا۔"

"بڑے اونچے سُروں میں بات کر رہا ہے مورکھ۔" وہ گھٹیا باتوں پر اتر آیا۔ "مجھے بھی بتا دے کہ کس کے کھونٹے پر اچھل رہا ہے؟"

"میں تمہاری بیہودگی کا برا نہیں مانوں گا اس لئے کہ تم بتا چکے ہو کہ تمہارا تعلق نیچ ذات چماروں سے ہے۔"

میرا جواب سن کر رمیش آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں بھڑکتے شعلوں کا رقص اور تیز ہو گیا۔ میری بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ ایک لمحے تک وہ خونخوار نظروں سے گھورتا رہا، پھر اس نے اپنے گلے میں لپٹا ہوا مفلر کھولا تو ناقابل برداشت بدبو کا ایک بھبکا میرے دل و دماغ کو پراگندہ کر گیا۔ اس کی گردن پر بائیں جانب نظر آنے والا زخم ناسور کی شکل اختیار کر چکا تھا جس میں مکھی کے برابر سیاہ اور سفید موٹے کیڑے بج بجا رہے تھے۔

مجھے بڑی شدت سے ابکائی آنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دن بھر کا کھایا پیا پل بھر میں نکل جائے گا۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ اس نے خود کو رمیش تسلیم کر لینے کے بعد گردن کے اس زخم کی رونمائی کی کیا ضرورت محسوس کی تھی جو اس کی سب سے بڑی پہچان تھی۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ ابھی تک اس کے پاس سے گزرنے والا کوئی بھی فرد ہماری جانب متوجہ نہیں ہوا تھا۔ میں ابھی رمیش کی اس جنونی حماقت کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جب اس نے نہایت اطمینان سے اپنے سڑتے ہوئے تعفن زدہ زخم سے ایک کیڑے کو چٹکی میں دبا کر باہر نکالا۔ اس کی شعلہ بار نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"مسلے ــــ" اس نے بڑی حقارت سے کہا۔ "تو اپنے پتا کی موت بھول گیا۔ میرے عمل سے ایک کچا دھاگا اس کے شریر کا سارا خون چٹ کر گیا تھا، تو کس کھیت کی مولی ہے۔ مکتی چاہتا ہے تو اب بھی میرے چرن چھو کر معافی کی بھیک مانگ لے ورنہ میں تجھے کسی

خارش زدہ کتے کی طرح جیون بتانے پر مجبور کر دوں گا۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بدستور غلیظ انداز میں کہا۔ ''میرے گردن کے اس زخم کو دیکھ رہا ہے ـــــ یہ اس مہان شکتی کا خزانہ ہے جسے پانے کے لئے میں نے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔ اس پونجی کو حاصل کرنے کے کارن میں نے جیون میں کئی بار موت کا سامنا کیا ہے، طوفانوں سے ٹکرایا ہوں، تجھ جیسے نہ جانے کتنے ہٹے کٹے نوجوانوں کو کالی کے نام پر بھینٹ چڑھایا ہے، کتنا بلیدان دیا ہے ـــــ تجھے یہ جو کیڑے نظر آ رہے ہیں یہ میرے وہ انمول اور خطرناک ہتھیار ہیں جو کسی بھی دشمن کو پل بھر میں موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ تو نے ابھی کہا تھا تو یہاں کھیل تماشے دیکھنے نہیں آیا پرنتو میں تجھے ایسا چمتکار دکھاؤں گا کہ تیری آتما بھی میرے سامنے ڈنڈوت کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔''

میرے کوئی جواب دینے کی نوبت نہ آسکی، میں سمجھ رہا تھا کہ شاید وہ نیچ ذات کا چمار مجھ سے کوئی بھونڈا مذاق کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا اس نے میری عقل بھی خبط کر دی۔ رمیش نے بڑی لاپرواہی سے چٹکی میں دبے ہوئے کیڑے کو زمین پر اچھال دیا۔ وہ زمین سے ٹکرایا تو ایک خوفناک دھماکا اس قدر شدت سے ہوا کہ دور دور تک زمین لرز اٹھی، میں ربڑ کی گیند کی مانند اچھل کر دور جا گرا۔ اور بھی متعدد افراد اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے۔

ساحل پر بھگدڑ مچ گئی۔ عورتوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا، بچے سہم کر رونے لگے، ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہر شخص منہ اٹھائے جان بچانے کی خاطر بھاگ رہا تھا۔ کئی گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ شور و غل سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ ساحل پر گشت کرنے والی پولیس پارٹی بھی بوکھلا گئی۔

دھماکہ کیسے ہوا ـــــ؟ کس نے کیا؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ہر شخص سراسیمگی کی کیفیت سے دوچار تھا۔ میرا لباس بھیگی ہوئی ریت پر گرنے سے خراب ہو چکا تھا البتہ زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔ میں سنبھل کر دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ دھماکے کی جگہ سے اٹھنے والا گرد و غبار کم ہوا تو میں نے رمیش کو دیکھا جو اپنے زخم کو دوبارہ مفلر سے چھپا چکا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی زہریلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ہماری نظریں چار ہوئیں تو اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''میں تجھے دو روز کی مہلت اور دیتا ہوں۔ اس کے بعد بھی تو نے اگر میرا کہنا نہ مانا تو پتا کے بعد تیری ماں کا سایہ بھی تیرے سر سے اٹھ جائے گا۔ بعد میں تیرا نمبر بھی آسکتا ہے۔ اب جو فیصلہ بھی کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا ورنہ تجھے پچھتانے کا سمے بھی نہیں ملے گا۔''

وہ میرے جواب کا انتظار کئے بغیر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پولیس والے مشکوک افراد سے دھماکے کی پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ دوسروں کی طرح میں نے بھی دیدہ و دانستہ اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل سے گاڑی کی طرف قدم اٹھا رہا تھا جب میرا بوڑھا ڈرائیور گاڑی لے کر از خود میرے قریب آ گیا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تو اس نے میرے حلیے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''صاحب ـــــ آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی ـــــ؟''

''نہیں ـــــ'' میں نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ ''مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔''

''اب تو کھلے عام دہشت گردی کی وارداتیں ہونے لگی ہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔'' بوڑھے ڈرائیور نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری عقل بھی گنگ ہو رہی تھی۔ زخم کے کسی کیڑے سے ہونے والے اس ہولناک دھماکے نے میرے جسم کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ شاید وہ کالے علم کا کوئی چمتکار تھا جس کا مظاہرہ مجھے مرعوب کرنے کی خاطر کیا گیا تھا۔ لیکن مجھے اپنی ذات سے زیادہ ماں کی فکر لاحق تھی۔ رمیش نے مجھے صرف دو روز کی مہلت دی تھی۔ اس نے واشگاف لفظوں میں مجھے وارننگ دی تھی کہ اگر میں نے دو روز کے اندر اس کی بات نہ مانی تو پھر اس کی پلید قوتیں میری ماں کا سایہ بھی میرے سر سے چھیننے میں کوئی دریغ نہیں کریں گی۔ ایک بار بارود کو چنگاری لگ جائے یا جنگ کا فلیتہ آگ پکڑ لے تو پھر دھماکے دھوئیں کا سلسلہ آسانی سے ختم نہیں ہوتا۔ خوف اور دہشت کے بادل برسوں سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں، انسانوں کا سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

مجھے بھی آنے والے کل کے خدشات مضطرب کر رہے تھے۔ رمیش سفلی کا ماہر تھا، گندی قوتوں کا مالک تھا۔ اس نے اب تک جو وارداتیں کی تھیں پولیس ان کا کوئی سراغ نہیں لگا سکی تھی۔ ضرغام کے نوجوان بیٹے نے جو اپنی زبان بند کر رکھی تھی اس کے پیچھے بھی کسی

خوف یا خطرے کا دخل ضرور رہا ہوگا۔ گلزار خان نے رمیش کی شناخت کا ذکر کیا تھا، وہ بھی راستے سے ہٹا دیا گیا۔ میرا تجربے کار ڈرائیور بھی حادثے کا شکار ہوا۔ جوگیا کے کہنے کے مطابق اگر وہ بروقت میری مدد نہ کرتا تو میں بھی موت کی ابدی نیند سو چکا ہوتا۔ میرے باپ کی موت کا معمہ ابھی حل نہیں ہو سکا تھا۔ دوسروں کے علاوہ میری ماں نے بھی اپنی زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔ میرا دل کہتا تھا کہ وہ کسی اہم راز سے ضرور واقف ہوں گی۔ لیکن میری زندگی کی خاطر انہوں نے وہ راز اپنے سینے میں دفن کر رکھا تھا۔ شوہر کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد وہ نوجوان بیٹے کی زندگی سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتی تھیں اور میں ـــــ باپ کے قاتلوں کی تلاش کی ضد میں رمیش سے ٹکرانے کی ٹھان کر ماں کی زندگی کو بھی داؤ پر لگا بیٹھا تھا۔ رمیش کے ہتھے سے اکھڑ کر بے قابو ہو جانے کی صورت میں فاخرہ بھی اس کے عتاب کا شکار ہو سکتی تھی۔ میرا نمبر شاید سب سے آخر میں آتا ـــــ ایک ایک کر کے سارے مہرے پٹ جاتے تو باقی کیا رہ جاتا ـــــ؟"

میرے ذہن میں گرم آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ مجھے ساحل پر ہونے والے دھماکے کے بعد اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ میں نے شاید جوگیا کی بات پر عمل کر کے کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ رمیش نے بھی غالباً ٹھیک ہی کہا تھا کہ گڑے مُردے اکھاڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری کوششوں سے اگر مفرور قاتل پکڑ لئے جاتے، قانون انہیں پھانسی کے پھندے پر بھی لٹکا دیتا تو مجھے کیا حاصل ہوتا؟ باپ کا سایہ سر پر واپس تو نہیں آ سکتا تھا البتہ دشمنی کی جڑیں اندر ہی اندر دور تک پھیلتی چلی جاتیں۔ انتقام کی آگ دلوں میں سلگتی رہتی۔ جب بھی کسی ایک فریق کو موقع ملتا وہ دوسرے فریق کے کسی عزیز کی جان لے کر خوشیاں مناتا۔ موت اور زندگی، قتل و غارت گری کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتا۔

رمیش نے مجھے اپنی طاقت کا کرشمہ دکھانے کے بعد صرف دو دن کی مہلت دی تھی۔ مجھے ان دو دنوں میں ایک اہم اور حتمی فیصلہ کرنا تھا۔ یا تو میں اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اپنی شکست اور بزدلی قبول کر لیتا یا پھر اپنی انا کی تسکین کی خاطر اپنی زندگی کی ساری خوشیاں داؤ پر لگا دیتا۔ میں ابھی اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کار کی پچھلی نشست پر میں تنہا نہیں ہوں، میرے ساتھ کوئی نادیدہ شخصیت اور بھی موجود ہے۔

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" جوگیا کی مانوس آواز میرے کان میں گونجی۔ "تمہارے ساتھ ناگ بچھو بھی موجود ہے۔" اس نے مخصوص کوڈ ادا کر کے مجھے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ وہ جوگیا کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ "کس وچار میں جان ہلکان کر رہے ہو؟" اس نے گہری سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ "کیا تمہیں جوگیا کی باتوں پر وشواس نہیں رہا؟ یا رمیش کی طاقت دیکھ کر اس سے خوفزدہ ہو گئے ـــــ؟"

"مجھے اپنی نہیں ـــــ اپنی ماں اور فاخرہ کی فکر پریشان کر رہی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں جواب دیا۔

"پھر ـــــ کیا فیصلہ کیا ـــــ؟" اس نے سپاٹ لہجے میں دریافت کیا۔

"فیصلہ کرنے کے لئے ابھی میرے پاس دو دن کی مہلت باقی ہے۔" میں نے کسمسا کر کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ـــــ؟ کیا رمیش کی بات مان لینے کے بعد تمہارے سر سے خطرے ٹل جائیں گے؟"

"کیا مطلب ـــــ؟" میں چونکا۔

"ضرغام اور تمہارے پتا کی موت سے جو کہانی شروع ہوئی ہے، ابھی اس کا انت نہیں ہوگا۔ تم ان باتوں کی گہرائی نہیں جان سکتے پرنتو جوگیا کی آنکھیں سوتے سے بھی کھلی رہتی ہیں۔ میں چاروں اور (چاروں سمت) دیکھنے کی شکتی رکھتا ہوں۔ وہ پاپی جو چالیں چل رہا ہے تم اس کی تھاہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ایک بات دھیان سے سن لو، تم نے اگر اس کا کہا مان لیا تو زیادہ گھاٹے میں رہو گے۔"

"کیا تم میری طرح میری ماں کو بھی کوئی ایسا تحفظ فراہم کر سکتے ہو جس سے وہ رمیش کی خباثتوں سے محفوظ رہ سکے؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"تم جوگیا کا امتحان لینا چاہتے ہو ـــــ؟"

"نہیں ـــــ" میں نے جلدی سے وضاحت کی۔ "اگر تم نے حوصلہ نہ دیا ہوتا تو شاید میں رمیش سے نظریں ملا کر باتیں کرنے سے گریز ہی کرتا لیکن میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ میری کسی غلطی کا خمیازہ میری ماں کو بھگتنا پڑے۔"

"منش جیون میں جو پاپ کرتا ہے اس کی سزا اسے کسی نہ کسی روپ میں اوش بھوگنی

پڑتی ہے۔" جوگیا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا پھر فوراً ہی اس کا انداز بدل گیا۔ "میں تمہاری دبدھا دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں۔ تمہارے من میں جو ہلچل مچی ہے وہ بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ لیکن ایک بار فیصلہ کرلو کہ تم جوگیا کے اشارے پر چلو گے یا اس پاپی کا کہا مانو گے جو تمہارے ساتھ ناٹک کر رہا ہے، چھل کپٹ سے تمہارے پورے پریوار کو نشٹ کرنے کی ٹھان بیٹھا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ دشٹ اپنے کہنے کے انوسار دو روز بعد پھر تم کو ڈرانے دھمکانے آ جائے۔ اس سے ڈرنے کی بھول نہ کرنا۔"

"تمہارا اور رمیش کا کیا تعلق ہے؟" میں غیر اختیاری طور پر وہ سوال کر بیٹھا جو میرے ذہن میں بارہا کلبلا چکا تھا۔

"تم ابھی اپنی ماں کے جیون کی رکشا کی بات کر رہے تھے۔" اس نے میرا سوال نظر انداز کرتے ہوئے ٹھوس آواز میں کہا۔ "مارنا جلانا بھگوان، ایشور اور پرماتما کے اختیار میں ہے۔ میں تمہیں کیول اس بات کا وشواس دلا سکتا ہوں کہ رمیش کی پلید شکتی تمہاری ماں کی موت کا کارن نہیں بن سکے گی لیکن اس کے لئے بھی ایک شرط ہوگی۔"

"وہ کیا ___؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"اپنی ماں سے کہنا کہ وہ دس چندرما کے ابھرنے اور ڈوبنے تک گھر سے باہر قدم نہ رکھے۔"

"ٹھیک ہے ___ میں کوشش کروں گا کہ ماں کو کسی طرح دس بارہ روز تک صرف گھر کی چہار دیواری تک ہی محدود رکھوں۔"

"ایک بات اور سن لو ___" اس نے اس بار کھردرے اور خشک لہجے میں کہا۔ "اب کبھی اپنے من میں جوگیا کی طرف سے میل لانے کی بھول مت کرنا ورنہ میرا اور تمہارا سمبندھ ٹوٹتے دیر بھی نہیں لگے گی ___ اب میں جا رہا ہوں۔ میری کہی ہوئی باتوں کا دھیان رکھنا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر کو نشست سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ میرے ذہن کو سکون کی شدید ضرورت تھی ___!!

اس خیال سے کہ کہیں بوڑھا ڈرائیور ماں کے سامنے ساحلی علاقے پر پیش آنے والے دھماکے کا ذکر نہ کر دے میں نے اسے زبان بند رکھنے کی تاکید کر دی تھی۔ ہر چند کہ جوگیا کی باتوں سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ رمیش کے مقابلے میں میری مدد کرے گا لیکن مجھے ماں کی زندگی ہر قیمت پر منظور تھی۔ مجھے فاخرہ بھی عزیز تھی جس کے سلسلے میں دو پراسرار قوتوں نے میرا سکون برباد کر رکھا تھا۔ رمیش کا کہنا تھا کہ میری اور فاخرہ کی شادی کامیاب ہوگی جبکہ جوگیا نے صاف صاف لفظوں میں یہ شرط عائد کی تھی کہ اگر میں نے اپنے باپ کے قاتل کا سراغ لگائے بغیر شادی کی غلطی کی تو فاخرہ کسی ناگہانی موت سے دوچار ہو جائے گی۔

جہاں معاملہ کسی اور کا پیش ہو تو انسان اس کی ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کا مذاق اڑانے سے نہیں چوکتا لیکن جب آگ اپنا دامن پکڑ لے تو وہ خود واہموں کا شکار ہو جاتا ہے۔ رمیش نے میری ماں کو اپنی گندی اور کالی قوتوں سے موت کے گھاٹ اتارنے کی جو دھمکی دی تھی اس نے میرے اعتماد اور یقین کو بھی متزلزل کر دیا تھا۔ والدین اولاد کے لئے جو درجہ رکھتے ہیں اس کے پیش نظر میری جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو یقیناً اس کا سکون بھی برباد ہو جاتا۔ میری پوزیشن بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ساحل پر رمیش نے اپنے سڑتے گلتے زخم سے ایک کیڑا نکال کر جو دھماکا کیا تھا اس نے میرے وجود کی بنیادوں میں خطرے کی بے شمار دراڑیں پیدا کر دی تھیں۔

ماں فاخرہ سے میری شادی کی تیاریوں کے اہتمام میں مصروف تھیں اور جوگیا نے کہا تھا کہ میں دس گیارہ روز تک انہیں گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکالنے سے روک دوں۔ میں کھلے لفظوں میں ماں سے حقیقت بیان کرتا تو اس کی خوشیاں خاک میں مل جاتیں۔ وہ جو سوالات کرتیں اس کے جواب دینا میرے لئے قطعی ناممکن تھا۔ اولاد کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش نے ان کی ممتا کو جو تسکین دے رکھی تھی میں اسے ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

میری خاموشی کی وجہ سے وہ خدانخواستہ کسی خطرے سے دوچار ہو جاتیں، مجھے یہ بھی منظور نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے خود کو گھر تک محدود کر لیا، یہی ایک صورت ایسی تھی کہ ماں کو دس روز تک گھر سے باہر نکلنے سے کسی نہ کسی بہانے روکا جا سکتا تھا۔

رمیش نے دو دن کی جو مہلت دی تھی اس کا ایک ایک لمحہ میرے لئے بڑا اعصاب شکن تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا میری بے چینی بڑھتی جاتی تھی ـــــ ایک دن اور گزر گیا تو میری وحشتوں میں بھی اسی قدر اضافہ ہو گیا۔ رمیش اور جوگیا کے مقابلے میں میرے لئے جوگیا کا انتخاب اس لئے موزوں تھا کہ اس نے ابھی تک میرے ساتھ کوئی زیادتی یا زور زبردستی نہیں کی تھی جبکہ رمیش نے کھلے الفاظ میں ضرغام سے لے کر میرے ڈرائیور کی موت تک کا اقرار کر لیا تھا۔

کاروباری دنیا کا بھی یہی طریقہ ہے کہ جو شخص دوسرے سے جتنا زیادہ دبنے کی کوشش کرتا ہے اسے اتنا ہی زیادہ دبایا جاتا ہے۔ میں ایک بار رمیش کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا تو پھر وہ مجھ پر ہمیشہ کے لئے حاوی ہو جاتا۔ انسان انسان کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن نادیدہ طاغوتی قوتوں سے ٹکرانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔

دوسرے روز لنچ کے بعد میں ماں کے کمرے میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا جب ماں نے مجھے بتایا کہ وہ شام کو بیگم نفیس کے ساتھ شادی کے سلسلے میں کچھ ضروری اشیاء خریدنے بازار جانا چاہتی ہیں۔ میرے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ میری پریشانی بے جا نہیں تھی۔ رمیش کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کا وقت بھی سر پر تھا اور جوگیا کی ہدایت کے مطابق ماں کو مزید نو روز تک گھر کی دہلیز سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہیں تھی۔

''آپ کیوں زحمت کرتی ہیں ـــــ'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''چیزوں کی جو فہرست ہے وہ مجھے دے دیں، میں ڈرائیور کے ساتھ جا کر ساری اشیاء لے آؤں گا۔''

''نہیں ـــــ'' ماں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اول تو یہ کہ مردوں کو عورتوں کی پسند کا اندازہ نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ شادی بیاہ کے معاملے میں سینکڑوں چھوٹی موٹی لیکن اہم چیزیں درکار ہوتی ہیں جو بازار میں خرید و فروخت کے درمیان یاد آتی رہتی ہیں۔''

''پھر ایک نہایت مناسب طریقہ اور بھی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''آپ آنٹی کو یہاں بلا لیں، گھر پر اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں۔ میں فاخرہ کے ساتھ بازار چلا جاتا ہوں، اس طرح عورتوں کی پسند کا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور آپ کو بلاوجہ کی تکان بھی نہیں ہو گی۔''

''صرف تمہارا ذاتی مقصد پورا ہو جائے گا۔'' ماں کے چہرے پر ممتا کی خوشیاں ابھر آئیں۔ ''اشیاء کی فہرست دھری کی دھری رہ جائے گی۔''

''اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔'' میں نے ماں کو الجھانے کی خاطر قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اگر لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کو ٹھونک بجا کر اچھی طرح پرکھ لیں، ایک دوسرے کی طبیعت، پسند و ناپسند سے واقف ہو جائیں تو اس میں برائی بھی کیا ہے؟''

''اور بھی کوئی بہانہ تراشنا ہے یا بات کر چکے ـــــ؟'' ماں نے شوخی سے دریافت کیا۔

''کیوں ـــــ کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی ـــــ؟'' میں نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

''فی الحال تمہارے لئے اس میں کوئی برائی نہیں ـــــ'' ماں نے مجھے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج بیگم نفیس کی بچی کا معاملہ ہے تو تم آزاد خیالی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ لیکن کل جب خدا کے فضل و کرم سے تمہارا گھر آباد ہوگا، تمہاری کوئی بیٹی جوان ہو گی اور تمہارے ہونے والے داماد صاحب ٹھونک بجا کر دیکھنے والی بات کہیں گے اس وقت پوچھوں گی بیٹے صاحب کہ کتنے بیسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔''

''خدا اس وقت تک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر برقرار رکھے تو پھر ہمیں دخل اندازی کی کیا ضرورت ہو گی؟'' میں نے برجستہ کہا۔ ''اس وقت بھی آپ ہی کو گھر کا بڑا ہونے کی حیثیت سے کوئی فیصلہ صادر کرنا ہوگا۔''

ماں میری برجستگی پر بے اختیار مسکرانے لگیں۔ ان کے چہرے پر ممتا کی بھرپور خوشیاں دمک رہی تھیں۔ بڑے لاڈ سے بولیں۔ ''بیگم نفیس نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ وہ تمہارے شادی کے جوڑے کے پیسے دے دیں گی۔ تم خود جا کر اپنی پسند کا لباس سلوا لینا۔ خدا غریق رحمت کرے، اگر بیرسٹر نفیس زندہ ہوتے تو پھر تمہیں ان کے ساتھ جانا پڑتا۔''

''گویا دوسرے لفظوں میں آپ نے میری بات سے اتفاق کر لیا کہ میرے اور فاخرہ

کے ایک ساتھ شاپنگ کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کرلیا تم نے؟" ماں نے مجھے پیار سے گھورا۔

"ابھی آپ ہی تو کہہ رہی تھیں کہ اگر بیرسٹر صاحب حیات ہوتے تو مجھے ان کے ساتھ جانا پڑتا۔" میں نے دیدہ و دانستہ بڑی معصومیت کا انداز اختیار کیا۔ "اب میرے والد کا سایہ سر پر نہیں رہا تو فاخرہ کو مجھے اپنے ساتھ....."

"اچھا اب یہ بے تکی باتیں چھوڑو اور ڈھنگ کی بات کرو۔" ماں نے سنجیدگی سے کہا۔ "دو چار دنوں میں، میں بیگم نفیس سے شادی کی تاریخ ٹھہرالوں تو تم پہلی فرصت میں کارڈ چھپنے کے لئے دے دینا۔ مہمانوں کی فہرست تیار کرنے اور نیوتا دینے میں بھی اچھا خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ــــــ" میں نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے ایک درمیانی راستہ تلاش کیا۔ "آپ جیسا چاہیں گی بالکل ویسا ہی ہوگا لیکن آپ کو ایک بات میری بھی ماننی پڑے گی۔"

"کہو ــــــ"

"فی الحال آپ دس گیارہ روز تک گھر سے کہیں باہر نہیں جائیں گی۔" میں نے اپنی سوچی ہوئی اسکیم پر عمل کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے بعد آپ کہیں گی تو میں دن رات آپ کے ساتھ چل کر سارے ادھورے کام مکمل کرا دوں گا۔"

"میرے اوپر یہ دس گیارہ روز کی بندش کیوں عائد کر رہے ہو؟" ماں نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"دراصل میں آپ کے سلسلے میں آج ایک دوسرے ڈاکٹر سے بھی سیکنڈ اوپینین (SECOND OPINION) کی خاطر ملا تھا۔" میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ "آپ کی رپورٹس اور تمام کیفیت سننے کے بعد انہوں نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ جو علاج ہو رہا ہے وہ نہایت مناسب ہے لیکن فی الحال آپ کو ہفتے عشرے کے لئے بیڈ ریسٹ (BED REST) کی شدید ضرورت ہے۔"

"تم کہتے ہو تو میں خیال رکھوں گی۔ لیکن آج میں چونکہ بیگم نفیس سے ان کے ساتھ جانے کا وعدہ کر چکی ہوں اس لئے....."

ماں اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکی تھیں کہ فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ان کی گفتگو سے مجھے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ دوسری جانب سے بیگم نفیس بات کر رہی تھیں۔ میں دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ خدا کرے بیگم نفیس خود پروگرام ملتوی کر دیں ــــــ پھر وہی ہوا جو میں نے چاہا تھا۔ ماں نے گفتگو کرنے کے بعد ریسیور رکھتے ہوئے مجھے بتایا کہ بیگم نفیس کو اپنے پڑوس میں کسی کی اچانک موت میں شرکت کرنی ہے اس لئے وہ آج بازار نہیں جاسکیں گی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔ خاصی دیر تک ماں کے پاس بیٹھا ان کی دل جوئی کی باتیں کرتا رہا، پھر اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرے ذہن میں بار بار رمیش کا تصور ابھر رہا تھا۔ اس کی دی ہوئی مہلت پوری ہونے میں بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا۔

شام کو چائے پینے کے بعد میں لان میں چہل قدمی کر رہا تھا جب ملازم نے میرے آفس منیجر کی آمد کی اطلاع دی۔ آفس نہ جانے کی وجہ سے میں نے اپنے جنرل منیجر رشید فاروقی کو بیشتر ذمہ داریاں سونپ دی تھیں۔ صرف اہم کاروباری دستاویزات پر دستخط کی خاطر میں نے آفس منیجر کو گھر آنے کی اجازت دی تھی۔ عملے کے دوسرے افراد سے فون پر رابطہ رکھتا تھا۔ خاص طور پر لیڈی سیکرٹری منوالا روزانہ فون کر کے مجھے حالات سے آگاہ کرتی رہتی اور میری خیریت بھی دریافت کر لیتی تھی۔ میں نے جوگیا کی ہدایت پر اس کے ساتھ جو بے تکلفی بڑھائی تھی اس کا سلسلہ بھی فون تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

میں کچھ دیر بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جہاں میرا منیجر دو تین فائلوں کے ساتھ میرا منتظر تھا۔

"کہئے رضا صاحب کیسے آنا ہوا؟" میں نے رسمی انداز میں سلام دعا کے بعد دریافت کیا۔

"چند ضروری کاغذات پر آپ کے دستخط درکار تھے، اسی کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔" منیجر نے سنجیدگی سے کہا۔

"دفتری معمولات کا کیا حال ہے؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے سر ــــــ صرف آپ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔" منیجر نے جواب دیا۔

وہ کم سخن اور صرف کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا اس لئے میں نے چند ضروری امور کی بابت دو چار مزید سوالات کیے، پھر ان کاغذات پر دستخط کرنے لگا جن پر فلیگ لگے ہوئے تھے۔ میرا منیجر بھی چونکہ والد صاحب کے زمانے سے ملازمت میں تھا اور قابل اعتماد تھا اس لئے میں نے کاغذات کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ دستخط مکمل ہو جانے کے بعد وہ فائلیں سمیٹ کر اٹھنے کے لئے پر تول رہا تھا جب قریب رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا، دوسری جانب سے منوالا کی مانوس آواز ابھری۔

''میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا ــــــ؟''

''کچھ ضروری کام نپٹا رہا تھا لیکن اب فارغ ہو چکا ہوں ــــــ''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے تمام کاغذات پر آنکھ بند کر کے دستخط کر دیئے ہیں؟''

''ہاں ــــــ لیکن تم.....''

''کیا منیجر جا چکا ہے ــــــ؟'' منوالا نے میری بات کاٹ کر تیزی سے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسی ہی بات تھی کہ میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کوئی خاص بات ــــــ؟''

''میں نے تمہیں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کو کہا تھا اور تم نے آنکھیں موند کر اپنی بربادی کے پروانے پر بھی دستخط کر دیئے۔'' اس بار منوالا نے جوگیا کا بتایا ہوا مخصوص کوڈ دہراتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا تو میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں لیکن میں نے فوری طور پر کسی اضطراری کیفیت کا اظہار نہیں کیا۔ منیجر پر ایک سرسری نظر ڈال کر لاپرواہی سے بولا۔

''ملاقات کب ہو رہی ہے ــــــ؟''

''جن فائلوں پر دستخط کر چکے ہو انہیں اپنی کوٹھی سے باہر نہ جانے دینا۔'' دوسری جانب سے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا گیا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ منیجر ابھی تک تمہارے سامنے بیٹھا ہے۔ میں تمہاری طرف سے چوکنا نہ ہوتا تو تم دھوکا کھا چکے ہوتے۔ یہ بات شاید تمہارے دھیان سے نکل گئی تھی کہ جس پاپی نے تمہیں دو روز کا سمے دیا تھا اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

''معاملے کی نوعیت کیا ہے ــــــ؟'' میں نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

''میں نے تمہاری ماں کی حفاظت کا جو وچن دیا تھا اس کے انوسار میں نے تمہاری کوٹھی

کے چاروں اور (چاروں طرف) اپنی شکتی کا منڈل باندھ دیا ہے جس میں رمیش کی پلید طاقتیں کوئی گڑبڑ گھوٹالا نہیں کر سکتیں۔ میں ایسا نہ کرتا تو شاید اس سمے وہ تمہارے منیجر کا شریر حاصل کرنے کی بجائے خود اپنے روپ میں بیٹھا ہوتا۔''

''کیا دوسری پارٹی کو تمہارے کاروبار کی خبر ہے ــــــ؟'' میں نے رازدارانہ انداز میں سوال کیا۔

''وہ مورکھ ابھی اتنا مہان نہیں ہوا ہے کہ جوگیا کی چھایا تک بھی پہنچ سکے۔ پرنتو اب وہ تاڑ گیا ہے کہ کوئی شکتی اس کے راستے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ میری بات پورے دھیان سے سنو۔'' اس بار ٹھوس آواز میں کہا گیا۔ ''اس سے ڈرنے کی بھول مت کرنا ورنہ بنا موت مارے جاؤ گے۔ وہ دشٹ یہ جاننے کی کوشش ضرور کرے گا کہ تمہاری سہائتا کون کر رہا ہے۔ لیکن تم ہر حال میں اپنی زبان بند رکھو گے ــــــ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟ تمہیں ہر حال میں اپنی زبان بند رکھنی ہو گی ــــــ منیجر سے فائلیں لے کر اسے جانے کو کہو، کوئی بھی بہانہ کر دو۔ جب تک جوگیا کی شکتی تمہارے ساتھ ہے اس دھرتی کی کوئی طاقت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ منش کو کچھ پراپت کرنے کے کارن کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی کشٹ بھوگنا پڑے۔ ایسے سمے میں اپنے پگ (پاؤں) دھرتی کے ساتھ پوری مضبوطی سے جمائے رکھنا۔ تمہیں جوگیا کی شکتی پر بھروسہ کرنا ہو گا۔ اس کے سوا اب تمہارے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مجھے ایک بار پھر چونکا دیا۔ ''تمہاری ماتا کو اپنے کھینچے ہوئے منڈل سے باہر جانے سے روکنے کے کارن میں نے ہی بیگم نفیس سے فون کروایا تھا۔''

''میں اس سلسلے میں اور کیا کر سکتا ہوں؟'' میں نے اشاروں کنایوں میں دریافت کیا۔

اس وقت میرے دل و دماغ کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ میرے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ جوگیا نے بیگم نفیس کے فون کا حوالہ دے کر میرے اعتماد کو جو تقویت دی تھی وہ حق بجانب تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق اس وقت میرے سامنے میرے آفس منیجر رضا کی شکل میں میرے سب سے بڑے دشمن رمیش کی پراسرار قوت موجود تھی جس نے جوگیا کے کھینچے ہوئے حصار کی وجہ سے اس کے جسم پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس نے جن کاغذات پر میرے دستخط حاصل کیے تھے ان میں سے کوئی ایک ایسی دستاویز بھی ضرور موجود تھی جو میری بربادی

کا سبب بن سکتی تھی۔

"آج رات تمہیں شاید اپنی سندر اور کومل مس منوالا کے ساتھ بتانی پڑے پرنتو اس کی سن گن کسی اور کو نہیں ملنی چاہئے۔"

"کیا مطلب ــــــ؟" میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"دھیرج سے کام لو ــــــ میرا مطلب وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔" دوسری سمت سے وضاحت کی گئی۔ "منیجر کے جانے کے بعد کسی سے اس سندری کا بھی فون آئے گا۔ وہ تمہیں جہاں لے جائے وہاں جانے سے انکار مت کرنا پرنتو اپنی بدھی اور آنکھ دونوں کھلی رکھنا۔ ایک چھوٹی سی بھول بھی سارا کھیل چوپٹ کر سکتی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جوگیا کی باتوں نے جیسے میرے اوپر سکتہ طاری کر دیا تھا۔

"من کو شانت رکھو ــــــ" منوالا کی آواز میں کہا گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ منیجر تم سے الجھنے کی کوشش کرے لیکن اپنے گھر کے اندر تم کوئی دنگا فساد مت کرنا۔ منش کو کبھی کبھی اپنے من کو مارنا بھی پڑتا ہے۔"

دوسری جانب سے میرے جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا تو منیجر نے میرے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"سر ــــــ سب خیریت تو ہے ــــــ"

"ہاں ــــــ آں۔" میں نے لاپرواہی کا انداز اختیار کیا۔ "ایک کاروباری پارٹی کی فون کال تھی۔"

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟"

"نہیں ــــــ میرا اس سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔" میں نے دوبارہ خود کو سنبھال کر جواب دیا۔

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" منیجر فائلیں سنبھال کر اٹھا تو میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"آپ اس وقت کہاں جائیں گے ــــــ؟"

"فی الحال تو گھر جانے کا ارادہ ہے ــــــ" اس نے بڑی سادگی سے کہا۔ "آپ کو کوئی کام ہو تو بتا دیں ــــــ؟"

میں نے فوراً ہی کوئی جواب دینے کی بجائے قدرے توقف سے جواب دیا۔ "آپ ایسا کریں کہ یہ فائلیں یہیں چھوڑ دیں اور کل صبح دفتر جاتے ہوئے پک (PICK) کر لیں، مجھے آپ کو اپنے ایک ذاتی کام کے سلسلے میں زحمت دینی ہے جو صبح ہی بتا سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے سر ــــــ" اس نے خلاف توقع فائلیں میز پر رکھ دیں۔ "میں کل صبح حاضر ہو جاؤں گا۔"

منیجر خاموشی سے چلا گیا تو میں نے ان فائلوں میں اپنے دستخط شدہ کاغذات کا دوبارہ جائزہ لینا شروع کیا۔ پھر اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں غیر متوازن ہونے لگیں جب میں نے تین صفحات پر مشتمل ایک دستاویز کو پوری تفصیل سے پڑھا۔ جس فائل میں اس دستاویز کو رکھ کر میرے دستخط حاصل کئے گئے تھے وہ زیادہ اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ لیکن وہ دستاویز ایک ایسی پارٹنر شپ ڈیڈ (PARTNERSHIP DEED) تھی جس کے مطابق میں نے ایک ہندو فرم "گپتا نریش اینڈ سنز" کے ساتھ برابر کی شراکت داری کا نہ صرف معاہدہ کیا تھا بلکہ اس معاہدہ کو دس سال تک برقرار رکھنے کی خاطر دس کروڑ اسّی لاکھ روپے بطور زر ضمانت مذکورہ فرم کے کھاتے میں دس یوم کے اندر اندر جمع کرانے بھی لازم تھے جو میری طرف سے شراکت داری ختم کرنے کی صورت میں بحق "گپتا نریش اینڈ سنز" ضبط ہو جاتے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسی شرطیں تھیں جنہیں پڑھ کر میرا ذہن چکرا کر رہ گیا۔ اگر جوگیا نے بروقت مجھے حالات سے خبردار نہ کیا ہوتا تو میری بربادی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ میں اندھیرے میں ایسی خطرناک سازش کا شکار ہو جاتا جس کا خمیازہ شاید مجھے عمر بھر بھگتنا پڑتا، پھر بھی اس کی تلافی ممکن نہ ہوتی۔

میں یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ مذکورہ فرم کے مالک نریش چندر سے "کاروباری حریف" ہونے کے باوجود نہ صرف میرے والد کے ہمیشہ بہت اچھے مراسم اور تعلقات رہے تھے بلکہ ان کی موت کے بعد نریش چندر نے کئی موقعوں پر میری بھی بے لوث مدد کی تھی اور اپنے تجربات سے نوازا تھا۔ میری والدہ بھی ان کے لئے بہت اچھی رائے رکھتی تھیں۔

'پھر اس معاہدے کو تیار کرنے میں کس کا ہاتھ تھا؟' میرے ذہن میں وسوسوں اور خدشات کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ 'کیا نریش چندر کو اس معاہدے کا علم تھا یا اس میں صرف رمیش کی کسی حرام زدگی کو دخل تھا؟' دس گیارہ کروڑ کی رقم نریش چندر کے لئے کچھ زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی لیکن کاروبار میں کبھی کبھی بہت اچھی ساکھ کے مالکان بھی دولت کی ہوس میں اندھے ہو کر بڑے سے بڑا فراڈ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ 'کیا نریش چندر کے ذہن میں بھی کوئی فتور آ گیا تھا؟ کیا وہ اپنی سابقہ دوستانہ روایات کو ختم کر کے ہماری دشمنی پر آمادہ ہو گیا تھا؟ ـــــ اگر ایسا تھا بھی تو رمیش جیسے غلیظ آدمی کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ رمیش اور نریش چندر کا کیا تعلق تھا ایک دوسرے سے؟ کیا وہ لالچ میں آ کر رمیش کی کالی قوتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا ـــــ یا رمیش نے اسے بھی اپنے کسی ناپاک اور گندے جال میں پھانس کر بے بس کر رکھا تھا؟ ـــــ اگر دس کروڑ اسی لاکھ کی رقم نریش چندر کے کھاتے میں جمع ہو جاتی تو رمیش اسے کس طرح حاصل کرتا؟ وہ اگر نریش چندر کا دشمن تھا تو اس کو بھی اپنے سفلی کے عمل سے ہلاک کر سکتا تھا ـــــ موت کے بعد وہ اس کی تمام دولت حاصل کرنے کی خاطر اپنی طاغوتی قوتوں کو بروئے کار لا کر سینکڑوں راستے ہموار کر سکتا تھا ـــــ حقیقت کیا تھی؟''

میرا ذہن بڑی دیر تک قلابازیاں کھاتا رہا لیکن کوئی آخری نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔ میں اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں نریش چندر کو اتنا چھچھورا اور کم ظرف آدمی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ یہ بات بھی میری عقل و فہم سے بالاتر تھی کہ رمیش نے نریش چندر جیسے با اصول اور وضعدار آدمی کی ٹانگ درمیان میں گھسیٹنے کی کوشش کیوں کی تھی؟

جوگیا نے کہا تھا کہ میرا منیجر جو رمیش کی قوتوں کے تابع تھا ممکن ہے فائلوں کے سلسلے میں مجھ سے الجھنے کی کوشش کرے لیکن ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئی۔ ممکن ہے میں نے اسے ٹالنے کی خاطر جو بہانہ تراشا تھا اس سے وہ دھوکا کھا گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ خود رمیش نے بھی میرے گھر کی چہار دیواری کے اندر کسی قسم کا دنگا فساد مناسب نہ سمجھا ہو۔ جوگیا نے میری رہائش گاہ کے اطراف میں کوئی ایسا حصار باندھ دیا تھا جہاں کوئی ماورائی قوت اپنا اثر نہیں جما سکتی تھی۔ جوگیا کے بیان کے مطابق رمیش بھی اس حقیقت کو تاڑ چکا تھا کہ کوئی نادیدہ ہستی میرے اور اس کے درمیان حائل ہو رہی ہے۔ ایسی صورت میں عین

ممکن تھا کہ اس نے کوئی اور گہری چال چلنے کی ٹھانی ہو اور مجھ سے الجھے بغیر خاموشی سے چلا گیا ہو۔ اس کے علاوہ بھی سینکڑوں امکانات تھے۔

میں نے بہت غور و خوض کے بعد اس معاہدے کو پھاڑ کر نذرِ آتش کر دیا۔ باقی فائلوں کو احتیاط سے الماری میں رکھا، پھر فیملی لاؤنج میں جا کر بیٹھ گیا جہاں میری ماں فون پر کسی ہم عمر خاتون سے گفتگو میں مصروف تھیں۔

اسی رات میری حیرانیوں میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ ماں کے سو جانے کے بعد میں اپنی خوابگاہ میں آ گیا۔ جوگیا نے کہا تھا کہ وہ رات مجھے شاید منوالا کے ساتھ گزارنی پڑے۔ اس کا مقصد نہیں بتایا تھا۔ ساحل پر رمیش سے روبرو بات کرنے کے بعد میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا تھا کہ میں نے جوگیا کے کہنے پر رمیش سے ٹکرانے میں جلد بازی کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس کے بعد یکے بعد دیگرے جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے میرے اندیشوں کی نفی کر دی۔ جوگیا نے میری ماں کو جو تحفظ فراہم کیا تھا، جس انداز میں اس نے بیگم نفیس سے فون کروا کر ماں کو گھر سے باہر جانے سے باز رکھا تھا ـــــ اور بر وقت فون کر کے مجھے جس تباہی سے بچایا تھا اسے میں فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میرا منیجر جو رمیش کی کالی قوتوں کے زیر اثر تھا، فائلیں سمیٹ کر چلا گیا ہوتا تو دس گیارہ کروڑ کی رقم بھی ڈوب جاتی اور میں رمیش کے بچھائے ہوئے جال میں بری طرح پھنس گیا ہوتا۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد طے کر لیا تھا کہ جوگیا کے کہنے پر عمل کروں گا۔ اس نے بھی کھلے لفظوں میں مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اب اس کی باتوں پر چلنے کے سوا میرے پاس دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

کار حادثے میں بھی جوگیا نے میری جان بچائی تھی۔ فاخرہ سے شادی کے مسئلے میں بھی اگر اس نے میرے دفتر میں آ کر شادی ملتوی کرنے کی بات نہ کی ہوتی تو شاید فاخرہ بھی میرے ڈرائیور کی طرح کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو چکی ہوتی۔ جوگیا میری پشت پناہی کیوں کر رہا تھا؟ وہ کون تھا؟ کس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا؟ رمیش کے ساتھ اس کی کیا دشمنی تھی؟ اب ان باتوں پر غور کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ میں اپنی ذاتی حیثیت میں کسی طاغوتی قوت سے ٹکرانے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ مجھے کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت تھی جو میری مدد کر سکتا۔

میں اپنی خواب گاہ میں بستر پر نیم دراز روپ نگر سے شروع ہونے والی کہانی کے روز و شب کے دانے دانے شمار کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی نے میرے خیالات کے تسلسل کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ میں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ میری نظریں دیوار گیر کلاک کی جانب اٹھیں، اس وقت رات کے پونے گیارہ کا عمل تھا۔

''ہیلو ـــــ'' میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''دانش کبیر اسپیکنگ۔''

''میں منوالا بول رہی ہوں۔'' دوسری جانب سے منوالا کی آواز سن کر میں چونکا۔ مجھے جوگیا کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ شاید وہ رات مجھے منوالا کے ساتھ گزارنی پڑے۔ کوئی سبب نہیں بتایا تھا مگر بڑی سنجیدگی سے یہ مشورہ دیا تھا کہ منوالا مجھے جہاں بھی لے جائے میں اس کے ساتھ جانے سے گریز نہ کروں۔ خاص طور سے مجھے اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ احساس بھی دلایا گیا تھا کہ میری ایک چھوٹی سی غلطی بھی کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس بات کی پیش گوئی بھی کی گئی تھی کہ ہو سکتا ہے مجھے کسی کڑی آزمائش سے گزرنا پڑے، کچھ تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ مجھے مشکل حالات میں ثابت قدم رہنے اور برداشت کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

''کیسی ہو ـــــ؟'' میں نے خود کو سنبھال کر بے تکلفی کا اظہار کیا۔ ''اتنی رات گئے فون کرنے کا خیال کیسے آ گیا ـــــ؟''

''ممی کی طبیعت آج شام سے ٹھیک نہیں تھی اس لئے وہ خواب آور گولیاں کھا کر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق مکمل آرام کر رہی ہیں۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں اپارٹمنٹ کا سناٹا میری تنہائی کو ڈس رہا ہے۔ ایک عجیب سی گھبراہٹ طاری ہو رہی تھی۔ اس لئے میں نے آپ کو فون کر لیا۔ برا تو نہیں کیا ـــــ؟''

''تم شاید بھول رہی ہو کہ دفتری اوقات کے بعد ہم ایک دوسرے سے گہری دوستی کا رشتہ قائم کر چکے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''تمہاری طبیعت گھبرا رہی ہے تو میں تمہارے پاس آ جاتا ہوں ـــــ کیا خیال ہے؟''

''نہیں ـــــ'' اس نے تیزی سے کہا۔ ''آپ یہاں آنے کی زحمت نہ کریں لیکن ـــــ''
وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیا بات ہے؟ تم خاموش کیوں ہو گئیں ـــــ؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس وقت اپارٹمنٹ کی گھٹن سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لوں لیکن ـــــ''

''پھر وہی لیکن ـــــ'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''جہاں بے تکلفی اور اپنائیت ہو وہاں تکلف سے کام نہیں لیا جاتا۔ میں تمہاری طرف آ جاتا ہوں، اس وقت میری طبیعت بھی باہر نکلنے کو چاہ رہی تھی۔ تم ساتھ ہو گی تو دل بہل جائے گا۔''

''آپ کو بلاوجہ کی زحمت ہو گی۔'' اس نے ہچکچا کر جواب دیا۔

''میں تیار ہو کر دس منٹ میں گھر سے نکلتا ہوں، تم اپارٹمنٹ سے نکل کر چرچ کی طرف جانے والی روڈ پر چہل قدمی کرو۔ میں بمشکل آدھے گھنٹے کے اندر اندر تمہیں پک (PICK) کر لوں گا۔''

میں نے اپنا جملہ مکمل کر کے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا، تیزی سے اٹھ کر لباس تبدیل کیا اور گاڑی لے کر خاموشی سے نکل پڑا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کو میں نے سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ وہ میرے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے۔ اگر ماں کی آنکھ کھل جائے اور وہ میرے بارے میں دریافت کریں تو یہی بتایا جائے کہ میں کچھ دیر پہلے ایک ضروری دوا لینے کی خاطر نکلا ہوں۔

کوٹھی سے نکل کر میں نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ میرے ذہن میں کئی خیال ابھر رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت منوالا کے فون کی آڑ میں بھی جوگیا کا ہاتھ شامل ہو گا۔ میں اختصار سے کام لوں گا۔ میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ منوالا کو چرچ روڈ سے پک کرنے کے بعد میں نے ساحل کی طرف جانے والی روڈ کا رخ کیا۔ کچھ دیر ہمارے درمیان بے تکلفی سے باتیں ہوتی رہیں، پھر اچانک اس نے چونک کر پوچھا۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو ـــــ؟''

''ساحل کی جانب۔ وہاں کا ماحول ہم دونوں کے لئے اس وقت بڑا سکون بخش ثابت ہو گا۔''

''نہیں ـــــ'' اس بار منوالا نے جوگیا کے مخصوص کوڈ کا حوالہ دیتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے، میں تمہیں آج ایک حیرت انگیز تماشہ دکھانا چاہتی

ہوں۔"

"تماشہ ـــــ" میں سنبھل کر بولا۔"میں تمہاری بات کا مقصد نہیں سمجھا۔"

"گاڑی کا رخ شہری آبادی سے دور قدیم قبرستان کی طرف موڑ دو۔"

میں قبرستان کے نام پر کسمسا کر رہ گیا لیکن میں نے مزید کوئی سوال کرنے کی بجائے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اگلے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی کا رخ قدیم قبرستان جانے والی روڈ کی جانب موڑ دیا۔منوالا نے اپنی زبان بند کر لی تھی۔میں نے نظریں گھما کر اس کی طرف دیکھا، وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔خود میری کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اس کا دل و دماغ جوگیا کی ماورائی قوتوں کے زیر اثر تھا لیکن وہ مجھے پرانے قبرستان کیوں لے جانا چاہتی تھی؟ یہ سوال میرے ذہن میں بھی صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔

میری ریڈیم ڈائل کی دستی گھڑی اس وقت رات کے بارہ بج کر بیس منٹ کا اعلان کر رہی تھی جب میں نے اپنی گاڑی منوالا کے کہنے پر قبرستان سے ایک فرلانگ دور روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔میں منوالا کے ساتھ گاڑی سے باہر آیا۔چاروں طرف گھپ اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔منوالا گاڑی سے اترنے کے بعد اس طرح چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی جیسے وہ یا تو صحیح سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی یا پھر قرب و جوار کا جائزہ لے رہی تھی۔

"ہم اتنی رات گئے پرانے قبرستان میں ـــــ"

"میں اس وقت تمہارے غیر ضروری سوالات کا جواب نہیں دے سکتی۔" اس نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔" جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے اسے خاموشی سے دیکھتے رہو۔میں تین کشتیوں میں سوار ہوں۔اگر میری توجہ کسی ایک طرف ہو گئی تو دوسری طرف سے کوئی خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔"

میں نے جواب دینے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی۔منوالا کے دل و دماغ پر اس وقت جوگیا کا قبضہ تھا ورنہ وہ ایک عورت ہو کر اس ہولناک ماحول میں اس قدر بے جگری سے بات کرنے کی جرأت کبھی نہ کرتی۔

پرانے قبرستان میں داخل ہونے کے بعد میں پوری طرح محتاط ہو گیا۔اس گنجان

قبرستان میں جہاں حکومت کی طرف سے ممانعت عائد کرنے کے باوجود چوری چھپے تدفین کا غیر قانونی سلسلہ جاری تھا، کہیں تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔لیکن منوالا اس طرح قدم اٹھاتی قبروں کو پھلانگتی خاردار جھاڑیوں اور نشیب و فراز سے بچتی بچاتی قدم اٹھا رہی تھی جیسے وہاں کے ایک ایک چپے سے واقف ہو۔اس کی بجائے میں تاریکی میں کئی بار ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ناہموار راستوں، اونچی نیچی، پختہ، ٹوٹی پھوٹی اور زمین میں دھنسی ہوئی قبروں کو پھلانگتے ہم تقریباً پندرہ منٹ تک آگے بڑھتے رہے۔پھر منوالا ایک جگہ پہنچ کر رک گئی اور نیچے جھک کر اس قبر کو دیکھنے لگی جو زمین کے اندر بیٹھ چکی تھی۔

میرے دل کی دھڑکنیں ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔رات کے سناٹے اور قبرستان کے ڈراؤنے ماحول میں آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی عجیب پراسرار محسوس ہو رہی تھی۔میری نظریں منوالا پر جمی تھیں۔ایک لمحہ تک وہ اندر دھنسی ہوئی قبر کا جائزہ لیتی رہی، پھر اچانک اس نے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اس قبر کو کھودنا شروع کر دیا۔اس کے دونوں ہاتھ بڑے مشاق انداز میں چل رہے تھے۔ایک کمزور لڑکی کا وہ جرأت انگیز قدم میرے لئے حیرت انگیز تھا۔پھر کسی خیال کے تحت میری نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی تو مجھے جھرجھری آ گئی۔خوف کے احساس سے میرے بدن کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے۔رگوں میں گردش کرتے لہو کی رفتار اور تیز ہو گئی۔میں پھٹی پھٹی خوفزدہ نظروں سے منوالا کے دونوں ہاتھ دیکھ رہا تھا جو کدال (زمین کھودنے کا ایک نوک دار آہنی اوزار) کی شکل اختیار کر چکے تھے۔میں نے اپنے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے نہ بھینچ لئے ہوتے تو شاید اپنے حلق سے ابھرنے والی چیخ کی آواز پر قابو نہ پا سکتا۔

میں خوفزدہ نظروں سے سب کچھ دیکھتا رہا۔منوالا نے کسی ماہر گورکن کی طرح قبر کی مٹی دائیں بائیں پھینک کر اندر سے تین فٹ لمبا ہڈیوں کا ایک پنجر باہر نکال لیا، پھر اسے زمین پر اپنے سامنے رکھ کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

"اب آخری فیصلے کا سمے قریب آ رہا ہے۔میں تجھے جنم دینے والے کی سوگند دیتی ہوں کہ اپنی ہڈیوں کی شکل بدل کر اپنے اصلی روپ میں سامنے آ جا۔"

میں پھٹی پھٹی نظروں سے ہڈیوں کے اس سال خوردہ پنجر کو دیکھ رہا تھا جس پر دھول جمی ہوئی تھی۔منوالا اپنا جملہ بار بار دہرا رہی تھی۔اچانک موسم کا انداز بھی بھیانک ہو گیا۔آسمان

پر بجلی کڑکنے لگی۔ بادل گرجنے کی خوفناک آوازوں کا شور شروع ہو گیا۔ پُرسکون فضا میں تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ میرے دل کی دھڑکنیں اور خون کی گردش اور تیز ہو گئی۔ وہ طلسمی ماحول میرے لئے دنیا کے سات عجوبوں سے زیادہ اہمیت حاصل کر گیا۔ میں نے سوچا کہ منوالا کا ہاتھ تھام کر اسے گھسیٹتا ہوا اس ہولناک ماحول سے دور نکل جاؤں لیکن اپنے ارادے کی تکمیل کی جرأت نہ کر سکا۔ کسی نادیدہ طاقت نے میرے قدموں کو زمین سے جکڑ دیا تھا۔ میں منوالا کو کسی خطرے کا احساس دلانا چاہتا تھا لیکن میری قوت مجھ سے چھین لی گئی تھی۔

میں کسی بے جان مجسمے کی طرح اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ منوالا بار بار ایک ہی جملے کو دہرا رہی تھی۔ پھر اچانک پورا ماحول بجلی کی کڑک سے گونج اٹھا، میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، میں جو منظر دیکھ رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ہڈیوں کے پنجر کی جگہ اب مجھے ایک معصوم، خوبصورت اور صحت مند بچہ جیتا جاگتا نظر آ رہا تھا جس کی ایک آنکھ غائب تھی۔ میرے ذہن میں وہ پراسرار پیپرویٹ ابھر آیا جس کے اندر میں نے کسی بچے کی آنکھوں کو حرکت کرتے دیکھا تھا۔ اس کی کرب میں ڈوبی آواز بھی سنی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں۔ میرا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میرا وجود لرز رہا تھا لیکن میری نظریں اسی معصوم اور بھولے بھالے بچے پر جمی ہوئی تھیں۔

''بالک ـــــ'' میرے کانوں میں منوالا کی سرسراتی ہوئی مدھم آواز گونجی۔ وہ بچے سے مخاطب تھی۔ ''اب تیرے ساتھ کوئی پلید شکتی کوئی انیائے (ظلم و ستم) نہیں کر سکتی۔ میں تیری سہائتا کروں گی۔ تو اب اپنی زبان سے سب کچھ اگل دے۔ وہ کون پاپی تھا جس نے تیری ماں کی آتما کو گھائل کیا تھا ـــــ؟''

''مجھے پریشان مت کرو ـــــ'' بچے کی وہی کربناک آواز میرے کانوں میں سنائی دی جو پراسرار پیپرویٹ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتی تھی۔ ''میری آتما کو شانت رہنے دو۔ جو بیت گیا اسے کریدنے سے کیا ہوگا؟ ـــــ ہو سکے تو میرے اوپر ایک دیا (مہربانی) کر دو، میری ماں کو مجھ سے ملا دو۔''

بچے کی ایک آنکھ کی جگہ خلاء تھا، دوسری آنکھ سے آنسوؤں کے شبنمی قطرے ابل رہے تھے، میں سرتاپا لرز اٹھا۔

''جس پاپی نے تیرے اوپر ظلم کیا ہے اس کا نام اگل دے بالک۔'' منوالا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ''میں تجھے وچن دیتی ہوں کہ میری شکتی تیرے ساتھ نیائے کرے گی، میں اس اپرادھی کو نشٹ کر دوں گی اور تجھے تیری ماں سے بھی ملوا دوں گی ـــــ اپنی زبان پر پڑے تالے توڑ دے ـــــ یہ سمے بھی بیت گیا تو میں بھی بے بس ہو جاؤں گی۔''

''میری ماں کہاں ہے؟'' بچے نے بڑی حسرت سے کپکپاتی آواز میں سوال کیا۔

''وہ ابھی زندہ ہے۔ تیری جدائی کا غم بھوگ رہی ہے۔''

''کیا تم مجھے میری ماں سے ملوا سکتی ہو ـــــ؟''

''ہاں ـــــ پرنتو کیول اس شرط پر کہ تم مجھے اس اپرادھی کا نام بتا دو'' منوالا نے بڑی عاجزی سے اصرار کیا۔

''نہیں ـــــ نہیں۔'' بچے نے اچانک بے حد خوفزدہ لہجے میں کہا۔ ''وہ ـــــ وہ مہان شکتی کا مالک ہے۔ اگر میں نے تمہیں اس کا نام بتا دیا تو وہ میری دوسری آنکھ بھی نکال لے گا ـــــ دوسری آنکھ بھی چلی گئی تو پھر میں اپنی ماں کے درشن کیسے کروں گا ـــــ تم چلی جاؤ ـــــ میری آتما کو اور دکھ نہ دو ـــــ''

''کیا اس اپرادھی کا نام رمیش ہے؟'' منوالا نے سرد آواز میں دریافت کیا۔

''نہیں ـــــ مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' بچے نے بدستور سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ ''میں واپس جا رہا ہوں۔''

''اپنی ماں کے درشن نہیں کرو گے؟'' منوالا نے اسے لالچ دی۔ ''وہ تمہارے مرنے کے بعد بھی آج تک تمہاری راہ تکتی رہتی ہے۔ تم چلے گئے تو وہ نراش ہو جائے گی۔''

بچے کے چہرے پر شش و پنج کی کیفیتیں ابھر رہی تھیں۔ پھر وہ شاید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک بجلی بڑی شدت سے کڑکی۔ اس کے ساتھ ہی ایک قریبی قبر سے آگ کے بھیانک شعلے بھڑک کر دھوئیں کے سیاہ بادلوں کے ساتھ مرغولے کی صورت میں آسمان کی طرف بلند ہونے لگے۔ میرے علاوہ منوالا کی نظریں بھی ایک لمحے کو ان شعلوں کی طرف اٹھیں اور اسی لمحے بچے کا وجود ہم دونوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہڈیوں کا پنجر بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ زمین کا وہ حصہ جسے منوالا کے روپ میں جوگیا کی پراسرار قوتوں نے کھودا تھا دوبارہ اپنی پرانی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ میں نے منوالا کے ہاتھوں پر نظر ڈالی تو وہ بھی اپنی اصلی ہیئت

اختیار کر چکے تھے۔ میں نے اس سے صورت حالات کے بارے میں دریافت کرنا چاہا لیکن اس نے جلدی سے میرا ہاتھ تھام کر سنجیدگی سے کہا۔

"آؤ ــــ اب واپس چلتے ہیں۔"

"لیکن وہ بچ.....چا....." میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا، ہکلا کر رہ گیا۔

"اپنی زبان بند رکھو۔" وہ جھلا کر بولی۔ "میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ صرف اپنی عقل اور آنکھیں کھلی رکھنا ورنہ سارا کھیل چوپٹ ہو جائے گا۔"

میں موقع کی نزاکت بھانپ کر اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ قبرستان سے منوالا کے اپارٹمنٹ تک واپسی کے دوران ہمارے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی۔ میں منوالا کو اتار کر اپنے گھر آیا تو صبح کے پونے تین بج رہے تھے۔ میرا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ نیند کا غلبہ اتنا شدید تھا کہ میں لباس تبدیل کئے بغیر ہی اپنے بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر مجھے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔

صبح کے سات بجے تھے جب میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایسا لگا تھا جیسے کسی نے مجھے کچی نیند میں زبردستی جھنجھوڑ کر جگا دیا ہو۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا تو جوگیا میرے سامنے بیٹھا کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔

"تم ـــ" میں نے اسے اپنی خوابگاہ میں اتنی صبح اچانک دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ میرے ذہن میں گزشتہ رات قدیم قبرستان میں پیش آنے والے واقعات چکرانے لگے۔

"پہلے اٹھ کر لباس تبدیل کر لو، منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو جاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

میں اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ میں نے منہ ہاتھ دھونے اور لباس تبدیل کرنے میں خاصی عجلت سے کام لیا۔ مجھے جوگیا سے بہت ساری باتوں کی وضاحتیں طلب کرنی تھیں۔

وہ بچہ کون تھا جس نے ہڈیوں کے پنجر سے ایک جیتے جاگتے نونہال کی شکل اختیار کر لی تھی؟ وہ جس ماں کو یاد کر رہا تھا وہ کہاں اور کن حالات سے دوچار تھی؟ کیا اس بچے کا تعلق اسی بدنصیب عورت سے تھا جسے میں نے خواب کی حالت میں دو پجاریوں کے زیر عتاب دیکھا تھا؟ میری نظروں کے سامنے ہی اسے زندہ جلانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن منوالا نے کہا تھا وہ ابھی تک زندہ ہے اور بچے کی راہ تک رہی ہے۔ بچے سے جس شخصیت

کا نام پوچھا جا رہا تھا کیا وہ رمیش ہی تھا؟ اور اگر ایسا ہی تھا تو کیا جوگیا کو اس بات کا یقین نہیں تھا؟ کیا وہ اپنی ماورائی طاقتوں سے اصلیت معلوم کرنے سے قاصر تھا؟ بچے نے سہمے ہوئے خوفزدہ انداز میں اس شخص کا نام بتانے سے انکار کیوں کیا تھا؟ وہ کون سنگدل ظالم تھا جس نے معصوم بچے کو اس کی ایک آنکھ سے محروم کر دیا تھا؟ اس وحشیانہ حرکت کی پشت پر کیا مصلحت کارفرما تھی؟ کیا جو پیپر ویٹ میرے ہاتھ آ کر نکل گیا اس میں اسی بچے کی ایک آنکھ موجود تھی؟ جس دستاویز پر میں نے دستخط کر دیئے تھے اس میں نریش چندر کی ذات کو کس حد تک دخل حاصل تھا؟ کیا وہ اس دستاویز سے واقف تھا؟ اس کو تیار کرنے میں اس کی مرضی شامل تھی یا اسے زبردستی کسی مقصد کے تحت پھانسا جا رہا تھا؟ سب سے اہم بات خود جوگیا سے متعلق تھی۔ اگر وہ دل کے نہاں خانوں میں جھانکنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اگر اس کی پراسرار قوتوں میں اتنا اثر تھا کہ وہ مجھے اور میری ماں کی زندگی کو رمیش کی چیرہ دستیوں سے تحفظ فراہم کر سکتا تھا، گزرے ہوئے اور آنے والے کل کے بارے میں پیش گوئی کر سکتا تھا تو کیا وہ اس حقیقت سے ناواقف رہا ہو گا کہ اس بچے کی ماں کی زندگی کس نے برباد کی تھی؟ اس پر کس جرم کی پاداش میں ظلم توڑا جا رہا تھا ــــ؟ اچانک بھڑکنے والے ان شعلوں کا کیا راز تھا جنہوں نے میری اور منوالا کی توجہ ایک لمحے کو مبذول کی تھی اور اسی ایک پل میں سب کچھ اپنی سابقہ حالت میں تبدیل ہو گیا تھا؟ اگر گزشتہ رات منوالا کے جسم کو جوگیا ہی کی قوت کنٹرول کر رہی تھی تو کیا اسے اس بات کا خدشہ پہلے سے لاحق نہیں تھا کہ مخالف قوتیں اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش ضرور کریں گی؟ ــــ اور اگر جوگیا کی قوت منوالا کو اپنے اشارہ پر عمل کرنے کی ہدایت نہیں دے رہی تھی تو پھر وہ کس کی قوت تھی ــــ؟

میں واش روم سے باہر آیا تو میرے ذہن میں بے شمار سوالات کلبلا رہے تھے۔ جوگیا بدستور اپنے خیالوں میں گم تھا، اس کی آنکھوں کو دیکھ کر ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ کسی شے کو تلاش کرنے کی خاطر دور دراز کے علاقوں کو کھنگال رہی ہوں۔ میری آہٹ پا کر اس نے میری طرف سپاٹ نظروں سے دیکھا۔ سنجیدگی سے بولا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ آنکھیں کھلی رکھنا اور بدھی سے کام لینا پرنتو تم گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔"

"میں سمجھا نہیں ——" میں نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہارے چوکیدار کے ذہن کو واش کر دیا ہے۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "اب تم اس سے پوچھو گے تو اسے بھی یہ بات یاد نہیں آئے گی کہ تم کہیں باہر گئے تھے۔ وہ پولیس کے سوالات سے بوکھلانے کی حماقت نہیں کر سکے گا۔"

"پولیس ——" میں چونکا۔

"ہاں —— کچھ دیر میں پولیس کا عملہ یہاں پہنچنے والا ہے۔" اس نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "کل رات تمہارے منیجر رضا کو رمیش کی پلید قوتوں نے ہمیشہ کی نیند سلا دیا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اس کی موت حرکت قلب بند ہو جانے کے کارن ہوئی ہے پرنتو اس کی دھرم پتنی بار بار یہ بیان دے رہی ہے کہ مرنے سے پہلے اس کا پتی بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ وہ دونوں بستر پر لیٹے باتیں کر رہے تھے جب اس کے پتی نے اچانک حلق سے خرخراہٹ کی آواز نکالنی شروع کر دی۔ ہنستے بولتے اچانک اس نے دونوں ہاتھ چلانے شروع کر دیئے تھے۔ اس کے چہرے پر موت کی سیاہی پھیل رہی تھی۔ وہ اس طرح ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ موت سے پنجہ لڑانے کے کارن اچھل کود کرتا رہا، پھر بستر پر گر کر ہمیشہ کے لئے شانت ہو گیا۔" جوگیا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "پولیس اب خانہ پری کی خاطر تمہارا بیان لینے آئے گی۔ بوکھلانا مت، وہی بیان دینا جو سچ ہے۔ مرنے والا تمہارے پاس کچھ ضروری فائلیں دستخط کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ فائل کے بھیتر (اندر) جو مال مسالا تھا اسے تم نے جلا کر راکھ کر دیا، اب اس کو اپنی بدھی سے نکال دو۔ پولیس کے سامنے ان کاغذات کی بات بھول کر بھی نہ کرنا۔ نریش چندر کا نام بھی تمہاری زبان پر نہ آنے پائے ورنہ گتھی اور الجھ جائے گی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں لیکن کیا نریش چندر کو ——"

"میں نے کہا نا کہ ابھی اپنی زبان پر تالے ڈالے رکھو ——" اس نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔ "سمے کا انتظار کرو۔"

"کل رات منوالا کے دل و دماغ پر کون قابض تھا؟" میں نے پہلو بدل کر دریافت کیا۔

"میں ہی تھا ——"

"اور قریب کی قبر سے اچانک بھڑکنے والا وہ شعلہ ——"

"کیا کھوجنے کے لئے تمہارے من میں کھل بلی ہو رہی ہے؟" جوگیا نے مجھے تیز نظروں سے گھور کر سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ "غسل خانے میں منہ پر چھینٹا مارتے سمے تمہارے من میں جو کھد بد ہو رہی تھی، وہ میں جانتا ہوں لیکن ابھی ان باتوں کی تہہ میں ڈبکی مارو گے تو مکڑی کا جالا اور پھیل جائے گا۔ میں تمہارے سارے سوالات کے جوابات دوں گا۔ پر ابھی نہیں۔"

"تم نے کہا تھا کہ بچے کی آنکھ والا پراسرار پیپر ویٹ مجھے واپس کر دو گے۔" میں نے بات بدل کر کہا۔

"جہاں کھویا تھا وہیں کھوجنا پرنتو دو دن بعد۔" جوگیا نے کچھ توقف کے بعد خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ڈور کا وہ سرا جو میرے ہتھے نہیں چڑھ رہا، تمہاری پکڑ میں آ جائے ——"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ جوگیا کچھ محسوس کر کے چونکا، پھر پلک جھپکتے میں چھومنتر ہو گیا۔ اسی لمحے ماں ہاتھ میں صبح کا تازہ اخبار لئے داخل ہوئیں۔ میں ان کے چہرے پر بے چینی اور الجھن کے تاثرات دیکھتے ہی بھانپ گیا کہ وہ منیجر کی موت کی خبر اور اس کی تفصیل پڑھ کر مضطرب ہو رہی ہیں —— جوگیا نہ آتا، مجھے حالات سے باخبر نہ کرتا تو شاید اخبار میں منیجر سے متعلق موت کی خبر، اس کی تصویر اور تفصیل پڑھنے کے بعد میری بھی وہی کیفیت ہوتی۔

"کچھ خبر ہے تمہیں ——؟" ماں نے قریب آ کر اخبار میرے سامنے رکھتے ہوئے پریشان کن لہجے میں کہا۔ "ہمارا منیجر رضا کل رات اللہ کو پیارا ہو گیا۔ لیکن اس کی بیوی جو بیان دے رہی ہے وہ سمجھ میں نہیں آتا ——" ماں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "شاید بیوگی کے اچانک صدمے نے اس کے دل و دماغ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔"

میں نے اخبار اٹھا کر ایک سرسری نظر ڈالی۔ خبر کی تفصیل کے ساتھ مرنے والے کی آخری تصویر بھی شائع کی گئی تھی۔ میں نے ماں کی حالت کے پیش نظر ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''خدا غریق رحمت کرے مرنے والے کو، بڑا خاموش طبع، محنت کش اور دیانتدار کارکن تھا ہمارے ادارے کا۔'' میں نے ماں کے اندرونی کرب کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں، میں اس کی بیوہ اور گھریلو اخراجات کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔ ماہانہ وظیفہ مقرر کرنے کے علاوہ اس کی دیگر ضروریات کو فرم کے اکاؤنٹ سے پورا کیا جائے گا۔''

میں ماں کو تسلی دیتا رہا۔ شاید میرے منیجر کی موت کی خبر پڑھ کر ان کے زخموں پر جمی کھرنڈ کو ٹھیس پہنچی تھی۔ میں ماں کے ساتھ ناشتہ کرنے میں مصروف تھا جب علاقے کا ایس پی ایک انسپکٹر اور دو کانسٹیبلوں کے ہمراہ کاغذات کی خانہ پُری کرنے آ گیا۔ ایس پی میرا واقف کار تھا اس لئے اس نے زیادہ چھان بین نہیں کی، رسمی کاغذی کارروائی کے بعد اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایک بات میرے ذہن کو نہ جانے کیوں الجھا رہی ہے۔ جب پوسٹ مارٹم اور پولیس سرجن کی رپورٹ سے یہ بات واضح ہے کہ موت حرکت قلب بند ہونے سے واقع ہوئی ہے تو مرحوم کی بیوہ بار بار پولیس کو پراسرار ٹائپ کے بیانات دینے پر کیوں مصر ہے ـــــ؟ وہ ہمیں کیا باور کرانا چاہتی ہے؟''

''ہوسکتا ہے کہ حرکت قلب بند ہونے سے پیشتر مرنے والے پر جو سکراتی کیفیت طاری ہوئی ہو اس نے بیوہ کے ذہن کو شدید طور پر متاثر کیا ہو۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ''برسوں کی رفاقت کے بعد اچانک جدائی کا صدمہ ذہن کو اکثر اتنی شدت سے متاثر کرتا ہے کہ انسان بہکی بہکی باتیں شروع کر دیتا ہے۔ خاص طور پر ایک عورت کے لئے شوہر کی موت کا غم برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

''کیا آپ کبھی مرحوم کی بیوہ سے مل چکے ہیں؟''

''جی نہیں ـــــ''

''مرنے والے کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟ ـــــ وہ کسی الجھن یا پریشانی کا شکار تو نہیں تھا؟''

''میری معلومات کے مطابق بظاہر رضا صاحب نہ صرف یہ کہ بے حد دیانت دار، قابل اعتماد اور اپنے کام سے کام رکھنے کے عادی تھے بلکہ نہایت قناعت پسند اور منکسر المزاج طبیعت کے مالک تھے، ان کی تنخواہ بھی معقول تھی ـــــ انہوں نے فرم سے کبھی اپنی کسی

ضرورت کے پیش نظر کوئی ایڈوانس وغیرہ لینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔''

''آپ کی مرنے والے سے آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟'' ایس پی نے باہر پہنچ کر اپنی کار کے قریب رک کر دریافت کیا۔

''کل ہی کی بات ہے جب وہ حسب معمول دو تین ضروری فائلیں میرے دستخط کی غرض سے لائے تھے۔'' میں نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت بھی وہ بے حد مطمئن نظر آ رہے تھے۔''

''آپ کی والدہ کے مزاج اب کیسے ہیں؟''

''خدا کا شکر ہے کہ وہ صحت مند ہیں۔ ویسے علاج چل رہا ہے۔''

''آپ کی کار کو پیش آنے والے حادثے کا کیا بنا ـــــ؟'' ایس پی نے اچانک موضوع بدل کر پوچھا۔

''علاقہ پولیس ابھی تک چھان بین کر رہی ہے۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''میرے لائق کوئی خدمت ـــــ؟'' میں نے مسکرا کر رسمی انداز اختیار کیا۔

''اگر کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو زحمت دینے سے گریز نہیں کروں گا۔'' میں بھی جواب میں مسکرا دیا۔

پولیس پارٹی خانہ پری کرنے کے بعد چلی گئی تو میں اندر آ گیا جہاں ماں کے چہرے پر ابھی تک زخموں کو ٹھیس لگنے والی کرب کی کیفیت طاری تھی۔ میں نے ان کی توجہ ہٹانے کی خاطر دو چار رسمی باتوں کے بعد فاخرہ سے شادی کا مسئلہ چھیڑ دیا تو ان کی طبیعت رفتہ رفتہ معمول پر آنے لگی۔



ایک ہفتہ بیت گیا، میں نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ کاروبار کی دیکھ بھال بھی ضروری تھی۔

جوگیا کے کہنے کے مطابق دو روز بعد ہی وہ پراسرار پیپر ویٹ مجھے کپڑوں کی الماری میں اسی جگہ رکھا مل گیا جہاں سے غائب ہوا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس پیپر ویٹ سے اس بچے کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے جسے قدیم قبرستان کی ایک منہدم قبر سے پنجر کی شکل میں نکالا گیا تھا۔ جوگیا نے سوالا کی صورت میں بچے سے اس شخص کا نام معلوم کرنے کی بار بار کوشش کی تھی جس نے اس کی ماں کی زندگی کو کوئی روگ لگا دیا تھا۔ بچے کے چہرے پر منڈلانے والے خوفزدہ تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ مرنے کے بعد بھی وہ کسی ڈر سے اس ظالم کا نام زبان تک لانے سے گریز کر رہا تھا۔ جوگیا نے دوسری قبر سے اچانک بلند ہونے والے خطرناک شعلوں کے سلسلے میں بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ کچھ مصلحتیں اس کے پیش نظر ہوں گی جس کی بنا پر وہ کھل کر اس راز سے پردہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ ان شعلوں کی پشت پر رمیش کا ہاتھ کہیں نہ کہیں کسی طور ضرور شامل ہوگا۔

پیپر ویٹ کے سلسلے میں بھی میرے اصرار پر جوگیا نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ دو روز بعد مجھے واپس مل جائے گا۔ اس موقع پر اس کی زبان سے نکلا ہوا جملہ میرے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ ''ہوسکتا ہے کہ ڈور کا جو سرا میرے ہتھے نہیں چڑھ رہا، تمہاری پکڑ میں آ جائے۔'' اس جملے کے پیش نظر میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جوگیا ابھی تک اس بچے کی ماں کے ساتھ ظلم کرنے والے سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ شاید یہی وجہ تھی جو وہ لیت ولعل سے کام لے رہا تھا ورنہ میرے اندازے کے مطابق وہ رمیش کے مقابلے میں زیادہ پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ مگر کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی جو ابھی تک وہ کھل کر اس کے

مقابلے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔۔۔ ''وہ وجہ کیا تھی؟'' میں اسی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

جوگیا نے ماں کے باہر نہ نکلنے کی جو شرط عائد کی تھی اس کا وقت پورا ہونے میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ میں اس طرف سے مطمئن تھا کہ ماں نے جہاں دس روز تک میرے جھوٹ کے مطابق کسی ڈاکٹر کے کہنے پر عمل کیا تھا وہاں ایک روز اور اس کی ہدایت کا خیال رکھیں گی۔ میرے ذہن میں رمیش کی طرف سے البتہ بے شمار خطرات منڈلا رہے تھے۔ اس کی خاموشی بلا سبب نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے مجھے دو روز کا موقع دیا تھا لیکن مقررہ مدت گزرنے کے پانچ روز بعد بھی اس نے دوبارہ روبرو آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جوگیا نے دبی زبان میں اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ رمیش کی گندی قوتوں کے مؤکلوں نے اسے اس بات سے ضرور آگاہ کر دیا ہوگا کہ کوئی دوسری قوت میری اور میری ماں کی پشت پناہی بھی کر رہی ہے۔ جوگیا کے کہنے کے مطابق اگر اسے علم نہ ہوا ہوتا تو میرے آفس منیجر کی بجائے وہ خود اس فائل پر دستخط کرانے کی خاطر میرے سامنے آتا جو میری تباہی کا سبب ثابت ہوسکتی تھی۔

کار کے حادثے میں میرا ڈرائیور مفت میں مارا گیا تھا، رمیش نے وہ گندا عمل صرف مجھے مارنے کی خاطر کیا تھا۔ شاید اس وقت اس نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ میرے کانٹے کو ہمیشہ کے لئے اپنے راستے سے ہٹا دے۔ جوگیا نے بروقت میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ہسپتال کی بجائے قبرستان پہنچ گیا ہوتا لیکن ضرغام، گلزار خان اور منیجر رضا کی موت سے صاف ظاہر تھا کہ رمیش ہر اس گواہ کو ختم کرنے کی ٹھان چکا تھا جو اس کے خلاف زبان کھولنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ وہ اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ایک ہفتے تک رمیش کی خاموشی بھی میرے لئے تشویش کا سبب ثابت ہوتی رہی۔ اسے اگر جوگیا یا کسی ایسی طاقت کا علم ہو چکا تھا جو اس کے راستے میں حائل ہو رہی تھی تو پھر اس نے سامنے نہ آ کر یقیناً دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ حالات کے پیش نظر وہ کوئی اوچھا وار نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ اس کی ناپاک قوتوں کے موکل یقیناً دوسری طاقت کو بے نقاب کرنے کی خاطر دن رات کونا کونا جھانکتے پھر رہے ہوں گے۔ وہ ایک ایک کر کے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا رہا ہوگا، کسی پناہ گاہ میں اطمینان سے بیٹھا منصوبے بنا رہا ہوگا۔ اس کی جگہ

میں ہوتا تو شاید میں بھی کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ ایک عام مجرم بھی کوئی خطرہ بھانپ لینے کے بعد چوکنا ہو جاتا ہے، وہ تو رمیش تھا جو سفلی جیسے گندے عمل کا عالم ہونے کے علاوہ بھی کئی پر اسرار اور حیرت انگیز قوتوں کا مالک تھا ــــــ!

ساحل پر دوبدو میرے سامنے آنے کے بعد اس نے بڑی ڈھٹائی سے اپنے تمام جرائم کا اقرار کر لیا تھا، صرف میرے والد کی موت کی وجہ بتانے سے کترا گیا تھا۔ اس کی پشت پر بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس نے برسوں دیوی دیوتاؤں کو راضی کرنے کی خاطر بے شمار کٹھن اور جان لیوا جاپ کئے ہیں۔ اس کے قبضے میں بے شمار ناپاک اور گندی قوتوں کے کارندے موجود تھے جو اس کے سوا کسی اور کو نہیں نظر آتے تھے۔ اپنی قوت کا ایک مظاہرہ اس نے میری آنکھوں کے سامنے بھی کیا تھا۔ وہ زخم جس کا حوالہ گلزار خان نے روپ نگر میں دیا تھا وہ بھی رمیش کی شیطانی قوتوں کا ایک اہم ثبوت تھا۔ وہ زخم یقیناً اس کے خود پیدا کردہ تھے جن میں وہ خطرناک اور دھماکہ خیز کیڑوں کی پرورش کر رہا تھا جو اس کے کہنے کے بموجب اس کی زندگی کا قیمتی سرمایہ تھے۔ موت کی کئی خطرناک اور ہولناک وادیوں کو پھلانگنے کے بعد اس نے وہ مقام حاصل کیا تھا جس کا ایک ادنیٰ سا مظاہرہ بھی لوگوں کو حیرت زدہ کر دیتا تھا۔ وہ نہ جانے کتنی خطرناک، پراسرار، ناپاک اور ناقابل یقین قوتوں کا مالک تھا لیکن اس کے باوجود ابھی تک اس نے بھی خم ٹھونک کر جوگیا کے سامنے آنے کی بھول نہیں کی تھی ــــــ آخر کیوں؟ کیا وہ جوگیا سے خائف تھا؟ جوگیا کو اپنے مقابلے میں زیادہ قد آور سمجھ رہا تھا یا کوئی اور مصلحت تھی جو وہ ابھی تک درگزر سے کام لے رہا تھا؟

رمیش کے نادیدہ خطروں کی وجہ سے میں نے خود اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کا محتاط طریقہ اختیار کر رکھا تھا، مجھے صرف اپنے بوڑھے ڈرائیور پر اعتماد تھا جو نہ صرف پنج وقتہ نمازی اور پرہیز گار تھا بلکہ ہر وقت خود کو آیت الکرسی کے حصار میں رکھنے کا عادی تھا۔ اس کی یہ عادت والد صاحب کے زمانے سے تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ آیت الکرسی کا وظیفہ اسے خدا کے کسی برگزیدہ عالم نے بخشا تھا۔ دفتری معاملات اور کاروباری افراد سے ملتے جلتے وقت بھی میں ضرورت سے زیادہ چوکنا رہتا تھا۔

ایک ہفتے کے دوران جوگیا نے بھی مجھ سے کسی طور رابطہ قائم کرنے یا سامنے آنے کی

زحمت گوارا نہیں کی چنانچہ میری تشویش میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے فاخرہ کی طرف سے بھی فکر لاحق تھی۔ ماں نے بیگم نفیس سے مل کر شادی کی تاریخ پکی کر لی تھی اور بار بار مجھ سے شادی کارڈ چھپوانے کا تقاضہ کر چکی تھیں۔ میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے انہیں بہلاتا رہتا۔

جب انسان واہموں اور وسوسوں کا شکار ہو جائے، مذہب کی طرف پوری طرح راغب نہ ہو، اسے قادر مطلق کی لازوال قوتوں پر مکمل یقین اور اعتماد نہ ہو تو پھر وہ بھی پُرسکون نہیں رہ سکتا۔ میری بھی یہی کیفیت تھی۔ جوگیا نے واشگاف انداز میں کہا تھا کہ اگر میں نے اپنے والد کی موت کا معمہ حل کئے بغیر شادی کی تو فاخرہ زیادہ دنوں زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اس کی موت ناگہانی ہو گی۔ رمیش کا مشورہ اس کے برعکس تھا لیکن میں چونکہ جوگیا کے مشوروں پر عمل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اس لئے میری خواہش تھی کہ فاخرہ سے میری شادی اس وقت تک کے لئے ٹل جائے جب تک میں اپنے والد کے قاتل یا قاتلوں کو تلاش نہ کر لوں۔ میں والدہ کی خوشیوں کے آڑے بھی نہیں آنا چاہتا تھا اور شادی کر کے فاخرہ کی زندگی کو داؤ پر لگانا بھی میرے لئے ایک ایسا قبیح عمل ہوتا جو اس کی موت کی صورت میرے ضمیر کو مرتے دم تک کچوکے لگاتا رہتا۔

اس وقت میں دفتر میں بیٹھا کاروباری مصروفیات میں الجھا ہوا تھا جب گھر سے ماں کا فون آ گیا۔

"شادی کے کارڈوں کا کیا بنا؟ کب تک چھپ کر تیار ہوں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ دو چار دنوں میں مل جائیں گے۔" میں نے غیر یقینی انداز میں جواب دیا۔

"دانش ــــــ" ماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کہیں تم فاخرہ سے شادی کرنے سے ہچکچا تو نہیں رہے ہو؟"

"آپ نے اس بات کا اندازہ کس طرح لگا لیا؟" میں نے چونک کر کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم فرمانبردار بھی ہو اور ماں کی خوشیوں کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرو گے اسی لئے میں اس وقت فون پر تمہاری حتمی رائے دریافت کر رہی ہوں۔ تمہارے دل میں جو بھی ہے کھل کر صاف صاف کہہ ڈالو۔ میں وعدہ

کرتی ہوں کہ تم سے خفا نہیں ہوں گی ــــ یہ اور بات ہے کہ مجھے تمہارے انکار سے دکھ ضرور ہوگا۔"

"امی جان۔" میں نے تڑپ کر پوچھا۔ "خدانخواستہ اس وقت آپ کے دشمنوں کی طبیعت ناساز تو نہیں ہے جو آپ اس قسم کی گفتگو کر رہی ہیں؟"

"نہیں ــــ خدا کے فضل و کرم سے میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"پھر فاخرہ کے سلسلے میں آپ میری طرف سے کس وہم میں مبتلا ہیں؟"

"بات میرے وہم کی نہیں ہے دانش، تمہاری جانب سے ٹال مٹول کی ہے۔" ماں نے صاف گوئی سے مگر نرم لہجے میں جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم اگر چاہتے تو شادی کارڈ دو دن میں چھپ کر تیار ہو سکتے تھے ــــ میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟"

"آئی ایم سوری امی جان۔" میں نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے معذرت کی۔ "آپ مطمئن رہیں، کارڈ دو روز کے اندر اندر چھپ کر آپ تک پہنچ جائیں گے۔"

"بات صرف کارڈ کی نہیں، تمہاری ذاتی خوشی کی بھی ہے۔ ابھی وقت ہے دانش، تم اگر کسی وجہ سے ــــ"

"پلیز ــــ" میں نے ماں کا جملہ کاٹ کر سنجیدگی سے کہا۔ "جب آپ جانتی ہیں کہ آپ کی طرح میں بھی فاخرہ کو پسند کرتا ہوں تو پھر بلاوجہ اپنے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ کیوں لے رہی ہیں؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شادی میں ہم دونوں کی خوشیاں مشترک ہیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔"

ماں کی گفتگو نے میری پریشانیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ میں اقرار کر چکا ہوں کہ فاخرہ نہ صرف میری پسند تھی بلکہ میرے لئے زندگی کی بہترین ہم سفر بھی بن سکتی تھی لیکن میں اس کی زندگی کو جان بوجھ کر کسی خطرے سے دوچار کرنے سے گریز کر رہا تھا مگر ماں کے اصرار پر میں نے اسی شام دفتر سے واپسی پر کارڈ چھپنے کے لئے پریس کے حوالے کر دیئے۔

دو روز بعد کارڈ چھپ کر آ گئے تو دفتر کے ایک خوشخط کارکن کو گھر بلا کر مہمانوں کی فہرست اس کے حوالے کر دی گئی۔ میں حسب معمول کاروباری معاملات میں مصروف رہا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ رمیش کی طرف سے اختیار کی جانے والی خاموشی میری تشویش

میں روز افزوں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ جوگیا نے بھی براہ راست رابطہ قائم کیا تھا نہ کسی اور ذریعہ سے ملاقات کی کوشش کی تھی۔ منوالا کے ساتھ میری بے تکلفی برقرار تھی لیکن وقتی طور پر میں نے اس کے ساتھ کہیں باہر جانے کا سلسلہ منقطع کر رکھا تھا۔ اس کی ماں ایک دو دن چھوڑ کر برابر میری خیریت دریافت کرتی رہتی۔ اس کے ٹوٹے ہوئے دل میں ممتا کا وہ زخم پھر جاگ اٹھا تھا جو چھوٹے بیٹے کی موت کے بعد رفتہ رفتہ سرد پڑ رہا تھا۔ اس وقت بھی میں اسی سے بات ختم کر کے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کو نمٹانا چاہتا تھا کہ منوالا کمرے میں داخل ہوئی۔

"آپ ممی کی باتوں سے ڈسٹرب تو نہیں ہوتے؟" اس نے دبی زبان میں پوچھا۔

"پلیز ــــ" میں نے مصنوعی سرزنش کا انداز اختیار کیا۔ "آپ آئندہ میرے اور ممی کے معاملے میں دخل اندازی کی کوشش سے گریز کریں تو مناسب ہوگا۔"

"سوری سر ــــ" اس نے زیرلب مسکرا کر جواب دیا۔

"کیسے زحمت کی؟" میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سوری سر ــــ" منوالا نے بڑے دلبرانہ انداز میں دوبارہ معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت آپ کو صرف یہ یاد دلانے آئی ہوں کہ آج رات آپ کو ٹھیک نو بجے شری نریش چندر جی کے جنم دن کی پارٹی اٹینڈ کرنی ہے، جس میں صرف گنتی کے چند قریبی لوگوں کو بلایا گیا ہے۔"

"یہ پارٹی شاید ان کے گھر پر ہی ہوتی ہے۔" میں نے اپنی اطلاع کی خاطر دریافت کیا۔

"یس سر ــــ پچھلی بار آپ شہر میں موجود نہیں تھے اس لئے جنم دن کی پارٹی کے منورنجن میں بھاگ نہیں لے سکے تھے۔"

"شری نریش چندر جی ــــ جنم دن ــــ منورنجن ــــ بھاگ ــــ" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تم نے یہ ہندی کے الفاظ کہاں سے سیکھ لئے؟"

"اور بھی کئی شبد میری بدھی میں کسی پنچھی کے انوسار پھڑ پھڑا رہے ہیں پرنتو ان کا استعمال پھر کسی شبھ گھڑی پر کروں گی۔" منوالا نے مسکراتے ہوئے دو چار لفظ اور ادا کئے پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "میری بلڈنگ میں دو تین ہندو خاندان بھی آباد ہیں۔ انہی کی

زبانی سن سن کر سیکھ گئی ہوں۔''

''اور کوئی خاص بات ــــــ؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شوخی کا اظہار کیا۔

''پلیز سر ــــــ یہ آفس ہے۔'' اس نے کھنکھار کر دبی زبان میں کہا پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''میں نے سالگرہ کے اعتبار سے پھولوں کے گلدستے کا آرڈر بک کرا دیا ہے جو وقت سے کچھ پہلے مسٹر نریش چندر کے گھر پہنچ جائے گا۔ رہا کوئی مناسب گفٹ تو وہ آپ جاتے وقت کسی بھی گفٹ شاپ سے پسند کر کے پیک کرا سکتے ہیں۔''

میرے ڈائریکٹ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ منوالا اسی لمحے تیزی سے باہر نکل گئی۔

''ہیلو ــــــ دانش کبیر آن دی لائن ــــــ'' میں نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''میں نریش چندر بول رہا ہوں پتر۔'' دوسری جانب سے نریش چندر کی محبت بھری آواز ابھری۔ ''کیسے ہو؟ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''سب آپ جیسے بزرگوں کی دعائیں ہیں۔'' میں نے حسب معمول انکساری سے کام لیا۔

''آج رات کا کیا پروگرام ہے ــــــ؟'' مجھے سالگرہ پارٹی کے سلسلے میں ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا گیا۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے نریش چندر جی کہ آج مجھے آپ کے جنم دن کی خوشیوں میں شریک ہونا ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں شہر میں موجود ہوں اور آپ کے کسی نیوتے سے منہ موڑ سکوں؟''

''بھگوان تمہیں اور تمہاری ماتا جی کو ہمیشہ سکھی رکھے۔'' اس بار بھی بڑی اپنائیت کا اظہار کیا گیا۔ ''سورگ باشی کبیر جی کے ناتے سے تمہارا ابھی میرے اوپر بہت ادھیکار ہے۔ میرے ہوتے کسی بات کی چنتا مت کرنا۔ سیوا کا موقع ضرور دینا نہیں تو مجھے دکھ ہو گا۔''

''آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔'' میں نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ ''میرے پاس خدا کا دیا جو کچھ بھی ہے اس میں والد صاحب سے آپ کی دوستی اور میرے ساتھ آپ کی رہنمائی

کو بھی ہمیشہ بڑا دخل رہا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جو آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔''

''نہیں پتر نہیں ــــــ جہاں من ملے ہوں، گہرے سمبندھ ہوں، وہاں شکریے کی بات نہیں کرتے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے پتا نے میرے اوپر کتنے ابکار (احسان) کئے ہیں۔ میں اگر سارا جیون بھی تمہارے پریوار (خاندان) کی سیوا کرتا رہوں تب بھی ان کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا رہوں گا ــــــ وہ منش نہیں دیوتا تھے دیوتا۔ ایسے مہان پرش تھے جن کی بھگتی کرنا بھی میرے لئے دھرم سمان ہے۔'' نریش چندر نے بڑی سنجیدگی سے ٹھوس لہجے میں کہا پھر بولے۔ ''اپنی ماتا جی کو میرا پرنام کہنا۔ ہو سکے تو انہیں بھی ضرور ساتھ لانا۔''

''میں کوشش کروں گا۔ ویسے ڈاکٹر نے انہیں بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو ان کو تکلیف مت دینا۔''

کچھ دیر رسمی گفتگو کے بعد دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کیا گیا تو میرے ذہن میں ایک بار پھر وہ دستاویز ابھر آئی جس پر دستخط کر دینے کی صورت میں مجھے اور میرے کاروبار کو شدید دھچکا پہنچ سکتا تھا۔ نریش چندر کی پُرخلوص باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ نہ صرف میرے ہمدرد تھے بلکہ میرے مرحوم والد کے شکر گزار بھی تھے۔ 'اگر ان کی باتوں میں ریاکاری اور کسی سازش کی بجائے صرف محبت اور خلوص کا دخل تھا تو پھر وہ دستاویز کس نے اور کیوں تیار کی تھی؟ کیا نریش چندر کو اس دستاویز کے بارے میں مطلق کوئی علم نہیں تھا یا وہ کسی مجبوری اور دباؤ کے تحت کسی کے اُکسانے پر ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے جو جوگیا کی بروقت مدد نہ کرنے کی صورت میں میرے مستقبل اور کاروباری ساکھ دونوں پر اثر انداز ہو سکتا تھا ــــــ؟ سچ کیا تھا اور کیا جھوٹ؟'

میں خاصی دیر اس گتھی کو سلجھاتا رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ جوگیا نے ماں کے گھر سے باہر نکلنے کی جو مدت طے کی تھی اس کا وقت گزر چکا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے طے کر لیا تھا کہ ماں کو اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ میں انہیں ان تمام ذہنی پریشانیوں، خدشات اور ممکنہ خطرات سے بہت دور رکھنا چاہتا تھا جو میرے دل و دماغ میں کلبلا رہی تھیں۔

شام آٹھ بجے تک میں ماں کے ساتھ رہا۔ جب سے شادی کے کارڈ چھپ کر آئے

تھے، ماں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ جو کارڈ لکھے جا چکے تھے وہ تقسیم ہونا شروع ہو گئے۔ مہمانوں کی فہرست میں بار بار نظر ثانی کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ میرے سر پر سہرا دیکھنے کی خوشیوں نے ماں کو پھر سے جوان کر دیا تھا۔ ہمہ وقت وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف رہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ صرف شادی کے دن ہوٹل بک کیا جائے، باقی چھوٹی موٹی رسموں کی ادائیگی گھر پر ہی ہو۔ میں ہمیشہ ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا۔ ملازموں کی فوج ہر وقت ان کے حکم کی تعمیل میں مصروف ہوتی۔ ان کی خوشیوں میں میرا حصہ بھی برابر کا تھا۔ فاخرہ میری بھی پسند تھی لیکن میں جوگیا کی کہی ہوئی بات سے پریشان تھا۔

میں نے ماں کو نریش چندر کی سالگرہ میں جانے کے پروگرام سے آگاہ کر دیا تھا چنانچہ آٹھ بجے میں اپنی خوابگاہ میں آ کر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ نریش چندر کی کوٹھی بمشکل بیس منٹ کی ڈرائیو پر تھی اس لئے میں نے تیار ہو کر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے حلیے کا آخری جائزہ لیا پھر الماری سے اپنے مخصوص سینٹ کی شیشی نکال کر لباس کو مہکایا پھر شیشی واپس رکھتے وقت نہ جانے کیوں میرے ذہن میں بچے کی آنکھ والا پراسرار پیپر ویٹ ابھر آیا۔ میں نے غیر اختیاری طور پر اسے سگار بکس سے نکال کر دیکھا پھر اسے واپس رکھنے کی بجائے جیب میں ڈال کر باہر آ گیا۔ میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس پیپر ویٹ کو جیب میں رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی تھی لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ حرکت محض اتفاقیہ سرزد ہوئی تھی، اس میں میرے کسی ارادے کو مطلق کوئی دخل نہیں تھا۔

نو بجنے سے کچھ دیر پہلے میں ''گیتا بھون'' پہنچا تو نریش چندر اور ان کی دھرم پتنی نے وسیع و عریض لان پر لگے پنڈال کے باہر میرا استقبال کیا۔ میں پنڈال میں داخل ہوا تو وہاں کئی جانے پہچانے کاروباری چہرے نظر آئے۔ سالگرہ کا اہتمام حسب حیثیت کیا گیا تھا۔ ایک مختصر اسٹیج کو نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا جس پر شیشے کی قیمتی میز پر جنم دن کا کم از کم بیس پاؤنڈ کا کیک موجود تھا۔ میز کی پشت پر صرف دو صوفے رکھے تھے۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے لان پر میزیں اور کرسیاں موجود تھیں۔ پنڈال میں ہر طرف قیمتی جھاڑ فانوس اور رنگ برنگی لائٹس کے تیز روشنی والے بلب پورے ماحول کو جگمگا رہے تھے ـــــ اسٹیج کے بائیں طرف آرکسٹرا موجود تھا جس پر مدھم سُروں میں موقع کی مناسبت سے منتخب نغموں کی دھن بجائی جا رہی تھی۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے بیروں کی بجائے

خوبصورت لڑکیوں کا بندوبست کیا گیا تھا جو خالص ہندو تہذیب کے مختلف فرقوں اور ذات پات کی نمائندگی کی خاطر مختلف بھڑک دار لباس میں ملبوس مشروبات کی تھالی لئے میزوں کے گرد چکراتی پھر رہی تھیں۔ ہر تھال میں چونکہ مختلف مشروب اور ڈرائی فروٹس موجود تھے اس لئے ہر میز پر ایک لڑکی کا جانا ضروری تھا۔ مجھے یہ طریقہ کار بے حد رومانٹک اور نہایت حسین نظر آیا۔ لباس کے اعتبار سے سرو کرنے والی تقریباً ہم عمر لڑکیوں کے چہرے کا میک اپ اور ماتھے کی بندیا کے ڈیزائن بھی مختلف تھے۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کسی فیشن شو میں شرکت کی غرض سے بڑے اہتمام سے حصہ لے رہی تھیں۔ ان لڑکیوں کے علاوہ دس بارہ پروفیشنل بیرے بھی سفید یونیفارم میں ہاتھ باندھے موجود تھے جن کی ٹوپیوں پر بڑے خوبصورت انداز میں ''جنم دن مبارک'' تحریر تھا۔

مہمانوں کی تعداد متوالا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق کچھ زیادہ نہیں تھی پھر بھی عورتوں اور مردوں کو ملا کر سوسوا سو افراد ضرور ہوں گے۔ کسی میز پر چار اور کسی پر چھ مہمانوں کے بیٹھنے کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ آنے والے بیشتر کپلس بچے اور بچیاں تھیں اس لئے میں نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جس پر اس وقت صرف ایک آدمی موجود تھا۔ میں اس شخص سے واجبی طور پر واقفیت بھی رکھتا تھا۔ ایک دو بار سرسری طور پر ہماری ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ وہ چونکہ شہر کی سب سے بڑی اشتہاری کمپنی کا جنرل منیجر تھا اس لئے کاروباری حلقوں کا اس سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا لیکن بزنس کمیونٹی میں اسے پرتاپ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ بے حد اسمارٹ اور خوش پوش شخصیت کا مالک تھا۔ اس میز پر صرف چار مہمانوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ میں اس کے قریب گیا تو مجھے دیکھ کر وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہیلو مسٹر دانش۔'' اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے دبی زبان میں اپنی بذلہ سنجی کا ثبوت دیا۔ ''میرا یہ احساسِ کمتری آپ کو دیکھ کر دور ہو گیا کہ میں مہمانوں میں اب تک سنگل بیچلر تھا (واحد کنوارا)، اب ایک اور ایک گیارہ ہو گئے ـــــ خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''لیکن یہ خوشی ایک دو مہینے سے زیادہ نہیں رہے گی۔'' میں نے بھی مسکرا کر بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ ''آپ کا نام بھی مہمانوں کی لسٹ میں درج ہو چکا ہے۔ دو چار دنوں میں

انوی ٹیشن کارڈ بھی مل جائے گا۔

"پیشگی بدھائی سوئیکار کیجئے۔" پرتاپ نے دوبارہ ہاتھ ملا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اب آپ بھی اپنے لئے کوئی جیون ساتھی تلاش کر لیں ـــــ ایک ٹانگ پر کب تک گزارا کریں گے؟"

میرے اور پرتاپ کے درمیان اسی قسم کا ہلسی مذاق جاری تھا کہ جنم دن کا کیک کاٹنے کا اعلان کیا گیا۔ تمام مہمانوں نے تالیاں بجا کر نریش چندر اور ان کی دھرم پتنی کو مبارک دینی شروع کی جو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مختصر سے اسٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اسٹیج پر پہنچ کر نریش چندر نے بڑی انکساری سے ہاتھ باندھ کر تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا پھر کیک کاٹنے سے پہلے عقبی راستے سے ایک دراز قد پجاری اپنے مخصوص لباس میں اسٹیج پر آ کر اپنے ٹھیٹ لب و لہجے میں گیتا کا کوئی پاٹھ پڑھنے لگا۔

مہمانوں کی محفل میں خاموشی طاری ہو گئی لیکن میری نظریں اس ہٹے کٹے دراز قد پجاری پر مرکوز ہو گئی تھیں جو اپنی دھن میں مگن تھا۔ اس پجاری کو دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں۔ اگر میری نظریں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں تو اس کی شکل، قد و قامت اور چہرے کے ایک ایک خدوخال ہو بہو اس دراز قد پجاری سے ملتے جلتے تھے جسے میں خواب میں اس مجبور اور بے بس عورت پر تیل چھڑک کر آگ لگاتے دیکھ چکا تھا جو برہنہ حالت میں کسی زمین دوز تہہ خانے میں پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے جکڑ کر بڑی اذیت ناک حالت میں رکھا گیا تھا۔

میرے خون کی گردش ہر لمحہ تیز ہو رہی تھی۔ میرے خیال کے مطابق گیتا کا پاٹھ پڑھنے والا پجاری سو فیصد وہی تھا جسے میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔ میرے ذہن میں پھر بھونچال کی کیفیتیں پیدا ہونے لگیں ـــــ وہ پجاری کون تھا؟ اگر وہی تھا جو میں سمجھ رہا تھا تو پھر اس کا نریش چندر سے کیا تعلق تھا؟ ـــــ کیا اس دستاویز کی تیاری میں اس کا بھی کوئی عمل دخل تھا جس پر دستخط کر دینے کی صورت میں میری بربادی میرا مقدر بن جاتی ـــــ؟ کیا رمیش، نریش چندر اور وہ دراز قد پجاری سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے یا صرف رمیش کی ناپاک شیطانی قوتیں ان سب کو کٹھ پتلی کی طرح اپنے اشارے پر نچا رہی تھیں ـــــ خود وہ دور بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا؟ ـــــ "دستاویز کی تیاری میں اگر نریش چندر کا ہاتھ ہوتا تو وہ

اس پجاری کو میرے سامنے لا کر مجھے چونکانے کی کوشش کبھی نہ کرتا۔" میرے ذہن نے نریش چندر کے کسی سازش میں ملوث ہونے کی نفی کی۔ وہ بڑا تجربہ کار اور گھاگ قسم کا کاروباری آدمی تھا۔ اگر دشمن ہوتا تو میرے والد کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ والد کی موت کے بعد میری رہنمائی کبھی نہ کرتا ـــــ لیکن وہ ہٹا کٹا پجاری محض میرا وہم نہیں رہا تھا، حقیقت میں میری نگاہوں کے سامنے اسٹیج پر کھڑا نریش چندر کے جنم دن کے موقع پر گیتا کا پاٹھ پڑھ رہا تھا۔

دراز قد پجاری اپنا فرض پورا کر کے پھر پشت کے راستے سے پنڈال کی اوٹ میں چلا گیا۔ اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں خاموشی سے اس کا تعاقب ضرور کرتا، اس کا پتہ چلا لینے کے بعد بہت سے مسئلے حل ہو سکتے تھے، کئی رازوں سے پردہ اٹھ سکتا تھا لیکن میں اس وقت ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس کا پیچھا کر سکتا۔

نریش چندر نے اپنی دھرم پتنی کا ہاتھ تھام کر سالگرہ کا کیک کاٹا تو لوگوں نے کھڑے ہو کر تالیاں بجانی شروع کر دیں۔

"اگر میرا بس چلتا تو اس وقت میں مسٹر نریش کو گولڈن جوبلی شیلڈ بھی ضرور پیش کرتا۔" پرتاپ نے مجھے مخاطب کیا۔ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ میں اس کی بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا اس لئے دبی زبان میں اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔

"آپ شاید غلط حساب لگا رہے ہیں۔ نریش چندر جی آج اپنی پچاسویں نہیں، پچھترویں جنم دن کی خوشی منا رہے ہیں۔"

"میں نے جس گولڈن جوبلی شیلڈ کی بات کی تھی اس کا سمبندھ نریش چندر جی کے جنم دن سے نہیں بلکہ ان کی شادی سے تھا۔" پرتاب کے جواب میں بھی ہلکا سا طنز شامل تھا۔

"میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" میں نے بے تکلفی سے پوچھ ہی لیا۔ "اگر کوئی خاص بات نہ ہو تو مجھے بھی اس میں شریک کر لیں تاکہ میں بھی کسی شیلڈ کا اہتمام کر سکوں۔"

"حیرت ہے کہ آپ گھر کے بھیدی ـــــ میرا مطلب ہے کہ نریش چندر جی کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ ان میں اور ان کی دھرم پتنی کی پسند اور ناپسند میں دھرتی اور آکاش جتنا فرق ہے۔" پرتاپ نے لاپرواہی سے دوستانہ انداز

میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب اس جنم دن ہی کو لے لیجئے، یہاں پر دھوم دھڑ کے کے ساتھ ناچ گانے کا کچھ بندوبست بھی ہونا چاہئے تھا لیکن پنڈت پجاریوں نے شری متی جی کے کان میں ضرور کچھ جنتر منتر پڑھ کر پھونک دیا ہوگا کہ کیک کاٹنے سے پہلے گیتا کا پاٹھ پڑھنا زیادہ شبھ ہوگا ــــ اور اپنے نریش چندر جی نے شری متی کے کہنے کے انوسار پنڈت اور پجاریوں کو بھی نیوتا بھیج دیا۔'' پرتاپ نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے رازداری سے کہا۔ ''پچاس سال تک بیوی۔کے کہنے پر چلنے والے پتی کو کیا گولڈن جوبلی شیلڈ نہیں ملنی چاہئے ــــ؟''

''اوہ ــــ آئی، سی۔'' میں نے بظاہر مسکرا کر کہا۔ لیکن پرتاپ کی اس بات سے میں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس ہٹے کٹے پجاری کی گپتا بھون میں آمد کی پشت پر مسز نریش کی مرضی کو زیادہ دخل تھا۔

''آپ کی اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ پنڈت پجاریوں کے لئے منورنجن کا بندوبست دوسرے تمبو میں کیا گیا ہے۔'' پرتاپ نے شانے اچکا کر ایک بار پھر طنزیہ انداز اختیار کیا۔ ''پجاریوں کو ہم سے زیادہ پوتر سمجھا گیا ہے، شاید ہم ان کی پلیٹ کو ہاتھ لگا دیتے تو ان کا دھرم بھرشٹ ہو جاتا ــــ میں نے اسی کارن ابھی تک اپنا لگن منڈپ نہیں سجایا۔ آپ کو بھی یہی مشورہ دوں گا کہ اپنی ہونے والی مسز کو ٹھونک بجا کر اس بات کا وشواس پہلے سے ضرور کر لیجئے گا کہ کہیں وہ رنگ میں بھنگ ملانے والی نہ ہو۔''

''کیا آپ اس پجاری سے واقف ہیں جو ابھی اسٹیج پر آیا تھا ــــ؟''

پرتاپ کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اس کے ایک ملنے والے نے آکر بات وہیں ختم کر دی۔ پرتاپ اپنے ملنے والے کے ساتھ چلا گیا تو میں اپنی میز پر تنہا رہ گیا لیکن مجھے اس تنہائی کا احساس زیادہ دیر نہیں ہوا اس لئے کہ کھانا کھلنے کے اعلان کے ساتھ بیشتر مہمان اور خواتین اپنی اپنی میز سے اٹھ کر اس جانب بڑھنے لگے جدھر کھانے کا اہتمام تھا۔ باوردی بیرے اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ہجوم میں شامل ہو گیا۔ کئی واقف کاروں سے رسمی علیک سلیک ہوئی، کئی نئے لوگوں سے تعارف ہوا۔ دو چار باتوں کا تبادلہ بھی ہوا لیکن میرا ذہن برابر اسی دراز قد پجاری کے بارے میں غور کرتا رہا جو پرتاپ کی اطلاع کے مطابق اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ تمبو میں موجود تھا۔

اپنی پلیٹ تیار کر کے میں دوبارہ اپنی میز کی طرف بڑھ رہا تھا جب میں نے خلاف توقع منوالا کو پنڈال میں داخل ہو کر اپنی سمت آتے دیکھا۔ وہ اس وقت موقع کی مناسبت سے بڑے خوبصورت لباس میں نظر آ رہی تھی۔ میک اپ نے بھی اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

''تم ــــ'' وہ قریب آئی تو میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ ''کیا تمہیں بھی دعوت نامہ ملا تھا؟''

''جہاں اتنے سارے مہمان اکٹھے ہوں، وہاں ایک خوبصورت لڑکی کی جگہ بغیر انوی ٹیشن کے بھی نکل آتی ہے۔'' منوالا نے مسکرا کر پوچھا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے؟''

''کس کے بارے میں؟'' میں نے اسے چھیڑنے کی خاطر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''تمہارا سوال لڑکی سے متعلق ہے یا مہمان کے بارے میں دریافت کر رہی ہو؟''

''ایک سچی بات کہوں ــــ''

''کہو ــــ''

''دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کچھ زیادہ برے نہیں ہیں۔'' منوالا نے مسکرا کر کہا تو میں بھی بے اختیار ہنس دیا۔

منوالا کے آ جانے سے مجھے خوشی ہوئی۔ تنہائی کا وہ احساس جو کچھ دیر پہلے میرے ذہن پر مسلط تھا دور ہو گیا۔ نریش چندر اپنی مسز کے ساتھ مہمانوں کے درمیان گھوم گھوم کر ایک ایک کی خیریت دریافت کر رہے تھے، مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں راستے میں تحفہ پیک کرانا بھول گیا تھا۔ میں معذرت طلب کرنے کی خاطر الفاظ تراش رہا تھا کہ ایک بیرا ایک خوبصورت سا پیکٹ لئے میرے قریب آ کر رک گیا۔ منوالا نے بیرے کی جانب اشارہ کر کے مجھے آہستہ سے کہنی ماری تو میں اس کا مقصد سمجھ گیا۔ جلدی سے بیرے کے ہاتھ سے پیکٹ لے کر نریش چندر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''یہ میری طرف سے آپ کے جنم دن کا حقیر تحفہ ہے ــــ سالگرہ مبارک ہو۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی پتر، تم خود آ گئے یہی میرے لئے کم نہیں تھا۔'' انہوں نے رسمی طور پر کہا، پھر میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''تم نے بروقت میری عزت رکھ لی ورنہ بڑی شرمندگی اٹھانی پڑتی۔'' میں نے منوالا

سے کہا۔

"آپ نے بھی گھر سے نکلتے وقت جو اتفاقیہ حرکت کی تھی وہ اس وقت ہمارے بہت کام آئے گی۔"

"کیا مطلب ـــــ؟" میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"آپ اس پیپر ویٹ کو کیوں بھول رہے ہیں جو آپ کے کوٹ کی اندرونی جیب میں پڑا ہے؟"

"تم ـــــ" میں بری طرح چونک پڑا۔

"ناگ بچھو۔" منوالا نے سرسراتے لہجے میں جوگیا کا مخصوص کوڈ بیان کیا پھر بڑی گمبھیر سنجیدگی سے بولی۔ "ہوسکتا ہے کہ واپسی میں تم کو گھر کی بجائے کہیں اور جانا پڑ جائے۔ لیکن ہمت سے کام لینا، میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔ ایک بات اور سن لو، تمہارے اوپر جو بیتے گی اس میں میرا ہاتھ بھی شامل ہوگا، تم گھبرا مت جانا۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے میں نے......"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم شاید اس دراز قد پجاری کی بات کر رہے ہو جسے تم نے سپنے میں دیکھا تھا۔"

"ہاں ـــــ لیکن کیا اسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں بھی اس محفل میں شرکت کروں گا؟"

"دھیرج سے کام لو ـــــ میں نے جو جال بچھایا ہے اگر وہ اس میں پھنس گیا تو پھر اصل کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہوگا۔" منوالا نے مدھم لہجے میں کہا۔ "میں اسے یہاں تمہاری موجودگی کی اطلاع کسی اور زبان میں دے چکی ہوں، اگر میرا داؤ چل گیا تو سمجھو ڈور کا وہ سرا بھی میرے ہاتھ آ جائے گا جس کی مجھے ایک عرصے سے تلاش تھی۔"

میں منوالا کے روپ میں نظر آنے والے جوگیا سے اس کی بات کا مقصد دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ پشت سے کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو میں تیزی سے پلٹا، میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میرے سامنے وہی دراز قد ہٹا کٹا پجاری کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا جسے میں نے کیک کٹنے سے پیشتر گیتا کا پاٹھ پڑھتے دیکھتے تھا۔ پھر قبل اس کے کہ میں اس سے بے تکلفی سے کاندھے پر ہاتھ رکھنے کا

سبب دریافت کرتا اس نے سپاٹ اور سرد لہجے میں کہا۔

"اس روز تم ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئے تھے لیکن آج ایسا نہیں ہوگا۔"

"تم کس دن کی بات کر رہے ہو ـــــ؟" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ منوالا خاموشی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"پجاریوں سے پنجہ لڑانے کی بھول مت کر بالک۔" اس کے تیور خطرناک ہو گئے۔ "سیدھی طرح بتا دے کہ اس سنپولیے کی دوسری آنکھ کہاں ہے؟"

"تم کس سانپ اور سنپولیے کی بات کر رہے ہو ـــــ؟" میں نے اسے نفرت سے گھورا۔

"سانپ تو دو ڈھائی سال پہلے ہی کچلا جا چکا۔ میں اس سنپولیے کی بات کر رہا ہوں جس کی دوسری آنکھ نے اس روز تجھے ہمارے چنگل سے بچا لیا تھا۔" دراز قد پجاری نے مجھے شعلہ بار نظروں سے گھورا۔ "آج میں تجھے بھاگنے کا راستہ نہیں دوں گا۔ مکتی چاہتا ہے تو سیدھی طرح میری بات مان لے۔"

"تمیز سے بات کرو ـــــ" میں نے مٹھی بھینچ کر اسے جھڑکی دی۔ "تم شاید کسی اور کے دھوکے میں مجھ سے بلاوجہ الجھ رہے ہو۔"

"پجاری کو چکر دینے کی غلطی کر رہا ہے؟ ـــــ کیا جیون سے من بھر چکا ہے تیرا؟"

"میرا خیال ہے کہ تم نے اس وقت ضرورت سے زیادہ بھنگ پی رکھی ہے جس کے نشے میں الٹی سیدھی ہانک رہے ہو ـــــ"

دراز قد پجاری مجھے ایک لمحہ تک حقارت بھری نظروں سے دیکھتا رہا، پھر اس کی نظریں اچانک اس انداز میں چمکنے لگیں جیسے اس نے کوئی گمشدہ خزانہ تلاش کر لیا ہو۔

"میری آنکھیں تیرے من کو ٹٹول چکی ہیں۔" اس نے اس بار خونخوار انداز میں کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ اس سنپولیے کی دوسری آنکھ تیرے کوٹ کی اندرونی جیب میں موجود ہے، اب بھی میرا کہا مان لے مورکھ، اسے چپکے سے نکال کر میرے حوالے کر دے نہیں تو تیری کھاٹ کھڑی ہونے میں زیادہ سے نہیں لگے گا ـــــ سمجھ رہا ہے میری بات؟"

میں دراز قد پجاری کی بات سن کر چونکا۔ میں نے نظریں گھما کر منوالا کو دیکھا لیکن وہ دور دور تک نظر نہیں آئی۔ میں سمجھ گیا کہ جوگیا کی پراسرار قوت ہی نے پجاری کی رہنمائی کی

ہو گی ـــــ مگر کیوں؟ اس کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟

"سوچ بچار میں سمے برباد مت کر۔" پجاری کا لہجہ اور درشت ہو گیا۔ "تو نے شرافت سے میری بات نہ مانی تو مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

میں ابھی جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ پجاری میری جانب تیزی سے لپکا۔ اسی لمحے اچانک بجلی چلی گئی جس سے عورتوں اور بچوں نے شور وغل شروع کر دیا۔ میں پجاری کے سامنے سے ہٹنے کی خاطر تیزی سے بائیں جانب لپکا، اسی لمحے کسی کی کربناک چیخ کی آواز میرے قریب سے ابھری، انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کی زندگی کی آخری چیخ ہو۔ مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی، کوئی مجھ سے پوری شدت سے ٹکراتا ہوا گزرا تو میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، اندھیرے میں کسی کرسی سے ٹکرا کر کسی تڑپتے ہوئے جسم پر گرا۔ میرے ذہن میں بے شمار خدشات ابھر کر گڈمڈ ہونے لگے، میرا ہاتھ کسی چپچپی شے پر پڑا تو میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ چیخنے والے کے جسم سے بھل بھلاتا ہوا خون تھا جس میں ابھی معمولی حرارت موجود تھی۔

لوگوں کا شور وغل بڑھتا جا رہا تھا جب اچانک ساری لائٹس روشن ہو گئیں۔ میرا اندازہ غلط نہیں نکلا، میں اس وقت پجاری کے جسم پر الٹا سیدھا پڑا تھا اور اس کے جسم سے ابلتا ہوا خون میرے کپڑے رنگین کر رہا تھا۔ پجاری کے سینے میں ایک چاقو عین دل کے مقام پر دستے تک پیوست تھا۔ عورتوں نے اس صورت حال کو دیکھ کر چیخنا شروع کر دیا۔ میں بوکھلا کر اٹھا۔ میرے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے تھے۔ نریش چندر بھی بوکھلائے ہوئے نظر آ رہے تھے البتہ ان کی پتنی کی آنکھوں سے نفرت جھلک رہی تھی۔

"کلجگ ہے کلجگ۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔ "اب تو لوگ پنڈت پجاریوں کو بھی اپنی نفرتوں کا نشانہ بنانے لگے۔"

میں بری طرح بوکھلا کر رہ گیا تھا، بہت سارے مہمانوں نے مجھے پجاری سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ میرے چہرے، لباس اور ہاتھوں پر خون کے چھینٹے بھی اس بات کی گواہی دینے کے لئے کافی تھے کہ پجاری کے ممکنہ قاتلوں میں سے قانون کا شبہ سب سے پہلے میری ذات پر ہو گا۔

"یہ ـــــ یہ کیا ہو گیا پتر ـــــ؟" نریش نے میرے قریب آ کر سہمے ہوئے لہجے میں

پوچھا۔

"میں خود بھی حیران ہوں انکل کہ اچانک یہ سب کیسے ہو گیا؟"

"کیا تم نے ـــــ؟"

"نہیں انکل نہیں ـــــ" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "آج سے پہلے تو میں نے اس پجاری کو کبھی دیکھا تک نہیں تھا۔ اور پھر کسی پجاری سے میرا واسطہ بھی کیا ہو سکتا ہے۔"

اچانک قانون کے رکھوالے آ گئے۔ کسی نے فون پر حادثے کی اطلاع دے دی ہو گی۔ بات چونکہ نریش چندر کے گھر کی تھی اس لئے پولیس کے بڑے افسروں نے بھی ان کے گھر پہنچنے میں خاصی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ضابطہ کی کارروائی کے طور پر مہمانوں کا بیان لیا گیا۔ سب نے یہی کہا کہ مرنے والا پجاری میرے ساتھ باتوں میں مصروف تھا جب بجلی چلی گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ کوئی نہ دیکھ سکا، حقیقت بھی یہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو میرے ساتھ تھانے تک چلنے کی زحمت گوارا کرنی پڑے گی۔" ایک ڈی ایس پی نے مجھے مخاطب کیا۔

"آپ کس پر شبہ کر رہے ہیں مسٹر اگروال؟" نریش چندر نے ڈی ایس پی سے پوچھا۔

"ابھی وشواس سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" ڈی ایس پی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ پھر سب سے پیشتر پجاری کو ہسپتال روانہ کر دیا اور میرے علاوہ دو تین افراد کو بھی ساتھ لے کر تھانے کی سمت روانہ ہوا۔ نریش چندر میرے ساتھ ساتھ تھے۔

"تم کوئی چنتا نہ کرنا پتر۔" انہوں نے مجھے تسلی دی۔ "میں تمہیں ساتھ لے کر ہی واپس آؤں گا۔"

"انکل ـــــ" میں نے مدھم لہجے میں کہا۔ "اگر یہ خبر اخبار میں آ گئی تو ـــــ"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں پرنتو تم شانت رہو۔ تمہارے علاوہ مجھے اپنی عزت اور ساکھ کا بھی خیال ہے۔"

پولیس اسٹیشن پہنچ کر ڈی ایس پی نے مجھ سے سوالات شروع کر دیئے۔ اس کا لہجہ مہذب ہی تھا۔ شاید اس لئے کہ نریش چندر کے علاوہ دو تین اور معزز کاروباری حضرات بھی موجود تھے۔ ساری کارروائی ایک علیحدہ بند کمرے میں ہو رہی تھی۔ کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکا تھا

کہ ہمیں وہاں ایک پجاری پر جان لیوا حملے کے سلسلے میں لایا گیا تھا۔ میرا یہ بیان ڈی ایس پی کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا کہ نریش چندر کے جنم دن کے موقع پر ہی میری اور پجاری کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

''کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔۔۔۔؟'' ڈی ایس پی نے گھما پھرا کر پھر وہی سوال کیا۔

''جی نہیں۔۔۔۔ وہ سالگرہ کے موقع پر پہلی بار مجھ سے ملا تھا۔''

''وہ آپ سے کیا چاہتا تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ مجھ پر اپنے کسی واقف کار کا شبہ کر رہا تھا۔'' میں نے کسمسا کر کہا۔ ''میں خود بھی نہیں سمجھ سکا کہ وہ جس چیز کا مطالبہ کر رہا تھا اس کی کیا حقیقت تھی۔''

''آپ نے بتایا نہیں کہ وہ آپ سے کس چیز کا مطالبہ کر رہا تھا؟'' ڈی ایس پی نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔

''وہ۔۔۔۔ وہ کسی بچے کی دوسری آنکھ کا مطالبہ کر رہا تھا۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیا۔ ''اس کا خیال تھا وہ آنکھ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں موجود ہے۔''

''کیا آپ نے اسے کوٹ کی جیب دکھائی تھی؟''

''میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی اس لئے کہ وہ بار بار جس چیز کا مطالبہ کر رہا تھا اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ کسی ذہنی فتور میں مبتلا ہے۔'' میں نے نہایت اطمینان سے جواب دیا اس لئے کہ میں نے پنڈال میں روشنی ہونے کے فوراً ہی بعد اپنی اندرونی جیب ٹٹول لی تھی، پراسرار پیپر ویٹ وہاں موجود نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جوگیا کی پراسرار قوت نے اسے پھر میری ذات سے علیحدہ کر دیا ہوگا۔ ایک موقع پر اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ پراسرار پیپر ویٹ ہی بساط کا سب سے اہم مہرہ ہے۔

''کیا میں آپ کی جامہ تلاشی لے سکتا ہوں۔۔۔۔؟'' ڈی ایس پی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''یہ میرے ایک معزز مہمان کی توہین ہوگی۔'' نریش چندر نے احتجاج کیا۔ ''جو کچھ ہو چکا اس میں کسی اور دشت کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے آپ درست فرما رہے ہوں لیکن مجھے ضابطے کی کارروائی کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔'' ڈی ایس پی نے انکساری سے کام لیا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے براہِ راست ڈی ایس پی کو مخاطب کیا۔ ''آپ میری اجازت سے میری جامہ تلاشی لے سکتے ہیں۔''

نریش چندر نے پھر کوئی احتجاج کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے اشارے سے روک دیا۔ ڈی ایس پی نے تمام معزز لوگوں کے سامنے میری جیبوں سے ایک ایک چیز نکال کر دیکھی لیکن اسے کوئی قابل اعتراض شے نہیں ملی۔

''حیرت کی بات ہے۔'' اس نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ ''کچھ روز پیشتر ہی میری اطلاع کے مطابق آپ کا ایک آفس منیجر دنیا سے سدھار گیا اور آج ایک پجاری کام آ گیا۔''

''بھگوان کے کاموں میں منش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔'' ایک کاروباری شخص نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

ڈی ایس پی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایک پولیس انسپکٹر نے کمرے میں داخل ہو کر کوئی کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس کاغذ کے ایک کونے پر بھی مجھے خون کا دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''کیا یہ بیان اس نے ڈاکٹروں کی موجودگی میں دیا ہے؟'' ڈی ایس پی نے براہِ راست انسپکٹر سے دریافت کیا۔

''یس سر۔۔۔ میں نے گواہوں کے طور پر ان کے دستخط بھی حاصل کر لئے ہیں۔'' انسپکٹر نے کاغذ پر ایک دو جگہ نشاندہی کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''خود میں بھی عینی شاہد ہوں۔''

''اب کیا ہو گیا۔۔۔۔؟'' نریش چندر نے بے چینی سے پوچھا۔

''آپ خوش قسمت ہیں کہ زخمی ہونے والے پجاری نے ہوش میں آ کر اپنا بیان دے دیا ہے۔'' ڈی ایس پی نے مجھے مخاطب کیا۔ ''ڈاکٹروں کی گواہی اور ہمارے انسپکٹر کے تیار کردہ بیان کے مطابق پجاری نے بھی یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے آپ پر بھول سے کسی دوسرے کا شبہ کر لیا تھا۔''

''اس پر حملہ کس نے کیا تھا؟'' نریش چندر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوال کیا۔

''بیان کے مطابق پجاری نے کسی ذاتی وجوہ کی بناء پر خودکشی کی کوشش کی تھی۔'' ڈی ایس پی نے کاغذ پر ایک نظر ڈال کر جواب دیا پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ

آپ حضرات کو زحمت اٹھانی پڑی۔ آپ اب جا سکتے ہیں۔"

"جانے سے پیشتر آپ کو ہمارے ساتھ ایک معاہدہ کرنا ہوگا۔" نریش چندر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "اگر اخبار والوں کو ہمارے تھانے لائے جانے کی بھنک ملی یا کوئی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو ہم اپنی ایسوسی ایشن (ASSOCIATION) کی طرف سے پولیس محکمے پر کیس بھی کر سکتے ہیں، یہ ہماری عزت اور ساکھ کا معاملہ ہے جسے کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔"

"میں بات کی نزاکت کو سمجھ رہا ہوں۔" ڈی ایس پی نے اٹھ کر نریش چندر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں، اخبار والوں کو ان تمام معاملات سے دور ہی رکھا جائے گا۔"

"پجاری کا کیا بنا ——؟" اس بار نریش چندر نے انسپکٹر سے دریافت کیا۔ "وہ مورکھ زندہ ہے یا پرلوک سدھار گیا؟"

"فی الحال اس پر بے ہوشی طاری ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ "اس کے مرنے یا جینے کے بارے میں پولیس کی بجائے ہسپتال کے ڈاکٹر ہی کوئی یقینی بات بتا سکتے ہیں۔"

نریش چندر ہمیں ساتھ لے کر باہر آ گیا پھر اس کے گھر پہنچ کر جب میں نے جانے کی اجازت طلب کی تو اس نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ "میں تم سے شرمندہ ہوں پتر —— مجھے شما کر دینا۔ تمہارا اپمان میرے گھر پر ہوا اس کے لئے میں سارا جیون دکھی رہوں گا ——"

"اس میں آپ کا کیا دوش ہے انکل ——" میں نے کہا۔ "ہونی تو ہر حال میں ہو کر رہتی ہے۔"

میں گھر جانے کے لئے روانہ ہوا تو میرے دل و دماغ میں پھر کھد بد شروع ہو گئی۔ میرا جیب میں پراسرار پیپر ویٹ کو رکھنا محض ایک اتفاقیہ عمل نہیں تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید وہ دراز قد پجاری وہاں موجود نہ ہوتا۔ منوالا نے بھی دفتر میں روز مرہ کے پروگرام بتاتے وقت صرف نریش چندر کے جنم دن میں میری شرکت کا حوالہ دیا تھا لیکن وہ بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا اس میں کسی نہ کسی پہلو سے جوگیا کی ماورائی قوتوں کا دخل ضرور تھا۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے پارٹی سے کہیں اور بھی جانا پڑے گا۔ مجھے تھانے تک جانا پڑا لیکن پجاری کے

زندہ بچ جانے سے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ جوگیا ڈور کے سرے کی تلاش میں تھا۔ "تو کیا ڈور کا سرا اسے دراز قد پجاری کے روپ میں مل گیا تھا؟ —— میرے والد کے پراسرار معمے کا دراز قد پجاری سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ پرتاپ نے مجھے یہ بات کیوں بتانے کی زحمت گوارا کی تھی کہ نریش چندر کی بیوی کا پنڈت پجاریوں سے میل جول زیادہ ہے جبکہ نریش چندر کو دھرم سے کچھ زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ کیا نریش چندر کی بیوی بھی ڈور کا ایک سرا ہو سکتی تھی؟" رمیش کی طویل خاموشی بھی مجھے کھل رہی تھی۔ اس نے مجھے صرف دو روز کی مہلت دی تھی لیکن کئی دن گزر جانے کے باوجود اس نے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ 'کیا اسے علم ہو گیا تھا کہ جوگیا کی قوت میری پشت پناہی کر رہی تھی یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر وہ مجھے ڈھیل دے رہا تھا ——؟'

میں گھر پہنچا تو صرف ملازم جاگ رہا تھا۔ ماں سونے کے ارادے سے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ میں بھی اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ واش روم سے لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو میری نگاہیں یکلخت بچے کی ایک آنکھ والے پیپر ویٹ پر پڑیں جو ڈریسنگ ٹیبل پر موجود تھا۔ میرا خیال تھا کہ جب میں اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا اس وقت وہ وہاں نہیں تھا۔ ممکن ہے جلدی میں، میں اسے نہ دیکھ سکا ہوں۔ بہرحال میں نے اس پیپر ویٹ کو آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔ دروازے کو حسب معمول اندر سے بند کرنے کے بعد میں بستر پر نیم دراز ہو کر بچے کی آنکھ کو دیکھنے لگا جو بظاہر بے جان نظر آ رہی تھی لیکن جوگیا نے اس کے بارے میں یہی کہا تھا کہ وہ کسی مُردہ بچے کی ایک زندہ آنکھ ہے۔ میں اس پیپر ویٹ کو بغور دیکھنے میں مصروف تھا جب فون کی گھنٹی بجی، میں نے دوسری آواز پر اسے اٹھا لیا۔ دوسری جانب سے منوالا کی مانوس آواز ابھری۔ اس نے جوگیا کے بتائے ہوئے مخصوص کوڈ کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا۔

"تھانے پر تمہیں زیادہ پریشان تو نہیں کیا گیا ——؟"

"نہیں، لیکن ——"

"چنتا مت کرو ——" دوسری جانب سے میرا جملہ کاٹ کر کہا گیا۔ "دراز قد پجاری مرنے سے بال بال بچ گیا۔ وہ مر جاتا تو شاید تمہاری پریشانی اور بڑھ جاتی۔"

"پجاری پر قاتلانہ حملہ کس نے کیا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ دوسرا پجاری تھا جو تاریکی میں وار کرتے ہی نکل گیا تھا۔"

"دوسرا پجاری ——؟" میں چونکا۔ "کیا دوسرے پجاری سے تمہاری مراد وہ پجاری ہے جسے میں خواب میں دراز قد پجاری کے ہمراہ دیکھ چکا تھا؟"

"ہاں —— وہی تھا ——"

"لیکن اس نے اپنے ساتھی کو ہلاک کرنے کی کوشش کیوں کی؟"

"ابھی اس الجھن میں مت پڑو۔" منوالا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "پرنتو جو بھی ہوا اچھا ہوا۔ دوسرے پجاری کا بچ کر نکل جانا بھی ہمارے کام آ سکتا ہے۔"

"مجھے اب کیا کرنا ہے؟" میں نے قدرے بے چینی کا اظہار کیا۔ "فاخرہ کی شادی کارڈ تقسیم ہونا شروع ہو چکے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں —— لیکن بھاگ کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے ——؟"

"کیا مطلب ——؟" میں نے چونک کر دریافت کیا۔

"میں اب بھی وہی کہوں گی جو تم سے پہلے کہا جا چکا ہے۔" منوالا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمہارے پتا کی موت کا کارن معلوم ہو گیا اور اصل قاتل سامنے آ گیا تو بات بن بھی سکتی ہے، دوسری صورت میں سندری فاخرہ بھی کسی ناگہانی موت ——"

"کیا تم بھی اسے نہیں بچا سکتے ——؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"بچانے والا نیلی چھتری پر بیٹھا ہے۔ جیون کی ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جب چاہے اسے توڑ دے۔ منش اس کے فیصلوں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کیا یہ شادی کسی طرح اس وقت تک کے لئے ٹل نہیں سکتی جب تک میرے والد کی موت کا معمہ حل نہ ہو جائے؟"

"اوپر والے سے پرارتھنا کرو، وہ چاہے تو مرے ہوئے کو بھی دوبارہ جیون دان کر سکتا ہے۔"

میں اس کے جواب پر تلملا کر رہ گیا۔

"ہاتھ ملنے سے کچھ پراپت نہیں ہو گا۔" منوالا نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "جو بھاگ میں لکھا جا چکا ہے اسے دھرتی کی کوئی شکتی بدل نہیں سکتی۔"

"کیا ڈور کا وہ سرا تمہارے ہاتھ آ گیا جس کی تمہیں تلاش تھی؟" میں نے بات کا رخ

بدل دیا۔

"ابھی سرا نہیں ملا، پرنتو ڈور ضرور ہاتھ آ گئی ہے۔ سرے کی تلاش میں ابھی کچھ اور پاپڑ بیلنے ہوں گے۔"

"رمیش کی خاموشی کے بارے میں کیا کہو گے؟" میں نے پوچھا۔ "اس نے مجھے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی خاطر صرف دو دن کی مہلت دی تھی۔"

"وہ بڑا چتر چنڈال ہے —— کسی گپھاہ پاتال میں چھپ کر پیچ لڑا رہا ہے۔" منوالا بولی۔ "تم لاپرواہ مت ہو جانا، اس کے جنتر منتر کے بیر (موکل) اس شکتی کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہیں جس نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔"

"کیا تمہاری شکتی بھی اسے نہیں کھوج سکتی ——؟" میں نے قدرے جھلا کر پوچھا۔

"کل پورن ماشی کی شبھ رات ہے ——" منوالا نے میری بات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "سگار بکس کے اندر تمہیں سفید رنگ کا ایک انمول موتی رکھا ملے گا۔ میری بات دھیان سے سنو، پورن ماشی کی رات بڑی شبھ ہوتی ہے، منش آنکھ کھلی رکھے تو اس رات میں بہت کچھ پا سکتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ڈور کا جو سرا میرے ہاتھ آتے آتے رپٹ جاتا ہے ہو سکتا ہے تمہاری پکڑ میں آ جائے۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تم بار بار اس جملے کو کیوں دہرا رہے ہو ——؟"

"شریر اور آتما میں دھرتی اور آکاش جیسا فرق ہوتا ہے۔" منوالا نے پھر گول مول انداز میں جواب دیا۔ "جہاں تک آتما کی پہنچ ہوتی ہے وہاں منش نہیں پہنچ سکتا۔ پرنتو کبھی اس کا الٹ بھی ہوتا ہے —— جہاں منش پہنچ جاتا ہے وہاں آتما نہیں جا سکتی۔"

"میں سمجھا نہیں ——؟" میں نے کسمسا کر پوچھا۔

"ابھی تک میری نظریں بھی گھپ اندھیروں کے اس پار نہیں دیکھ سکیں۔ کچھ کانٹے دار جھاڑیاں میرے راستے میں آڑے آ رہی ہیں۔"

"بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی ——" میں قدرے جھلا گیا۔

"کھوپڑی کی گرمی پر قابو پانے کی عادت ڈالو نہیں تو اور بھٹک جاؤ گے۔" منوالا نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "کل کی رات تمہارے لئے بہت شبھ ہو سکتی ہے۔ ہٹا کٹا پجاری بھی تمہارے ہی کارن میرے ہاتھ آ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ کل رات بھی تمہاری اچھل کود

میرے راستے کے کانٹے ہٹا دے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی سے سنتا رہا۔

"پورن ماشی کا چندرما جب بیچ آکاش پر چمکنے لگے تو سفید موتی اٹھا کر منہ میں رکھ لینا۔" منوالا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "بالک کی زندہ مُردہ آنکھ والا پیپر ویٹ جیب میں رکھ کر گھر سے نکلنا ــــــ سن رہے ہو دھیان سے میری بات؟"

"مجھے کہاں جانا ہوگا ــــــ؟"

"جدھر بھی بالک کی بیاکل آتما لے جائے۔ پرنتو اس بار زبان کھولنے کی بھول مت کر بیٹھنا ورنہ میری شکتی بھی تمہاری کوئی سہائتا نہیں کر پائے گی۔"

"دوسرا اپجاری کہاں ہے ــــــ؟" میں نے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"نرکھ میں ــــــ" منوالا جھلا کر بولی۔ "جتنا کہا جا رہا ہے کیول اتنا سنو۔ لمبی چھلانگ لگانے کی کوشش کرو گے تو کسی کھائی میں منہ کے بل گرو گے۔"

پھر دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میں ریسیور رکھ کر بستر سے نیچے آ گیا۔ بچے کی آنکھ والا پراسرار پیپر ویٹ کپڑوں کی الماری میں رکھنے کے بعد میں نے سگار بکس کو کھول کر اس کی تلاشی لی، سرخ کاغذ کو بھی الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن، سفید موتی یا اس سے ملتی جلتی کوئی اور شے کہیں نہیں ملی۔ میں الماری بند کر کے دوبارہ بستر پر آ گیا۔ کمرے کی روشنی بجھانے کے بعد میں نے بیڈ سوئچ کے ذریعے نائٹ بلب آن کیا پھر آنکھیں بند کر لیں، غنودگی کی بڑھتی ہوئی کیفیت میں بھی گزری ہوئی باتیں کچھ دیر تک میرے ذہن میں ابھرتی ڈوبتی رہیں، پھر نیند کا غلبہ ایسا طاری ہوا کہ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

دوسرے روز ناشتے کی میز پر میں نے صبح کے اخبارات الٹ پلٹ کر دیکھ ڈالے۔ مجھے خوشی تھی کہ نریش چندر کے جنم دن کی پارٹی میں ہونے والے اس حادثے کا کوئی ذکر موجود نہیں تھا جس نے مجھے پولیس اسٹیشن تک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اتنے غور سے کیا خبر تلاش کر رہے ہو ــــــ؟" ماں نے مجھے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔

"کل رات والی سالگرہ پارٹی کی تصویریں تلاش کر رہا ہوں۔" میں نے دروغ گوئی سے کام لیا پھر اخبارات ایک طرف سرکا دیئے۔

"جمعہ والے دن تمہارا کوئی خاص پروگرام تو نہیں ہے ــــــ؟"

"میرے لائق کوئی خدمت ــــــ؟"

"بیگم نفیس نے تمہیں بلایا ہے۔" ماں نے بڑے پیار سے کہا۔ "وہ شاید تمہیں شادی کے جوڑے کی خاطر اپنے ہمراہ لے جانے کی خواہشمند ہیں۔"

"آپ بھی ساتھ چلیں تو فاخرہ کو لے جانے پر انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"بری بات ہے دانش ــــــ اب تم بڑے ہو گئے ہو، بچوں جیسی باتیں نہ کیا کرو۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ بچے بوڑھے ہو جانے کے بعد بھی ماں باپ کے لئے بچوں ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔"

"کل مجھے بھی بازار جانا ہے۔" ماں نے کہا۔ "تم دفتر پہنچ کر گاڑی بھیج دینا۔"

"بہت بہتر ــــــ"

میں ناشتے سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کرنے کی غرض سے دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ میرے ذہن میں ماں سے ہونے والی گفتگو کے بعد فاخرہ کا خیال پھر مجھے پریشان کرنے لگا۔ وہ ماں کے علاوہ میری بھی پسند تھی۔ میں نے ذہنی طور پر ایک عرصے سے اسے اپنے دل کے نہاں خانوں میں بسا رکھا تھا لیکن جوگیا نے جس خدشے کا اظہار بار بار کیا تھا وہ میرے لئے یقیناً پریشان کن تھا۔ شادی کے کارڈ کی تقسیم ہو جانے کے بعد اس کا ملتوی کر دینا نہ صرف محال تھا بلکہ بدنامی کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

دفتر پہنچنے کے بعد بھی میرے ذہن میں یہی خیال کلبلاتا رہا۔ میں اس دن کو کوس رہا تھا جب میں نے اپنے والد کی موت کے اسباب تلاش کرنے کے سلسلے میں روپ نگر جانے کی غلطی کی تھی۔ وہاں کشمیرا امپوریم پر ضرغام سے ہونے والی حیرت انگیز ملاقات اور گلزار خان کے بیان کے بعد جو صورت حال سامنے آئی اس نے مجھے تجسس میں نہ ڈالا ہوتا تو شاید رمیش کی ناپاک اور گندی قوتیں میرا تعاقب نہ کرتیں ــــــ لیکن کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی جو جوگیا کی ماورائی قوت کسی وجہ سے میری مدد کر رہی تھی۔ وہ درمیان میں نہ آ جاتا تو میرا قصہ بھی نہ جانے کب کا پاک ہو چکا ہوتا۔ طاغوتی قوتوں اور سفلی علم کے کسی ماہر سے نبرد آزما ہونا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ رمیش کی

پراسرار خاموشی بھی میرے لئے کسی اچانک حادثے کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔ جو لوگ چھپ کر پشت سے اچانک وار کرتے ہیں وہ کبھی اپنے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتے، ایک ہی وار میں تیا پانچا کرنے سے دریغ نہیں کرتے، رمیش تو پھر بے شمار شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔

دوپہر کو دفتر میں لنچ سے فارغ ہو کر میں کچھ دیر آرام کرنے کی خاطر لیٹنے کا ارادہ کر رہا تھا جب انٹر کام کا بزرگ جاگ اٹھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے حسب توقع منوالا کی آواز سنائی دی۔

"سر ـــــ میں زحمت دینے کی معافی چاہتی ہوں لیکن مسٹر پرتاپ کسی ضروری کام کے سلسلے میں آپ سے فوری ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ـــــ" میں نے پرتاپ کا نام سن کر کہا۔ "انہیں اندر بھیج دیں۔ پندرہ منٹ بعد دو کپ کافی بھی۔"

"او کے سر۔" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

پرتاپ سے میری ملاقات گزشتہ رات نریش چندر کی سالگرہ پارٹی میں ہو چکی تھی۔ عام طور پر میری فرم کے اشتہار کے سلسلے میں میرا بزنس منیجر ہی اس سے ملاقات کرتا تھا۔ بہرحال گزشتہ رات کے واقعے کے بعد پرتاپ کا میرے پاس براہ راست آنا خالی از علت نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں دوبارہ اپنے آفس میں واپس آ گیا جہاں پرتاپ پہلے سے منتظر تھا۔ میں نے اس کے ساتھ گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں ادھر سے گزر رہا تھا، سوچا آپ کی خیریت بھی دریافت کرتا چلوں۔" اس نے سنبھل کر کہا۔ "کل رات جو کچھ ہوا وہ میرے لئے بھی پریشان کن تھا۔ نریش چندر اور آپ لوگوں کے پولیس اسٹیشن جانے کی وجہ سے بھی مجھے آپ کی چنتا تھی۔ اسی بہانے آپ کے درشن بھی ہو گئے۔" اس نے سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ "پولیس اسٹیشن پر کیا ہوا؟ میرا مطلب ہے کہ اگر میں آپ کی کچھ سیوا کر سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔ ڈی آئی جی صاحب سے میری بھی کچھ جانکاری ہے۔"

"شکریہ بہت بہت۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "ڈی ایس پی نے بات بڑھانے کی

کوشش نہیں کی۔ پجاری کے بچ جانے کی خبر ملنے کے بعد اس نے بڑی نرمی کا مظاہرہ کیا۔ نریش چندر جی بھی ساتھ تھے اس لئے مجھے کوئی فکر نہیں تھی۔ ویسے بھی اس واردات سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن اندھیرا ہونے سے پہلے آپ ہی پجاری کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ گواہوں کی روشنی میں پولیس اپنے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا اختیار بھی رکھتی ہے۔"

"بہرحال ـــــ" میں نے پھر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ "چھوڑیئے، رات گئی بات گئی۔"

"کیا آپ اس پجاری سے پہلے سے کوئی جانکاری رکھتے تھے ـــــ؟" پرتاپ نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں ـــــ" میں زیر لب مسکرایا۔ "پنڈت پجاریوں سے اپنا کیا کام؟"

"کل میں آپ کے ایک سوال کا جواب نہیں دے پایا تھا۔" اس نے قدرے مدھم لہجے میں کہا۔ "آپ نے پوچھا تھا کہ کیا میں اس لمبے تڑنگے پجاری کو جانتا ہوں۔"

"جی ہاں، مجھے یاد آ گیا۔" میں نے کہا۔ "آپ کے کسی واقف کار کے آ جانے سے بات ٹل گئی تھی۔"

"میں اس سمے آپ کو اپنا متر (دوست) سمجھ کر دو باتیں بتانے آیا ہوں پرنتو میری گزارش ہے کہ آپ اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے۔"

"آپ میری ذات پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟" میں نے سنبھل کر جواب دیا۔ پرتاب کا لب و لہجہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ گزشتہ رات کے حادثے کے سلسلے میں کوئی اہم بات بتانا چاہ رہا تھا ـــــ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"میں اس ہٹے کٹے پجاری کو براہِ راست نہیں جانتا لیکن ـــــ" پرتاپ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر دائیں بائیں دیکھا، پھر کرسی اور قریب کھسکاتے ہوئے بڑی رازداری سے بولا۔ "میں اسے انجلا دیوی کے ساتھ کئی بار مندروں میں ساتھ آتے جاتے دیکھ چکا ہوں۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔" میں نے اس بار دیدہ و دانستہ سرسری انداز اختیار کیا۔ لیکن نریش چندر کی دھرم پتنی کا نام سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ دراز قد پجاری کے ساتھ مندر آنے جانے والی بات کوئی خاصی اہمیت نہیں رکھتی تھی مگر پرتاپ کے بات کرنے کا

انداز بتا رہا تھا کہ وہ کسی خاص نتیجے کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کے پریوار (خاندان) اور نریش چندر جی کے گھر والوں کے بیچ بڑا گہرا سمبندھ ہے۔ پرنتو میرا بھی آپ کے ساتھ زیادہ نہ سہی مگر آپ کی فرم کے ساتھ بڑا پرانا کاروباری ناتا قائم ہے۔"

"آپ بالکل آزادی کے ساتھ بات کریں۔" میں نے اسے یقین دلایا۔ "کاروباری تعلقات اور خاندانی مراسم دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں ایک کاروباری آدمی کی حیثیت سے آپ کو اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ ہمارے درمیان جو گفتگو ہوگی وہ اس کمرے کی حدود سے باہر نہیں جائے گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" اس نے پہلو بدل کر کہا پھر بولا۔ "ہوسکتا ہے جو بات کرنے جا رہا ہوں وہ کیول میرا وہم ہو لیکن کبھی کبھی ایک معمولی بات بھی بڑے کام آ جاتی ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے کہ انجلا دیوی کے پاس کاروں اور ڈرائیوروں کی کمی نہیں۔ وہ جب بھی کہیں آتی جاتی ہیں ہمیشہ ایک گارڈ اور بھروسے کا کوئی ڈرائیور ان کے ساتھ اوش ہوتا ہے ـــــ ایسی شکل میں کیا یہ بات اچنبھے (تعجب) کی نہیں ہے کہ انجلا دیوی کو میں نے جب بھی لمبے چوڑے پجاری کے ساتھ مندر آتے جاتے دیکھا ہے نہ تو کوئی گارڈ ساتھ دیکھا نہ ہی ڈرائیور۔ اُس سمے وہ خود ڈرائیو کرتی ہیں ـــــ یہ بات بھی میرے لئے چونکا دینے والی ضرور ہے کہ رات جنم دن کی پارٹی میں آپ نے خاص طور پر اس پجاری کے بارے میں مجھ سے کھوج لگانے کی ضرورت محسوس کی تھی اور پھر وہی پجاری جب بھوجن شروع ہونے کے بعد آپ کے پاس کھڑا باتیں کر رہا تھا تو اچانک لائٹس آف ہو گئیں۔ گھپ اندھیرے میں کوئی اس پجاری کو چاقو گھونپ کر چھپت (غائب) ہو گیا اور اسی کے کارن آپ کو پولیس اسٹیشن جانا پڑا ـــــ" پرتاپ نے میری نگاہوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا آپ ان ساری باتوں کو کیول بائی چانس (BY CHANCE) کہیں گے ـــ؟"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ ملازم کافی کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوا، بات کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے منقطع ہو گیا۔ اس دوران مجھے بہت سارے اہم پہلوؤں پر غور کرنے کا موقع بھی مل گیا ـــــ جو باتیں پرتاپ یہ جاننے کے باوجود کر رہا تھا کہ میرے اور نریش

چندر کے کاروباری اور گھریلو تعلقات کس قسم کے تھے، اگر ان کی بھنک بھی نریش چندر یا انجلا دیوی کو مل جاتی تو پرتاپ کو "گپتا نریش اینڈ سنز" کی طرف سے لاکھوں روپے ماہانہ کا نقصان اشتہارات نہ ملنے کی صورت میں ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ نریش چندر کے گروپ کے دوسرے کاروباری ادارے بھی پرتاپ کی اشتہاری کمپنی سے رابطہ ختم کر دیتے۔ ایک بار ساکھ خراب ہو جانے کی شکل میں پرتاپ کا کاروبار "ٹھپ" بھی ہوسکتا تھا ـــــ ان امکانات کے باوجود وہ جو باتیں زبان پر لا رہا تھا اس کے دو ہی مقصد ہو سکتے تھے ـــــ اول یہ کہ کسی وجہ سے وہ انجلا یا دراز قد پجاری کے ہاتھوں کوئی نقصان بھگت چکا تھا، کوئی پرانی دشمنی بھی ہوسکتی تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی ممکن تھی کہ وہ میری ہمدردی حاصل کر کے اپنے کاروبار کو وسعت دینے کا خواہاں ہو یا مجھے انجلا دیوی کے خلاف اکسا کر اپنی کسی بےعزتی کا بدلہ میرے توسط سے لینے کی راہ ہموار کر رہا ہو ـــــ دونوں ہی صورتوں میں میرے لئے احتیاط شرط تھی۔

"میں آپ کی بات میں وزن محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے ملازم کے جانے کے بعد محتاط انداز میں کہا۔ "مگر ان تمام باتوں سے پجاری پر حملے کی آڑ لے کر مجھے پھنسوانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟"

"وجہ تو آپ ہی تلاش کر سکتے ہیں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

"میں سمجھا نہیں ـــــ؟" میں نے پرتاپ کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں بھی نہیں سمجھ سکا کہ اتنا لمبا چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیا مطلب ـــــ؟" میں اس کے جملے کی ساخت پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

پرتاپ نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا البتہ میرے چونکنے پر اس کی آنکھوں میں جو چمک ابھری تھی وہ اس بات کی ترجمانی کرتی نظر آ رہی تھی کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی کی کوئی کرن ضرور نظر آ گئی تھی۔ وہ ایک لمحہ خاموش رہا، پھر کافی کا ایک گھونٹ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے بولا۔

"میں آپ کو دو باتیں بتانے کی غرض سے حاضر ہوا تھا ـــــ" اس نے پھر توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔ "دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص نے دراز قد پجاری پر حملہ کیا تھا وہ بھی ایک پجاری ہی تھا۔"

"آپ یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" میں نے کسمسا کر کہا۔ "پارٹی میں اور بہت سارے مہمان بھی موجود تھے۔ لیکن کسی نے اس قسم کی بات نہیں کی کہ پجاری پر حملہ کرنے والا کون تھا___"

"چاہیں تو آپ اسے بھی اتفاق ہی سمجھ لیں کہ جس وقت پنڈال میں گھپ اندھیرا ہوا اس سمے میں پنڈال سے باہر کھلے آکاش تلے کھڑا تھا اور میں نے اس ہٹے کٹے پجاری کو بہت دھیان سے دیکھا تھا جو کسی آدم خور درندے کی طرح پنجوں کے بل بھاگتا ہوا پنڈال سے باہر نکلا تھا___ پنڈت پجاریوں کے تمبو کی طرف جانے کی بجائے وہ اس سیاہ رنگ کی مرسڈیز کار میں بیٹھ گیا جو بجری کی روش پر پہلے سے تیار کھڑی تھی___ پجاری کے بیٹھتے ہی وہ آندھی اور طوفان کی طرح ریس لگاتی ہوئی کھلے پھاٹک سے باہر نکل گئی___ مرسڈیز کے ڈرائیور نے ہیڈ لائٹس جلانے کی بھی بھول نہیں کی تھی۔"

"کیا آپ اس پجاری کا حلیہ بتا سکتے ہیں___؟"

"کیوں نہیں___ میں نے اسے اتنے ہی قریب سے دیکھا تھا جتنے فاصلے سے اس سمے آپ کو دیکھ رہا ہوں۔" پرتاپ نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس نے جس مشتبہ پجاری کا حلیہ تفصیل سے بتایا وہ سو فیصد اس پجاری سے ملتا جلتا تھا جسے میں خواب میں دراز قد پجاری کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں اس خیال سے تیز ہوگئیں کہ پرتاپ بھی اپنے اندازے سے اسی دوسرے پجاری پر شک کر رہا تھا جس کے متعلق جوگیا مجھے پورے یقین سے بتا چکا تھا۔

"آپ کیا اس مرسڈیز کے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہیں گے کہ اس کا نمبر کیا تھا؟___ وہ کس کی ملکیت تھی؟"

"کیا وہ مرسڈیز بھی انجلا دیوی کی ملکیت تھی___؟" میں نے دبی زبان میں پوچھا۔

"مجھے وشواس تھا کہ آپ یہی سوال کریں گے۔" اس نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ پھر کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے بولا۔ "آپ کے من میں انجلا دیوی کا جو دھیان آیا وہ غلط نہیں ہے۔"

"میں آپ کی تمام بات سن چکا ہوں۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ سے مل کر حالات سے آگاہ کرنے کی زحمت گوارا کی لیکن ایک سوال میں بھی آپ سے کرنا چاہوں

گا۔"

"آپ کو ادھیکار ہے سوال کرنے کا___ پوچھئے، کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"انجلا دیوی کو میری ذات سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے___؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"یہ جاننے کے لئے آپ کو اس بات کا بھی کھوج لگانا پڑے گا کہ گپتا نریش اینڈ سنز میں گپتا___ گپ___ تا گپ___ تا تا___ تا___"

پرتاپ کچھ کہتے کہتے یوں ہکلانے لگا جیسے اس پر اچانک کسی خطرناک مرض کا حملہ پوری شدت سے ہو رہا ہو۔ اس نے کافی کا کپ رکھ کر خلا میں دونوں ہاتھوں سے کسی نادیدہ چیز کو پکڑنے کا انداز اختیار کیا جو غالباً اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والا کرب اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ وہ موت اور زندگی کی کشمکش سے دوچار تھا۔ اس کی آنکھیں بھی اپنے حلقوں سے ابلتی نظر آ رہی تھیں۔ اس کے چہرے کی رنگت یکلخت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ اس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا جیسے موت اور زندگی کا فاصلہ تیزی سے گھٹ رہا ہو۔ پھر وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح ہاتھ چلانے لگا جیسے اس سے لڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والے اذیت اور کرب کے تاثرات پھیل کر گہرے ہونے لگے۔ اس کا جسم سرتاپا اس طرح لرزنے لگا جیسے اس کو بجلی کے ننگے تاروں سے باندھ کر اس میں کرنٹ دوڑا دیا گیا ہو۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی بلند ہونے والی آوازیں تیزی سے گھٹ رہی تھیں۔ وہ بس کوئی دم کا مہمان نظر آ رہا تھا جب اچانک ایک شعلہ بلند ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی پرتاپ لڑکھڑاتا ہوا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کی پھٹی پھٹی نظروں میں اس وقت بھی خوف و دہشت کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

میں جو حیرت کی تصویر بنا بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا پرتاپ کی حالت قدرے سنبھلتی دیکھ کر بولا۔

"مسٹر پرتاپ___ آپ اب کیا محسوس کر رہے ہیں___؟"

"آپ___؟" اس نے مجھے اس طرح تعجب سے دیکھا جیسے کمرے میں میری موجودگی سے بے خبر تھا۔ "میں___ میں آپ کے دفتر میں کس طرح آ گیا؟" اس نے

حیرت کا اظہار کیا۔

''پلیز ریلیکس ——'' میں نے اسے تسلی دی۔ ''آپ کو اس وقت صرف سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔''

''لیکن میں اس وقت آپ کے دفتر میں ——'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ چبانے لگا۔

''آپ دراصل کچھ دیر پیشتر اشتہارات کے سلسلے میں بات کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے۔'' میں نے اسے خالی الذہن محسوس کر کے بات بنانے کی کوشش کی۔

''میرے اور آپ کے درمیان کیا بات ہو رہی تھی؟'' اس نے مجھے عجیب نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ مجھے اس کا انداز روپ نگر میں کشمیر امپوریم پر ضرغام کی کیفیت سے ملتا جلتا محسوس ہوا۔ وہ بھی سب باتیں بھول کر مجھ سے تفصیل دریافت کرنے لگا تھا۔

''کیا آپ کو کسی قسم کے دورے بھی پڑتے ہیں؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''جی نہیں —— مجھے آج تک کبھی کسی قسم کا کوئی دورہ نہیں پڑا —— مگر آپ نے خاص طور پر دورے ہی کی بات کیوں کی؟'' اس نے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ شاید اسے میری وہ بات گراں گزری تھی۔ میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ منوالا اچانک دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ اس کا انداز کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ مجھ سے مخاطب ہونے کی بجائے اس نے براہِ راست پرتاپ کو مخاطب کیا۔

''آپ کا ڈرائیور بتا رہا ہے کہ پروگرام کے مطابق آپ کو ٹھیک دو بجے کہیں اور پہنچنا ضروری ہے۔''

''ہاں —— مجھے اب چلنا چاہیے۔'' پرتاپ نے منوالا کی بات سن کر بڑی فرمانبرداری سے کہا پھر بڑی ا سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا میرے آفس سے باہر نکل گیا۔ منوالا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت اس کے حسین جسم پر جوگیا کا قبضہ ہے —— میرے ذہن میں لو کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ رمیش کی شیطانی قوت ہی تھی جس نے پرتاپ کو بھی

ضرغام کی طرح زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میرے وجود میں ''گیتا'' کے الفاظ گونجنے لگے۔ وہی آخری لفظ تھا جس کو زبان پر لاتے ہی پرتاپ کی حالت غیر ہونی شروع ہوئی تھی۔

'وہ گیتا کے بارے میں مجھے کس راز سے آگاہ کرنا چاہتا تھا؟' میں نے سوچا، پھر یکلخت میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ ''نریش چندر کے ساتھ گیتا کا نام کیوں رکھا گیا تھا؟ —— کون تھا گیتا جس کا نام زبان پر آتے ہی پرتاپ رمیش کے زیر عتاب آ گیا تھا —— ؟ کیا گیتا کا نام ہی ڈور کا وہ سرا تھا جس کی جوگیا کو تلاش تھی —— ؟''

مجھے رہ رہ کر پرتاپ کی حالت پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ میرے پاس خود سے چل کر آیا تھا۔ اس نے دوسرے پجاری کے بارے میں بھی وہی بات بتائی تھی جو اس سے پیشتر جوگیا بتا چکا تھا۔ پرتاپ یقیناً انجلا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ نہ جانتا ہوتا تو اس کے بارے میں اپنی زبان کبھی نہ کھولتا۔ لیکن شاید اس نے اپنی بات مکمل کرنے میں دیر کر دی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی معلومات اگل رہا تھا۔ اسے شاید یہ اندازہ نہیں رہا ہوگا کہ اگر انجلا کے پنڈت پجاریوں سے دیرینہ مراسم تھے تو پجاریوں کی شیطانی قوتیں اس کی مدد بھی کر سکتی تھیں۔

پرتاپ کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انجلا اور پنڈت پجاریوں کے میل جول سے خوش نہیں تھا —— مگر کیوں؟ وہ کس کی مخالفت میں زہر اگلنے کی کوشش کر رہا تھا؟ کیا اس کا ہدف پنڈت پجاری تھے یا انجلا دیوی —— اگر وہ انجلا کے خلاف کسی ایسے راز سے واقف تھا جس کا انکشاف دھماکا خیز ثابت ہو سکتا تھا تو شاید اس نے میرے پاس آ کر غلطی ہی کی تھی۔ وہ ان خاص معلومات کے ذریعے بڑی آسانی سے براہِ راست بھی انجلا کو بلیک میل کر سکتا تھا۔ کروڑوں کی رقم قسط وار اینٹھ سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا، میرے پاس چلا آیا۔ شاید وہ میرے ذریعے انجلا کے خلاف کوئی مہم چلانے کا پروگرام مرتب کر کے آیا تھا تبھی کسی زہریلے سانپ کی طرح آہستہ آہستہ اپنی کنڈلی کے بل کھول رہا تھا۔ لیکن گیتا کا نام زبان پر لاتے ہی وہ کسی شیطانی قوت کے عتاب کا شکار ہو گیا۔

پرتاپ کی کیفیت دیکھ کر میرے ذہن میں ضرغام کا تصور ابھرا تھا۔ روپ نگر میں کشمیر امپوریم پر اس کی بے چین روح نے بھی میرے والد کے سلسلے میں میری رہنمائی کرنے کی

جسارت کی تھی لیکن رمیش کی گندی اور ناپاک قوتوں نے بروقت اس کی زبان پر تالے ڈال دیئے تھے، وہ بھی مجھے کوئی اہم بات بتاتے بتاتے اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ خود رمیش نے بھی برملا اس بات کا اقرار کیا تھا—— پرتاپ کے سلسلے میں بھی یقیناً رمیش ہی نے اچانک کوئی طاغوتی عمل کر کے اسے جنونی کیفیت سے دوچار کر دیا ہوگا۔ وہ خود کہیں دور چھپا بیٹھا تھا لیکن اس کی نظروں کی ماورائی قوتیں حالات کا جائزہ لے رہی ہوں گی۔ وہ میرا جانی دشمن بن گیا تھا تو اسے میرے بارے میں اس کے جنتر منتر کے بیر ایک ایک پل کی خبر پہنچا رہے ہوں گے۔ اسے پرتاپ کے میرے دفتر آنے کی بھنک مل گئی ہوگی۔ وہ دور بیٹھا ایک ایک بات سن رہا ہوگا۔ گپتا کا نام پرتاپ کی زبان پر آتے ہی اس کی گندی قوتیں حرکت میں آ گئی ہوں گی۔ پرتاپ کے سلسلے میں بھی اس نے وہی آزمودہ جنتر آزمایا ہوگا جو اس سے قبل روپ نگر میں ضرغام کی یادداشت گم کرنے میں نہایت موثر ثابت ہو چکا تھا—— اگر وہ شعلہ اچانک نہ بھڑکتا تو عین ممکن تھا کہ پرتاپ کی موت میرے آفس ہی میں واقع ہو جاتی۔ میرے لئے پریشانیاں بڑھ جاتیں۔

"جوگیا——" میرے ذہن میں شعلوں کی مناسبت سے جوگیا کا نام ابھر آیا۔ اس نے میرے گرد کوئی حفاظتی بند باندھ دیا تھا جس کو مسمار کرنا شاید رمیش کی قوت سے باہر تھا لیکن وہ پرتاپ کو میرے آفس میں موت سے دوچار کر کے میرے لئے پریشانیاں ضرور پیدا کر سکتا تھا۔ جوگیا بھی میری طرف سے بے خبر نہیں ہوگا، اس نے بھی شعلے کے روپ میں بھڑک کر رمیش کی قوتوں کو للکارا ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پرتاپ دوبارہ کبھی ہوش میں نہ آتا۔ لیکن ہوش میں آنے کے باوجود وہ اپنی یادداشت کا کچھ حصہ ضرور فراموش کر چکا تھا۔ میرے لئے کوئی خطرہ باقی رہا ہوگا جو منوالا نے آ کر پرتاپ کو میرے دفتر سے دور لے جانے کی کوشش کی ہوگی۔ اس کے تیور دیکھ کر مجھے یہی اندازہ ہوا تھا کہ جوگیا نے ایک بار پھر اس کے خوبصورت جسم پر قبضہ کر لیا تھا۔

میں اپنے خیالات کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھا جب فون کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی سمت مبذول کر لی۔

"ہیلو——" میں نے ریسیور اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں اب ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔" دوسری سمت سے منوالا کی

بجائے فاخرہ کی مانوس آواز سنائی دی۔ اس نے جوگیا کا مخصوص کوڈ دہرانے کے بعد ہی گفتگو شروع کی تھی۔

"پرتاپ مجھے——"

"فی الحال پرتاپ کو بھول جاؤ۔" فاخرہ نے تیزی سے کہا۔ "میری بات دھیان سے سنو۔ وہ دشٹ جو ابھی تک کہیں پاتال میں چوروں کی طرح چھپا بیٹھا تھا بوکھلا کر باہر نکل آیا ہے۔ پرتاپ کے زندہ بچ جانے کے بعد اب اس نیچ ذات کمینے کو پورا وشواس ہو گیا ہے کہ کوئی شکتی تمہاری سہائتا کر رہی ہے اس لئے وہ آپے سے باہر ہو رہا ہے۔ شیر جب گولی کھا کر زخمی ہوتا ہے تو فوری طور پر بھاگ جاتا ہے لیکن اپنے دشمن کی گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ رمیش بھی اس سے زخمی درندے کے انوسار پاگل ہو رہا ہے۔ اس کی نظریں ابھی تک میری شکتی کو نہیں کھوج سکی ہیں پرنتو مجھے سامنے لانے کے کارن وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں اسی لئے تمہیں ہوشیار کر رہا ہوں، بھول کر بھی کوئی غلط قدم مت اٹھانا ورنہ بازی پلٹ بھی سکتی ہے۔"

"کیا تم رمیش کی قوت سے خائف ہو——؟" میں نے غیر اختیاری طور پر پوچھ لیا۔

"میں نے یہ کب کہا——؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پرتاپ کا گلا گھونٹ رہا تھا اس وقت تم اسے آسانی سے موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔" میں نے تلملا کر کہا۔ "سارا قصہ پاک ہو جاتا۔"

"نہیں——" فاخرہ نے جواب دیا۔ "پراسرار قوتوں پر بھی کچھ بندشیں عائد ہوتی ہیں۔ وہ ایک خاص حد سے آگے نہیں پھلانگ سکتیں۔"

"اور رمیش جو کچھ کر رہا ہے کیا وہ جائز ہے؟" میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "ضرغام کو بے گناہ مارا گیا، میرے والد کی موت جن حالات میں ہوئی تم اس سے بھی ناواقف نہیں ہو گے۔ سوت کا کچا دھاگا جس پر سفلی کا گندا عمل کیا گیا تھا میرے والد کے خون کا ایک ایک قطرہ چوس گیا۔ گلزار خان کو راستے کا کانٹا سمجھ کر ہٹا دیا گیا، میرا ایک ڈرائیور بھی حادثے کا شکار ہو گیا، رمیش کی ناپاک اور غلیظ قوتیں جو کچھ کرتی پھر رہی ہیں کیا اس پر کوئی بندش نہیں ہے؟"

"تمہارے من میں جو کھل بلی ہو رہی ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں، پھر بھی میں تمہیں

شانت رہنے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا سندیس دوں گا —— سمے کا انتظار کرو —— جو کل تھا وہ آج نہیں رہا —— جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگا —— دھیرج سے کام لو، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"پرتاپ مجھے گپتا کے بارے میں کیا بتانا چاہتا تھا؟" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے سوال کیا۔ "کون ہے گپتا؟ اس کا نام نریش چندر کے نام کے ساتھ کیوں جڑا ہوا ہے؟ انجلا دیوی کا قصہ درمیان میں کس طرح آ گیا؟ میرے باپ کی پراسرار موت سے ان سب باتوں کا کیا تعلق ہے؟ —— کیا تم کچھ نہیں جانتے یا جان بوجھ کر مجھ سے چھپا رہے ہو؟"

"میں نے تمہیں شانت رہنے کو کہا تھا —— تم گرمی کھا رہے ہو۔"

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا تمہاری ذہنی کیفیت مجھ سے مختلف ہوتی؟" میں جھلا گیا۔

"یہ سمے ان باتوں کا نہیں ہے۔" فاخرہ نے میری بات نظر انداز کر کے سنجیدگی سے کہا۔ "کیول اتنا دھیان میں رکھو کہ رمیش کسی گھائل شیر کے انوسار جنگل میں دھاڑتا پھر رہا ہے، انتقام کی اگنی جب من میں بھڑکتی ہے تو منش کو کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ دشمن تک پہنچنے کے کارن وہ راستے کے کانٹوں کو بھی روند ڈالتا ہے —— سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"

"جو پجاری ہسپتال میں زخمی پڑا ہے اس کی کیا حالت ہے؟" میں نے یوں ہی ایک بے تکا سوال کیا۔ میں جوگیا سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"اس پجاری کو بھول جاؤ" فاخرہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "وہ رمیش کے لئے کیول ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتا ہے اور ہتھیار کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔"

"پرتاپ کا کیا بنے گا؟ کیا رمیش کی ناپاک قوتیں اسے زندہ چھوڑ دیں گی؟"

"تم پھر بھٹکنے لگے ——؟" اس بار مختصراً مگر تنبیہی انداز اختیار کیا گیا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گیا۔

"خاموش کیوں ہو گئے دانش جی۔ ابھی تو اصلی کھیل شروع ہوا ہے اور تم ابھی سے ہاتھ پیر چھوڑ رہے ہو۔ اتنی جلدی ہمت ہار گئے تو آگے کیا بنے گا؟"

"تم مجھے میرے والد کے قاتلوں کا نام اور پتہ بتا دو، میں ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے تک پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" میں نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

"گھبراؤ مت —— دھیرج رکھو، اگر ممکن ہوا تو میں تمہیں اس کا موقع بھی ضرور دوں گا۔"

"تم نے گپتا کے سلسلے میں ——"

"میں نے آج رات کے بارے میں تم سے جو کچھ کہا ہے اس کا دھیان رکھنا۔" فاخرہ نے گپتا کے سلسلے میں ایک بار پھر میری بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم کوئی بہانہ کر کے شام ہونے کے کچھ دیر بعد گھر سے نکل جانا۔ پیپر ویٹ کی رکشا اپنی جان سے زیادہ کرنا اور چندرما جیسے ہی بیچ آکاش پر آئے، سفید موتی منہ میں رکھنا نہ بھولنا آج کی رات تمہارے لئے بہت شبھ مگر کٹھن بھی ہوگی۔ کسی بات پر اچنبھے کا اظہار مت کرنا۔ اپنی زبان پر بھی قابو رکھنا۔ تم نے کوئی بھول چوک کی تو پھر جوگیا تمہارے اور رمیش کے بیچ دوبارہ نہیں آئے گا —— سمجھ رہے ہو میری بات؟"

"شام کو گھر سے نکلنے کے بعد مجھے کہاں جانا ہوگا ——؟"

"جہاں تمہارا من چاہے —— پرنتو بچے کی آواز پر کان لگائے رکھنا، آج اس کی کسی بات سے انکار مت کرنا۔ وہ جیسا کہے ویسا ہی کرنا، جدھر جانے کو کہے، بنا کوئی سوال کئے خاموشی سے ادھر چل پڑنا۔"

"کیا تم بھی میرے آس پاس کہیں موجود رہو گے ——؟"

دوسری جانب سے کوئی جواب دینے کی بجائے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میرا ذہن چونکہ پرتاپ والی باتوں میں الجھ رہا تھا اس لئے دفتر کی فائلوں سے میرا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ جوگیا نے فاخرہ کی آواز میں جو باتیں کی تھیں وہ بھی میرے ذہن میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ میں پرتاپ کا حال جاننے کی خاطر بھی مضطرب تھا۔ وہ غریب بلاوجہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گیا تھا۔ میں یقین سے کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا تھا کہ پرتاپ نے میرے دفتر آنے کی غلطی کیوں کی تھی۔ لیکن اتنا ضرور سمجھ رہا تھا کہ اس پر جو افتاد پڑی، اس میں میری ذات کا دخل ضرور تھا۔

رمیش کے سامنے آ جانے کی خبر بھی میرے لئے پریشان کن تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ دیوار جب گرتی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ اس کے نیچے آنے والوں پر کیا گزرتی ہے۔ اگر جوگیا کے کہنے کے مطابق رمیش کو اس بات کا یقین آ گیا کہ کوئی قوت میری پشت پناہی کر رہی ہے تو رمیش جواب میں جو کر گزرتا وہ کم تھا۔ جوگیا کی توجہ بٹانے کی خاطر وہ اپنی کالی اور گندی قوتوں کو بروئے کار لا کر کئی محاذ اور بھی کھول سکتا تھا۔ مجھے ذہنی طور پر اذیت پہنچانے کی

خاطر وہ فاخرہ کو بھی شکار کر سکتا تھا۔

فاخرہ کا خیال آتے ہی میرے وجود کے اندر ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ میں منوالا سے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔ جوگیا نے ایک موقع پر کہا تھا کہ وہ تنہا چوکھی نہیں لڑ سکتا۔ اس نے صرف میری اور میری ماں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی تھی، فاخرہ کے سلسلے میں اس نے کھل کر کوئی بات نہیں کی تھی ــــــ!

''کیا فاخرہ رمیش کے عتاب سے محفوظ رہ سکے گی؟'' میرے ذہن میں یہ سوال صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگا ــــــ!!



شام کی چائے ماں کے ساتھ پینے کے بعد میں ایک دوست کی شادی کا بہانہ کر کے گھر سے نکلا۔

بچے کی ایک آنکھ والا پر اسرار پیپر ویٹ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں محفوظ تھا۔ جوگیا کے کہنے کے مطابق مجھے سگار بکس میں سرخ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک سفید موتی بھی مل گیا جو زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن اس کی دودھیا رنگت پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی۔ موتی سے صندل اور لوبان کی ملی جلی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

اس وقت میری دستی گھڑی میں ساڑھے چھ کا عمل تھا۔ جوگیا نے کہا تھا کہ میں سر شام ہی گھر سے نکل پڑوں۔ اس نے کسی مخصوص جگہ جانے کا تعین نہیں کیا تھا، یہی کہا تھا کہ میں جہاں دل چاہے گھومتا رہوں لیکن ٹھیک آدھی رات کے وقت جب پورن ماشی کا پورا چاند آسمان کے بیچوں و بیچ ہو، سفید موتی منہ میں رکھ لوں، اس کے بعد بچے کے کہنے پر عمل کروں۔

جوگیا کے کہنے کے مطابق وہ رات میرے لئے بڑی مبارک مگر بے حد کٹھن بھی تھی۔ میرے ذہن میں رمیش کا ناپاک تصور کسی سائے کی مانند لہراتا ہوا بار بار ابھر رہا تھا۔ جوگیا نے کہا تھا کہ رمیش اس بات سے آگاہ ہو چکا ہے کہ کوئی نادیدہ قوت میری مدد کر رہی تھی۔ وہ خطرناک شخصیت کا مالک تھا۔ نہ جانے کتنی گندی اور ناپاک قوتیں اس کے زیر اثر ہوں گی۔ وہ شیطانی طاقتوں کا مالک نہ ہوتا تو صرف مجھ سے متعلق تین چار زندگیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے باوجود اس طرح کھلے عام نہ دندناتا پھر رہا ہوتا۔

جو طاقت میری پشت پناہی کر رہی تھی اس کے علم میں آ جانے کے بعد رمیش یقیناً بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ کوئی اوچھا وار نہیں کرے گا، بہت سوچ بوجھ کے بعد ہی کوئی بھرپور اور خطرناک قدم اٹھائے گا۔ وہ سفلی کا ماہر تھا۔ جادو کی ہانڈی بھی

میری طرف اڑا سکتا تھا۔ مجھے یہ بات میرے ایک ہندو دوست نے کالج کے زمانے میں بتائی تھی کہ سفلی کا سب سے خطرناک عمل سال میں صرف ایک بار اس رات ہوتا ہے جب ہولی جلائی جاتی ہے۔ اس رات عمل کرنے والا کسی کوری ہانڈی میں خطرناک بچھو اور زہریلے حشرات الارض بھر دیتا ہے، شیشے کے نوکیلے ٹکڑے اور بڑی بڑی کیلیں بھی ہوتی ہیں، سیندور اور مرگھٹ کی راکھ بھی ملائی جاتی ہے۔ پھر عمل کرنے والا اپنا ناپاک عمل کر کے اسے فضا میں چھوڑ دیتا ہے اور جان لیوا ہانڈی دشمن کے نام پر ہی اڑتی ہوئی جا کر مطلوبہ شخص سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہے۔ جس شخص کے نام پر وہ جیو دھاری (جان لیوا) عمل کیا جاتا ہے وہ اگر سمندر کی تہہ میں بھی چھپا بیٹھا ہو تو اس خطرناک ہانڈی کے نشانے سے نہیں بچ سکتا، اس کی موت یقینی ہوتی ہے۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں ان باتوں کو نہیں مانتا تھا لیکن جو حیرت انگیز چیزیں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا انہیں جھٹلانا بھی میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔ میرے لئے میرے والد کی پراسرار موت ہی سب سے بڑا ثبوت تھی۔ ایک سولہ فٹ لمبا کچا سوتی دھاگہ کسی انسان کے پورے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ پی کر اسے موت سے ہمکنار کر سکتا ہے، یہ بات کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی لیکن خون میں رنگے سوت کے کچے دھاگے کا لاش کے قریب ملنا اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ پولیس کی تفتیش بھی یہی ظاہر کرتی تھی کہ فرزارد کے جس کمرے میں میرے والد کی پراسرار موت واقع ہوئی تھی وہ اندر سے بند پایا گیا تھا۔ چھان بین کے دوران کمرے میں کسی قسم کی افراتفری کے کوئی معمولی نشانات بھی نہیں ملے۔ سارے ضروری کاروباری کاغذات، قیمتی گھڑی، چیک بک اور پرس میں موجود بھاری رقم کو بھی ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ فنگر پرنٹس کے نشانات بھی کسی مجرم کی نشاندہی کرنے سے قاصر ہی رہے۔

میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا پوری احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ جو کچھ میرے ساتھ ہونے والا تھا اس کا علم شاید جوگیا کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔ رمیش کی طرح وہ بھی پراسرار شخصیت کا مالک تھا، جس طرح اس نے سامنے آئے بغیر مجھے کار والے حادثے میں زندہ بچا لیا تھا وہ بھی سب کے لئے حیرت انگیز تھا۔ ڈاکٹر بھی ششدر رہ گئے تھے۔ اس وقت میں ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا، مجھے کسی بات کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ جو کچھ دوسروں کی زبانی علم

میں آیا، میں نے اسی پر اعتماد کر لیا لیکن پرتاپ کی مثال بالکل تازہ تھی۔ وہ شعلہ اچانک نہ بھڑکتا تو شاید پرتاپ بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ جوگیا نے یہی بتایا تھا کہ رمیش کی گندی قوتوں نے ہی روپ نگر میں ضرغام کی زبان پر اس وقت تالے ڈال دیئے تھے، اس کی یادداشت گم کر دی تھی جب وہ کچے سوتی دھاگے کے بارے میں کوئی اہم انکشاف کرنے والا تھا۔

میرا ذہن قلابازیاں کھاتا رہا۔ ایک بات میرے ذہن کو اس وقت بھی الجھا رہی تھی۔ جوگیا اور رمیش میں سے زیادہ طاقتور کون تھا؟ اگر رمیش شیطانی قوتوں کا مالک تھا تو کیا جوگیا کو اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکتا تھا؟ ——— اور اگر جوگیا بھاری پڑ رہا تھا تو پھر رمیش کو ڈھیل کیوں دے رہا تھا؟ کیا وہ دونوں برابر کی طاقت رکھتے تھے یا کوئی اور وجہ تھی جو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے گریز کر رہے تھے؟ جوگیا نے کہا تھا کہ اس پر کچھ بندشیں عائد تھیں لیکن رمیش اب تک اپنی کمینگی اور سفلی کے ناپاک عمل سے جو کچھ کر چکا تھا اور کر رہا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ ہر قسم کی بندشوں سے آزاد تھا۔ پھر وہ جوگیا کے معاملے میں لیت و لعل سے کام کیوں لے رہا تھا ———؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ رمیش اور جوگیا ایک ہی شخصیت کے دو پراسرار روپ تھے جو میرے ساتھ چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہے تھے ———؟

میرے دماغ پر بوجھ بڑھا تو میں نے گاڑی سول لائنز ایریا میں ایک کیفے کے سامنے کھڑی کر دی اور اتر کر اندر داخل ہو گیا۔ مجھے اس وقت ایک کپ گرما گرم کافی کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اپنے لئے ایک کارنر کی نشست منتخب کی جہاں بیٹھ کر میں نہ صرف کافی سے لطف اندوز ہو سکتا تھا بلکہ شیشے سے باہر کا نظارہ بھی کر سکتا تھا۔ میں سڑکوں پر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں اور فٹ پاتھ پر گزرنے والے لوگوں کو دیکھنے میں مصروف تھا جب ایک خوبصورت ویٹرس کی مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟'' وہ میرے سامنے آرڈر بک اور پنسل تھامے کھڑی تھی۔

''اے کپ آف ہاٹ کافی ———'' میں نے اس پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''اور کچھ ———؟''

''نو ——— تھینکس ———''

ویٹرس میرا آرڈر لے کر چلی گئی۔ میں نے پھر جوگیا کے بارے میں سوچا۔ اس نے آج کی رات کو میرے لئے بہت اہم قرار دیا تھا۔ یہ تاکید بھی کی تھی کہ نادیدہ بچے کی آواز مجھے جہاں بھی لے جانا چاہے میں بلا کسی چوں و چرا کے اس پر عمل کروں۔ سفید موتی کو نصف رات گئے منہ کے اندر رکھنے کو بھی کہا گیا تھا۔ عام حالات میں شاید میں ان باتوں کو لغو اور فضول سمجھ کر نظر انداز کر جاتا مگر میرے ساتھ جو پراسرار واقعات اور حادثات گزر چکے تھے انہوں نے شاید مجھے ضعیف الاعتقاد بنا دیا تھا۔ ہواؤں سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی اس لئے وقت کے پیش نظر جوگیا کی باتوں پر عمل کرنے کے سوا میرے پاس اور راستہ بھی نہیں تھا۔

سرو کرنے والی خوبصورت ویٹرس نے کافی کی ٹرے لا کر میز پر رکھی تو میں نے یوں ہی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر کافی بنانے میں مشغول ہو گیا۔ گرم کافی سے اٹھنے والی بھاپ اور خوشبو میرے ذہن کو تر و تازہ رکھنے میں ہمیشہ بڑی معاون ثابت ہوتی تھی۔ اس وقت بھی میں کچھ ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھا جب ایک پستہ قد نو وارد میرے سامنے آ کر بڑی بے تکلفی سے بغیر اجازت لئے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے قرب و جوار میں اور بھی کئی میزیں اور کرسیاں خالی تھیں چنانچہ مجھے اس کی بے تکلفی گراں گزری۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ پھر میں اسے اس کی بے تکلفی اور بد اخلاقی کا احساس دلانے کی خاطر کچھ کہنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا جب اس نے مسکرا کر کہا۔

''خاکسار کو پروفیسر خبطی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔۔۔۔ آپ کو میرا اپنے ساتھ بیٹھنا ناگوار خاطر تو نہیں لگا؟''

''پہلے لگا تھا لیکن آپ کا خوبصورت نام سن لینے کے بعد۔۔۔۔''

''آپ شاید میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' اس نے بڑی ڈھٹائی سے میرا جملہ منقطع کر کے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا پھر یکلخت سنجیدگی سے بولا۔ ''کیا آپ نے کبھی زندگی کے اس فلسفے پر غور کیا ہے کہ انسان جب دوڑتا بھاگتا ہے تو اس کے پاؤں آگے پیچھے حرکت کرتے ہیں لیکن کوئی جہاز جب پرواز سے پیشتر رن وے پر دوڑتا ہے تو اس کے پچھلے دونوں پہیے ایک ساتھ بھاگتے ہیں۔''

''دوبارہ کبھی جہاز دیکھنے کا اتفاق ہوا تو غور ضرور کیجئے گا۔'' میں نے اسے گھورتے

ہوئے جواب دیا۔ ''جہاز کے کچھ پہیے آگے بھی ہوتے ہیں۔''

''درست فرمایا آپ نے۔۔۔۔ لیکن وہ بھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان کی طرح آگے پیچھے قدم نہیں مارتے۔'' وہ بدستور سنجیدہ تھا۔

''کار کے بارے میں آپ کی ماہرانہ رائے کیا ہے۔۔۔۔؟'' میں نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

''میں چونکہ عرصے سے بے کار ہوں اس لئے میں نے کبھی کار پر غور نہیں کیا۔''

''آئی سی۔۔۔۔'' میں کسی خیال سے چونکا۔ ''آپ کو شاید ملازمت کی تلاش ہے؟''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' وہ پہلو بدل کر بڑے فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ''اپنا اپنا خیال ہے لیکن میں اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات بڑے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ملازمت صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کی مت ماری جاتی ہے۔۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ایک بات عرض کروں آپ سے۔۔۔۔؟'' میں نے اسے ناخوشگوار انداز میں مخاطب کیا۔

''جی۔۔۔۔ فرمائیے۔''

''آپ شاید غلطی سے ایک ایسی میز پر بیٹھ گئے ہیں جہاں ایک شخص سکون سے بیٹھ کر کافی پینے آیا ہے۔''

''جی ہاں۔۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے آس پاس کچھ میزیں خالی بھی ہیں۔'' وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''خالی میزیں اور خالی کرسیاں دیکھ کر مجھے انسان کی بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ افلاطون نے اپنے کسی شاگرد کو۔۔۔۔''

''آپ کافی پینا پسند کریں گے؟'' میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ اس کی حماقت آمیز گفتگو میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

''جی نہیں۔۔۔۔ میں زہر پینے کا عادی نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب۔۔۔۔؟'' میں اپنا غصہ برداشت نہ کر سکا۔ ''آپ کافی کو زہر سمجھتے ہیں؟''

''جس کافی میں زہر ملا ہوا ہو دنیا کا ہر باشعور آدمی زہر ہی کہے گا۔'' اس نے میز پر کہنی ٹکا کر مدھم لہجے میں کہا پھر جوگیا کا مخصوص کوڈ دہراتے ہوئے بولا۔ ''اس نے یہی کہا تھا

کہ آج کا دن تمہارے لئے شبھ بھی ہے اور کٹھن بھی —— اب تم کافی چھوڑ کر وقت گزارنے کی فکر کرو۔ تمہارے حصے کی کٹھنائیاں پروفیسر خبطی بھوگ لے گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی بچھو نے بے خیالی میں مجھے ڈنک مار دیا ہو۔ میں نے کافی کے کپ سے اٹھتی بھاپ کو دیکھا۔ اگر جوگیا نے اس نو وارد کے ذریعے مجھے خطرے سے بروقت آگاہ نہ کرایا ہوتا تو میری موت یقینی تھی۔ رمیش کے راستے کا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکل جاتا۔ میں نے کسی خیال سے نظر اٹھا کر اس خوبصورت ویٹرس کی طرف دیکھا جس نے مجھے کافی سرو کی تھی۔

"نہیں ——" پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔ "سندر ناریاں امرت ہوتی ہیں۔ مدھ سے بھرا پیالہ۔ ان کے شریر میں کیول رس بھرا ہوتا ہے، ان کا زہر سے کیا کام ——؟"

"پھر ——؟" میں نے پروفیسر کو غور سے دیکھا۔

"وہی چکر چلا رہا ہے جو کل تک پاتال میں کسی طاعون زدہ چوہے کی طرح چھپا بیٹھا تھا۔" اس نے مسکرا کر کہا، پھر کافی کا کپ میرے سامنے سے اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو ——؟" میں نے اسے تیزی سے ٹوکا۔ "ابھی تم نے کہا تھا کہ کافی میں ——"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا" وہ مسکرا کر بولا۔ "تم چنتا مت کرو —— لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ تم کیول اپنا دھیان رکھو۔ جوگیا نے آج کی رات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس پر دھیان رکھنا ہے۔ اب جاؤ، صبح تک کے لئے برت (روزہ) رکھ لو، اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، جیب سے پرس نکال کر کافی کا بل چکانے کی خاطر کچھ نوٹ میز پر رکھے اور خاموشی سے اٹھ گیا۔ پروفیسر خبطی وہ نہیں تھا جو بظاہر نظر آ رہا تھا۔ جوگیا کا مخصوص کوڈ دہرانے کے بعد اس نے میری میز پر آنے کا مقصد بیان کر دیا تھا لیکن ایک بات بہرحال میرے لئے تشویش طلب تھی —— اگر کافی میں رمیش کی طاغوتی قوتوں نے کسی طرح زہر شامل کرا دیا تھا تو پھر پروفیسر نے (یا وہ جو کوئی بھی تھا) اتنے اطمینان سے کپ اٹھا کر ہونٹوں سے کیوں لگا لیا ——؟ کیا وہ زہر اس کی موت کا سبب نہیں بن سکتا

تھا؟"

میں نے کیفے سے باہر آ کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک نظر اس میز کی طرف ڈالی جس پر کچھ دیر قبل میں بیٹھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ پروفیسر وہاں موجود ہو گا لیکن میز مجھے خالی نظر آ رہی تھی۔ میں نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے پھر شہر کی مختلف سڑکوں کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ میں اب پوری طرح محتاط تھا۔ موت کے سرد ہاتھ ایک بار پھر جوگیا کی بروقت مدد کی وجہ سے میری گردن دبوچتے رہ گئے تھے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ رمیش کی ناپاک قوت سائے کی طرح میرا تعاقب کر رہی ہو گی۔ وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر کانٹوں پر لوٹ رہا ہو گا۔ ممکن ہے اس کی نظروں نے بھی وہ مقصد بھانپ لیا ہو جس کی خاطر جوگیا نے مجھے کچھ ہدایتیں دی تھیں۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ زہر آلود کافی کے ذریعے مجھے مارنے کی کوشش کبھی نہ کرتا۔ جوگیا نے یہی کہا تھا کہ رمیش کی شیطانی قوتیں براہِ راست مجھ سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کر سکتیں اسی لئے وہ بلاواسطہ طریقہ اختیار کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ ایک ناکامی سے دوچار ہونے کے بعد وہ یقیناً اور مشتعل ہو گیا ہو گا —— بے شمار سازشیں اس کے غلیظ ذہن میں کلبلا رہی ہوں گی۔ وہ اس حصار کو توڑنے کی خاطر تڑپ رہا ہو گا جو جوگیا نے میرے گرد قائم کر رکھا تھا۔

میں شہر کی سڑکوں کے بے معنی چکر لگاتا رہا۔ ساڑھے گیارہ بجے میں نے ایک پٹرول پمپ پر گاڑی روک کر ٹینکی فل کرائی، پھر میں دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا جب اسی بچے کی کرب میں ڈوبی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجی جو میں پہلے بھی سن چکا تھا۔

"میری بات پورے دھیان سے سنو —— آج اپنی زبان کھولنے کی بھول مت کرنا ورنہ پھر میرا تمہارا ساتھ ہمیشہ کے لئے چھوٹ جائے گا۔ تم بھی اپنے باپ کے قاتلوں کو تلاش نہیں کر پاؤ گے —— میری بے چین روح بھی آسمان کی طرف واپس لوٹ جائے گی —— تم اگر مجھ سے کچھ کہنا سننا چاہو تو من ہی من میں سوچنا، میں تمہاری بات سن لوں گا۔"

"تم کون ہو ——؟" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ "تم نے پہلے بھی میرے اس سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔"

"جلدی مت کرو —— آہستہ آہستہ تم سب کچھ جان لو گے ——" اس کی آواز میں

درد کی شدتیں شامل تھیں۔

"کیا تم اس عورت سے واقف ہو جس پر دو پجاری ظلم ڈھا رہے تھے؟" میں نے گاڑی چلاتے ہوئے سوچا۔ "مجھے یاد ہے، دراز قد پجاری نے اس مجبور اور بے بس عورت کے جسم پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی تھی ۔۔۔ کیا وہ زندہ ہے ۔۔۔ یا جل کر راکھ ہو گئی ۔۔۔؟"

"جب تک وہ مجھے نہیں پا لے گی، اس کے شریر اور آتما کا سمبندھ نہیں ٹوٹ سکتا۔"

"تو کیا وہ ۔۔۔ وہ عورت تمہاری......"

"ہاں۔" بچے کی کراہتی ہوئی آواز ابھری۔ "وہ میری ماں ہے ۔۔۔ ماں، جس کی خاطر میری آتما ابھی تک اس دھرتی پر بھٹک رہی ہے۔"

"کیا تم براہِ راست اس کے پاس نہیں جا سکتے ۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔ اگر میں اس کے قریب گیا تو پنڈت اور پجاری جو اس پر دن رات کڑی نظریں جمائے بیٹھے ہیں میری آتما کو بھی جلا کر بھسم کر دیں گے۔"

"میں نے منوالا کے ساتھ پرانے قبرستان میں جس بچے کو دیکھا تھا کیا وہ ۔۔۔"

"زیادہ باتیں مت کرو ۔۔۔" اس نے میری بات مکمل نہیں ہونے دی۔ "صرف وہی کرو جو جوگیا نے کہا ہے ۔۔۔ سفید موتی نکال کر منہ میں دبا لو۔ پورن ماشی کا چاند آسمان کے بیچ آنے کا سمے ہو رہا ہے ۔۔۔"

میں نے بچے کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر نہیں کی، سفید موتی نکال کر زبان کے نیچے دبا لیا۔

"جوگیا سے تمہارا کیا رشتہ ہے ۔۔۔؟" میرے اندر کے تجسس نے مجھے بھی پوچھنے پر مجبور کر دیا۔

"رشتے ناتے سب جھوٹ ہیں ۔۔۔ مکر ہیں ۔۔۔ دھوکا ہیں۔" بچے کی آواز تھوڑے توقف سے پھر میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔ "تمہارا اور جوگیا کا کیا سمبندھ ہے؟ ۔۔۔ وہ تمہاری مدد کیوں کر رہا ہے ۔۔۔؟"

"شاید ۔۔۔ شاید اسے میری ذات سے ہمدردی ہو گئی ہے۔"

"میرے اس کے درمیان بھی ایسا ہی رشتہ ہے ۔۔۔ اس کی کرپا ہے جو میرے کام آ رہا ہے ورنہ اس پاپی سنسار میں کون کسی کے کام آتا ہے ۔۔۔؟"

"تمہاری ماں کا کیا نام ہے؟ ۔۔۔ وہ کس کی قید میں ہے؟ پنڈت پجاری اس کی نگرانی کیوں کر رہے ہیں؟"

"اپنی گاڑی اب کہیں حفاظت سے کھڑی کر دو۔" اس نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میرے باپ کے قاتلوں کو بھی جانتے ہو ۔۔۔؟" میں نے گاڑی کا رخ ایک پارکنگ لاٹ کی طرف جانے والے راستے پر موڑ دیا۔

"جوگیا نے تم سے کہا تھا کہ سمے کا انتظار کرو ۔۔۔ میں بھی یہی کہوں گا۔"

میں اس نادیدہ بچے کا جواب سن کر تلملا اٹھا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا۔ کچھ دیر بعد میں نے گاڑی پارکنگ لاٹ میں لے جا کر پارک کی پھر اتر کر نیچے آ گیا۔

"میں اب تمہارا ہاتھ تھام کر جہاں لے جاؤں گا وہاں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ جب تک میری آواز نہ سنو کوئی بات مت کرنا۔" بچے نے کراہتی آواز میں کہا۔ "پنڈت اور پجاریوں نے اب جو منڈل کھینچ رکھے ہیں وہ بارودی سرنگوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس بار آگ بھڑک اٹھی تو پھر جوگیا بھی ہمارے کام نہیں آ سکے گا ۔۔۔ صرف آنکھیں کھلی رکھنا اور بس۔"

"کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گے ۔۔۔؟" میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"ذات پات اور بھید بھاؤ کے چکر میں مت الجھو ۔۔۔ یہ سب اس دھرتی کے ڈھکوسلے ہیں، ایک منش دوسرے منش کے مشکل سمے میں کام آ جائے یہی سب سے بڑا دین دھرم ہے۔"

میں پھر اس کے جواب پر بھنا کر رہ گیا۔

"سچی بات کا سواد ہمیشہ بڑا کڑوا ہوتا ہے۔"

کراہتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ پھر بچے کے ہاتھ کی استخوانی انگلیوں نے میری کلائی کے گرد اپنا شکنجہ ڈال دیا۔ میں کچھ دیر تک پیدل چلتا رہا، پھر ذہن پر ایک بے نام سی غنودگی طاری ہونے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے شدید دھند نے اچانک نمودار ہو کر میری بینائی کو بھی دھندلا دیا ہو۔ میں نے اس کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن دھند کی وجہ سے مجھے کوئی شے نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

ایک بار پھر میری وہی کیفیت ہوئی جو پہلے بھی ہو چکی تھی میں خود کو فضا میں تیرتا محسوس کر رہا تھا۔ میری یہ حالت کتنی دیر برقرار رہی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن دوبارہ جب میرے قدم زمین سے لگے اور دھند چھٹی تو میں نے خود کو ایک نیم تاریک اور ویران کمرے میں پایا۔ روشندان یا کسی اور جگہ سے چھن چھن کر آنے والی مدھم روشنی اتنی کافی تھی کہ میں پوری طرح غور کرنے پر قرب و جوار کی چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔

وہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا، ایک مسہری اور دو کرسیوں کے علاوہ وہاں فرنیچر نام کی کوئی اور چیز موجود نہیں تھی۔ کمرے کا دروازہ بند دکھائی دے رہا تھا۔ میری کلائی پر مضبوطی سے جمی ہوئی استخوانی انگلیاں مجھے کھینچتی ہوئی ایک دیوار کی سمت لے جا رہی تھیں جہاں کوئی فریم لٹکا نظر آ رہا تھا۔ میں دیوار کے قریب پہنچا تو فریم یکلخت روشن ہو گیا۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ روشنی یقیناً کسی ساحرانہ قوت کا نتیجہ تھی جو صرف فریم تک محدود تھی۔ ایک معمولی سی کرن تھی جو اِدھر اُدھر پھوٹتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں ایک لمحے کو دم بخود رہ گیا پھر میری نظریں فریم میں لگی اس تصویر پر جم گئیں جسے غالباً برسوں سے صاف کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی۔ دھول اور گرد کے سبب چہروں کے نقوش واضح طور پر نہیں نظر آ رہے تھے۔ مجھے اس تصویر کے قریب لے جایا گیا تھا تو کچھ نہ کچھ مقصد بھی ضرور ہو گا۔ میں نے تصویر پر جمی گرد صاف کرنے کے بارے میں سوچا لیکن پھر نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میرے اور تصویر کے درمیان ایک بچے کا ہاتھ جو صرف کلائی تک محدود تھا اچانک زندہ حالت میں نمودار ہوا۔ شاید میں کسی ہولناک فلم کا کوئی ڈراؤنا اور ناقابل یقین منظر دیکھ رہا تھا۔ میرے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی، میری نظریں اس ہاتھ کو تصویر پر اٹی گرد کو جلدی جلدی صاف کرتا دیکھ رہی تھیں۔ پھر جب تصویر کے نقوش صاف نظر آنے لگے تو وہ ہاتھ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں نے تصویر پر غور کیا تو میرے اندر تجسس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔ تصویر کے اندر جو مرد نظر آ رہا تھا وہ رمیش کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش بہت واضح تھے۔ تصویر میں بھی اس کے گلے میں مفلر نظر آ رہا تھا جو گلزار خان کے کہنے کے مطابق رمیش کی شناخت بن گیا تھا۔ اس نے ساحل پر بھی اسی مفلر کو ہٹا کر اپنے گلے کے سڑتے گلتے زخم سے ایک کیڑا نکال کر دھماکا کیا تھا۔ نادیدہ بچے کے

نمودار ہونے والے ہاتھ نے تصویر پر جمی دھول شاید اسی لئے صاف کی تھی کہ میں رمیش کی شکل پہچان لوں لیکن مجھے وہاں لانے کا مقصد کیا تھا؟ جوگیا بتا چکا تھا کہ رمیش ہی میرا سب سے بڑا دشمن ہے، خود رمیش نے بھی میرے والد، ضرغام اور گلزار خان کے علاوہ اس کار حادثے کو بھی اپنی کمینگی سے منسوب کیا تھا جس میں میرا ایک بے قصور ڈرائیور کام آ گیا تھا۔ جوگیا اس کے آڑے نہ آتا تو شاید میں بھی اس داستان کو رقم کرنے کے لئے زندہ نہ بچتا۔

رمیش کے ساتھ تصویر میں نظر آنے والی ایک بے حد خوبصورت حسین لڑکی بھی تھی جس کی عمر بیس سال کے لگ بھگ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے بغور دیکھا، میرے ذہن کے گوشوں میں کہیں دور اس تصویر سے ملتی جلتی ایک شکل ابھری لیکن رمیش کی تصویر دیکھ لینے کے بعد میرے اندر سلگتے ہوئے لاوے کو ٹھیس پہنچی تھی جس کے سبب میں لڑکی کی تصویر سے نظریں ہٹا کر پھر اپنے دشمن کو حقارت بھری نظروں سے گھورنے لگا۔ میرا دل چاہا کہ بچے سے خود کو وہاں لانے کا سبب دریافت کروں لیکن مجھے خیال آ گیا کہ جوگیا کے علاوہ اس پراسرار بچے نے بھی مجھے زبان بند رکھنے کی تاکید کی تھی۔ میں صرف ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

میری نظریں رمیش کی تصویر پر جمی تھیں جب مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے آس پاس سسکیاں لے لے کر رو رہا ہو۔ آواز اتنی مدھم اور رقت آمیز تھی کہ میں یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ آواز کسی مرد کی تھی یا عورت کی ——— بہرحال ایک بات طے تھی کہ رونے کی اس آواز کے پیچھے کوئی نہ کوئی راز ضرور پوشیدہ رہا ہو گا ——— "وہ راز کیا تھا؟" میں ابھی سسکیوں کی اس آواز پر غور کر رہا تھا جب کمرے کا دروازہ اچانک کھلا۔ اس کے ساتھ ہی پورا کمرہ روشن ہو گیا۔

میں نے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا تو میرا خون شریانوں میں منجمد ہونے لگا۔ ایک لمبا تڑنگا پجاری دروازے پر کھڑا نظر آیا۔ اس کا رخ میری ہی طرف تھا، شاید اسے وہاں ہماری موجودگی کی بھنک مل گئی تھی۔ پجاری کے نمودار ہوتے ہی سسکیوں کی آواز بھی گھٹ کر ختم ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ آنے والے پجاری نے جس کی نظروں میں شعلے بھڑک رہے تھے، مجھے دیکھ لیا ہو گا لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ میں اس کے بالکل سامنے صرف چھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا لیکن اس کی نظریں مجھے نہیں دیکھ سکی تھیں۔ وہ تجسس

بھری نظروں سے کمرے کے کونے کونے میں نظر دوڑا رہا تھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی شبہے کی تصدیق کی خاطر وہاں موجود ایک ایک شے کو کھنگال رہا ہو۔ پھر وہ اچانک میری طرف لپکا تو میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ پجاری دیوار پر لگے ہوئے فریم کے قریب جا کر رک گیا۔ مجھے اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ وہ فریم پر جمی ہوئی گرد اور دھول کو صاف دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ وہاں اس کے سوا کوئی اور بھی موجود ہے مگر جب میں نے پلٹ کر تصویر پر نظر ڈالی تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ فریم کے شیشے پر ویسی ہی دھول اٹی ہوئی تھی جیسے بچے کا ہاتھ نمودار ہونے سے پیشتر موجود تھی۔

پجاری کچھ دیر تک کمرے میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہا۔ وہ بھی شاید اپنی کسی شیطانی قوت سے اس طلسم کا سینہ چاک کرنا چاہتا تھا جس نے مجھے سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی شعلہ بار نظروں سے محفوظ رکھا تھا۔ وہ شاید سفید موتی کا کمال تھا یا بچے کی استخوانی انگلیوں کا اثر تھا جس نے میرے اور پجاری کے درمیان کوئی دیوار کھینچ دی تھی۔ میرا پورا وجود پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید سسکیوں کی وہ آواز جو کچھ دیر پہلے ابھر رہی تھی اس منحوس پجاری کے کانوں تک بھی ضرور پہنچی ہوگی۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اس قدر بوکھلایا نظر نہ آتا۔

اپنے شبہے کی تصدیق کی خاطر وہ کسی شکاری کتے کی طرح اِدھر اُدھر گھوم پھر کر خطرے کی بو سونگھنے کی کوششوں میں مصروف رہا، پھر لائٹس بند کر کے باہر نکل گیا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

بچے کی استخوانی انگلیاں میری کلائی پر مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔ پجاری کے جانے کے تقریباً دس پندرہ منٹ بعد اس کی گرفت تنگ ہوئی تو میری نظروں کے سامنے پھر دھند چھا گئی۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے ذہن میں رمیش کے علاوہ اس کے ساتھ تصویر میں نظر آنے والی خوبصورت لڑکی کا تصور بھی بار بار ابھر رہا تھا ۔۔۔۔ "وہ کس لڑکی کی تصویر تھی جو کسی دیکھی بھالی صورت سے مشابہت رکھتی محسوس ہوئی تھی؟ اس کا رمیش سے کیا تعلق تھا؟ مجھے خاص طور پر وہاں کیوں لایا گیا تھا؟ وہ کون سی جگہ تھی اور وہ سسکیوں کی آواز کس کی تھی جسے سن کر پجاری دروازہ کھول کر دندناتا ہوا کمرے میں آیا تھا ۔۔۔۔؟"

میرے ذہن میں کئی سوال گڈمڈ ہو رہے تھے۔ جوگیا نے کہا تھا کہ وہ رات میرے لئے

شبہ ہونے کے ساتھ کٹھن بھی ثابت ہوگی۔ میں انہی خیالوں میں مستغرق تھا جب میری نظروں کے سامنے سے دُھند کی چادر ایک مرتبہ پھر سرک گئی۔ اس بار میری نظروں نے جو منظر دیکھے وہ شاید میں اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک فراموش نہ کر سکوں گا۔

میں نے رمیش کو اپنے سامنے ننگے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا دیکھا۔ اس کے سامنے ایک چراغ روشن تھا جس کی لو کپکپا رہی تھی۔ رمیش کے جسم پر اس وقت لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی البتہ اس وقت بھی مفلر اس کی گردن میں موجود تھا۔ وہ یقیناً کسی ناپاک اور مکروہ عمل میں مصروف تھا ورنہ مادر زاد برہنہ حالت میں کبھی نہ ہوتا۔ اس کی نظریں پلکیں جھپکے بغیر چراغ کی لو پر مرکوز تھیں۔ اس کے ہونٹوں کی جنبش اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ کسی جنتر منتر کے ورد میں پوری طرح غرق ہے۔ وہ کمرے میں تنہا نہیں تھا، ایک ادھیڑ عمر کی عورت بھی اس کے قریب بیٹھی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

میں کسی خاموش تماشائی کی طرح اپنے دشمن کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا۔ اگر اس وقت میرے پاس کوئی آتشی اسلحہ ہوتا تو شاید میں تمام اندیشوں اور مصلحتوں کو نظرانداز کر کے اس ولد الحرام کو موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش ضرور کرتا خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہوتا لیکن اس وقت میں اسے حقارت بھری نظروں سے گھورنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میرا خون میری رگوں میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میری نظریں رمیش پر جمی تھیں جب چراغ کی لو بڑی شدت سے کپکپا کر بجھ گئی اور دھوئیں کی ایک لکیر فضا میں بل کھاتی ہوئی غائب ہوگئی۔ رمیش کی کشادہ پیشانی پر ان گنت آڑی ترچھی لکیریں ابھرنے لگیں۔ وہ شاید کسی ناکامی کی شدت ہی تھی جس کے ردِعمل میں وہ اپنے نچلے ہونٹ دانتوں تلے چبا رہا تھا۔ اس کی خون آلود نظریں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر خباثتوں کے ڈونگرے برس رہے تھے۔

"کیا ہوا گوپی ۔۔۔۔؟" قریب بیٹھی ہوئی ادھیڑ عمر کی عورت نے رمیش کو گوپی کے نام سے مخاطب کیا تو رمیش کے تیور حد درجہ خطرناک ہو گئے۔

"کنجری ۔۔۔۔ کتی ۔۔۔۔ زبان کو تالو سے لگا لے نہیں تو کاٹ کر پھینک دوں گا۔" رمیش اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے بڑے سرد اور سفاک لہجے میں بولا۔ "کتنی بار سمجھا چکا ہوں کہ مجھے گوپی کے نام سے مت یاد کیا کر۔"

"شما کر دے رمیش ـــــ بھول ہوگئی۔" عورت نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "اب ایسا نہیں ہوگا۔"

"اگر پھر بھول ہوئی تو بوٹی بوٹی کر کے چیل کووں کو کھلا دوں گا۔"

"مجھ پر کیوں آنکھیں نکال رہا ہے؟" اس بار عورت نے بھی قدرے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "اگر وہ تیرے قابو میں نہیں آ رہا تو اس میں میرا کیا دوش؟ سارا جیون تیری رکھیل بن کر بتا دیا، اب ہڈیوں میں گودا نہیں رہا تو روکھی پھیکی باتیں کر رہا ہے۔"

"تو بھاگوان ہے جو ابھی تک میں نے تجھے اپنے چرنوں میں جگہ دے رکھی ہے ورنہ رنجنی کا انجام تجھے بھی معلوم ہے۔"

"اس کے ساتھ بھی تو نے نیائے نہیں کیا۔" عورت نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "سارا دوش تیرا تھا لیکن تو نے کسی نردوش کو ـــــ"

وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ رمیش نے پینترا بدل کر بھرپور لات ماری تو وہ بلبلاتی ہوئی ننگے فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں سے خون کا فوارہ ابلنے لگا۔

"پاپ اور پن کی بات کر رہی ہے اور وہ بھی رمیش سے۔" وہ حلق کے بل چیخا۔ "کیا جیون سے دل اچاٹ ہوگیا تیرا؟"

"ہاں ـــــ" اس نے ساری کے پلّو سے خون صاف کرتے ہوئے جھلا کر جواب دیا۔ "بار بار مرنے سے تو بہتر ہے کہ منش ایک بار دنیا سے سدھار جائے۔ تیرے من میں یہی ہے تو مار دے مجھے۔"

"نہیں چھمیا نہیں ـــــ" رمیش زہر خند سے بولا۔ "میں تجھے اتنی آسان موت نہیں ماروں گا۔ تو نہیں جانتی کلنکنی کے سفلی کی وِدّیا حاصل کرنے کے بعد رمیش کے قبضے میں کتنی ناپاک آتمائیں ہاتھ باندھے ڈنڈوت کرتی رہتی ہیں۔ تجھے ابھی میری کالی شکتی کا اندازہ نہیں ہے۔"

"ہوگیا تیری شکتی کا اندازہ۔" عورت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "ایک چھوکرا تو تیرے ہاتھ آ نہیں رہا اور تو آکاش پر چڑھ کر موتنے کی باتیں کر رہا ہے۔"

"وہ بھی ہاتھ آ جائے گا اور وہ بھی جو پردوں میں چھپا بیٹھا اس کی سہائتا کر رہا ہے پرنتو اس کے لئے اب مجھے کسی سندری کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ دینا ہوگا ـــــ اس کے بعد

سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اپنی کاٹھی پر بھی ایک نظر ڈال لے۔" عورت نے حقارت سے جواب دیا۔ "اب کوئی سندری رنجنی کی طرح تیرے جھانسے میں نہیں آئے گی۔"

"تو اپنے آپ کو کیوں بھول رہی ہے ـــــ؟" رمیش نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"میں سندری ہوتی تو اس طرح تو میرے منہ پر لات مارنے کی بجائے میرے تلوے چاٹ رہا ہوتا۔"

"دھیرج رکھ ـــــ دھیرج۔" رمیش سرسراتے لہجے میں بولا۔ "آج میں تجھے اپنی شکتی کا ایک انوکھا چمتکار دکھاؤں گا۔ میں تجھے سندری بناؤں گا اور پھر تجھے کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھاؤں گا۔"

عورت جواب میں دیوانہ وار قہقہے لگانے لگی۔ لیکن اس وقت وہ سہم کر خاموش ہوگئی جب رمیش نے مفلر کو گردن سے ہٹا دیا۔ مجھے ایک بار پھر کراہت کا احساس ہوا، زخم کی پیپ میں بج بجاتے کیڑے مفلر ہٹتے ہی کلبلانے لگے تھے۔ رمیش کی نظریں عورت پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ الف ننگا کھڑا عورت کو گھورتا رہا، پھر حیرت انگیز پھرتی سے اسے زمین پر گرا کر اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ عورت نے ہذیانی انداز میں چلانا شروع کر دیا۔ خود کو رمیش کے بوجھ سے آزاد کرانے کی خاطر وہ ماہئ بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی، ہاتھ پیر چلا رہی تھی لیکن رمیش نے اسے پوری طرح بے بس کر رکھا تھا۔ پھر اچانک اس نے اپنے زخم سے دو چار کیڑے نکال کر عورت کے منہ میں زبردستی ٹھونس دیئے اور اپنا ایک ہاتھ اس طرح اس کے منہ پر جما دیا کہ وہ کیڑوں سے چھٹکارا نہ پا سکے۔ عورت نے خود کو آزاد کرنے کی جدوجہد اور تیز کر دی لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ پھر کچھ دیر بعد جب رمیش کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ کیڑے عورت کے حلق کے نیچے اتر چکے ہوں گے تو وہ اسے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں شیطانی انداز میں چمک رہی تھیں۔ عورت بار بار ابکائیاں لے رہی تھی۔ اس کے منہ سے رمیش کے لئے مغلظات گالیاں بھی ابل رہی تھیں لیکن وہ خاموش کھڑا اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے وہ دونوں کانوں سے بہرا ہوگیا ہو۔ اس کے ہونٹ مستقل بدبدا رہے تھے۔ شاید وہ کسی ناپاک عمل میں مصروف تھا۔

میں بڑی مشکلوں سے اپنا غصہ ضبط کیے سب کچھ دیکھتا رہا، پھر اس وقت مجھے اپنی بینائی

پر شبہ ہونے لگا جب میں نے ادھیڑ عمر کی عورت کے جسم پر پڑی جھریوں کو اس طرح غائب ہوتے دیکھا جیسے کسی شکن آلود کپڑے پر گرم استری پھیرنے سے اس کی ساری سلوٹیں بتدریج ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ عورت بھی کسی ایسے ہی شیطانی عمل سے گزر رہی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم کی ساری جھریاں غائب ہو گئیں۔ اس کی جلد کی رنگت بھی نکھرنے لگی۔ رمیش کی نظریں اس پر پوری طرح جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹ برابر کسی جنتر منتر کے جاپ میں مصروف تھے۔ پھر دس پندرہ منٹ بعد وہ عورت ننگے فرش سے اٹھی تو میں بھی ششدر رہ گیا۔۔۔ کچھ دیر قبل ادھیڑ عمر نظر آنے والی عورت اب اٹھارہ انیس سال کی ایک الہڑ حسینہ کا رنگ و روپ اختیار کر چکی تھی۔ میں شاید جاگتی نظروں سے کوئی طلسمی خواب دیکھ رہا تھا۔

"اب کیا وچار ہے رمیش کے بارے میں۔۔۔؟" اس نے عورت کو بازاری انداز میں مخاطب کیا۔ "اب تو تیری ہڈیوں میں پھر رس دار گودا بھر گیا۔ پھر سے تو نے وہی روپ دھار لیا جو پہلی رات کی دلہن کا ہوتا ہے۔۔۔ آ۔۔۔ میری چھاتی سے لگ جا۔"

"نہیں۔۔۔" عورت نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تم اگر مجھے کالی کے پوتر چرنوں میں بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو تو پھر میرے سندر شریر کو ہاتھ لگانا تمہارے لئے پاپ ہوگا۔"

"رنجنی بھی تیری طرح پاپ اور پن کی باتیں کرتی تھی۔۔۔ پر کیا انجام ہوا اس کا؟" رمیش نے بڑی خباثت سے کہا پھر لپک کر اسے اس طرح اپنی بانہوں میں دبوچ لیا جیسے کسی شکرے نے ایک معصوم کبوتری کو اپنے پنجوں میں پوری طرح جکڑ رکھا ہو۔

"نہیں رمیش۔۔۔ نہیں۔" عورت گڑگڑانے لگی۔ "تو نے اگر اپنی شکتی سے مجھے نیا جیون، نئی جوانی دان کی ہے تو اب اسے برباد مت کر۔۔۔ مجھے آزاد کر دے۔ میں تمام جیون تیری ابھاری (شکر گزار) رہوں گی۔ تو نے مجھ پر ابکار کیا ہے تو میری بنتی بھی سن لے۔"

"رام لیلا سنا کر رمیش کو چھل دینے کی کوشش کر رہی ہے، ابکار میں نے کیا، سندرتا اور بھرپور جوانی میں نے دان کی اور تو دوسروں کے ساتھ مزے اڑانے کا سپنا دیکھ رہی ہے۔" رمیش نے اس کے خوبصورت بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر کہا۔ "تو چلی گئی تو میرے شریر کی اگنی پر امرت جل کا چھڑکاؤ کون کرے گا۔۔۔؟"

"میں ہاتھ باندھ کر بھیک مانگ رہی ہوں رمیش۔ میں نے سارا جیون تیرے چرنوں میں بتایا ہے۔ کبھی تیرے کسی کہے سے منہ نہیں موڑا۔ آج تو مجھے نراش مت کر۔ اب میری آتما کو گندا مت کر۔"

"بھاشن دے رہی ہے مجھے۔۔۔" رمیش حقارت سے بولا۔ پھر اس نے ایک ہی جھٹکے سے عورت کی چولی گھسیٹ کر ایک طرف اچھال دی۔ اس کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ عورت اپنا جسم چرانے لگی۔ اس کی نگاہوں میں سلگتی چنگاریاں آہستہ آہستہ بھڑک رہی تھیں۔

"میں کہتی ہوں باز آ جا رمیش۔۔۔" اس نے رمیش کی نظروں میں نظریں ڈال کر قدرے درشت لہجے میں کہا۔ "تیرے من میں جو اگنی بھڑک رہی ہے اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے رنجنی کی بہن کو بلا لے۔ اسی نے تجھے سر چڑھا رکھا ہے۔ اس نے شرن نہ دی ہوتی تو آج تو یہاں نہ ہوتا۔۔۔"

"بس۔۔۔ چپ ہو جا۔" رمیش کسی بھوکے شیر کی طرح گرجا۔ "اب اگر ایک شبد بھی زبان سے نکالا تو تجھے رنجنی سے زیادہ کشٹ بھوگنا پڑے گا۔ میرے چیلے اور میرے منتر کے بیر تیری بوٹی بوٹی نوچ کر رکھ دیں گے۔۔۔ سنا تو نے، میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں۔۔۔" عورت کسی زخمی شیرنی کی طرح بپھر گئی۔ اس کی غزالی آنکھوں میں شعلے جاگ اٹھے، چیخ کر بولی۔ "آج مجھے نہیں بلکہ تجھے میری بات سننی پڑے گی۔ مجھے چھوڑ دے، نہیں تو میں رمیش، گوپی اور گپتا کا سارا بھانڈا ابھی پھوڑ دوں گی۔"

عورت کی زبان سے رمیش، گوپی اور گپتا کے نام سن کر میرے اندر اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا تھا کہ مجھے اس جگہ کیوں لایا گیا تھا۔ جوگیا نے غلط نہیں کہا تھا کہ آج کی رات میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہوگی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ حالات کے الجھے ہوئے تانے بانے ملتے نظر آ رہے تھے۔ ڈور کا ایک سرا ملنے کی امید نے میرے اندر کے آتش فشاں کو ٹھیس لگا دی تھی۔ دوسری طرف گپتا کا حوالہ سن کر رمیش بھی آپے سے باہر ہو گیا۔۔۔ اس نے ایک زوردار جھٹکا دیا تو عورت لہراتی ہوئی ایک دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں بھی اب خوف ابھر آیا تھا۔

رمیش نے گردن سے مفلر ہٹا کر زخموں میں چٹکی بھر کے ہاتھ عورت کی سمت جھٹکا تو اس

کا خوبصورت اور حسین جسم بھڑکتے شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ عورت کی کربناک چیخیں در و دیوار سے ٹکرا رہی تھیں اور رمیش اس کی اذیت سے لطف اندوز ہو کر دیوانہ وار قہقہے بلند کر رہا تھا۔

"کلنکنی ——" اچانک ہنستے ہنستے اس نے گہری سنجیدگی اختیار کر کے کہا۔ "آج میں تیرے ساتھ گوپی اور گپتا کے خطروں کو بھی نرکھ میں جھونک دوں گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بنسریا۔"

عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگ کے شعلوں سے بچنے کی خاطر پاگلوں کی طرح اٹھ کر کمرے میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ مختصر سے کمرے میں گوشت جلنے کی چراند کی بو پھیل رہی تھی۔ رمیش نے پھر قہقہہ لگانا شروع کر دیا۔ میں دم بخود کھڑا اس ہولناک منظر کو دیکھتا رہا۔ موت اور زندگی کا وہ بھیانک کھیل اس وقت میرے لئے ایک ناقابل یقین منظر پیش کرنے لگا۔ عورت کے جسم کا سارا گوشت جل چکا تھا لیکن اس کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کمرے میں دوڑتا پھر رہا تھا اور ہڈیوں کے اِس انسانی پنجر سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ قریب تھا کہ میری قوت برداشت جواب دے جاتی، میرے منہ سے کوئی چیخ بلند ہو کر وہاں ہماری موجودگی کا راز اگل دیتی لیکن شاید بچے کی روح کو میری کیفیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ کی استخوانی انگلیوں کی گرفت اچانک میری کلائی پر شدت اختیار کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری نگاہوں کے سامنے کوئی سیاہ پردہ حائل ہو گیا ہو۔ میرے حلق سے ابھرنے والی چیخ میرے وجود کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ اس کے ساتھ ہی بچے کی کربناک آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"تم قسمت کے دھنی ہو جو گیا تمہارے اوپر مہربان ہو گیا۔"

"گوپی، گپتا اور رمیش کا آپس میں کیا تعلق ہے ——؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

"جو کچھ تمہاری آنکھوں نے دیکھا —— کانوں نے سنا، سب کچھ جوگیا کو بتا دینا۔ وہی تمہاری سہائتا کرے گا۔" اس نے میرا سوال نظر انداز کر کے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تصویر میں رمیش کے ساتھ نظر آنے والی عورت کون تھی؟" میں نے پُرتجسس انداز میں پوچھا۔

نادیدہ بچے کی روح نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"ہٹا کٹا پجاری جب اچانک کمرے میں داخل ہوا تھا اس سے پیشتر میں نے کسی کے سسکنے کی آواز سنی تھی۔" میں نے کسی فوری خیال کے تحت سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا تم نے بھی سسکیوں کی وہ آواز ——"

"وہ —— وہ آواز میری ہی تھی۔" بچے کی آواز کا کرب اور شدت اختیار کر گیا۔ "میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی تڑپ کر بلبلانے لگتے۔ کلیجہ پھٹ جاتا تمہارا۔"

"لیکن ——"

"تصویر میں تم نے جس عورت کو دیکھا وہ بھی میری ماں ہی تھی۔"

"کیا مطلب ——؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"تم نہیں سمجھ سکو گے۔"

"رمیش اور تمہاری ماں کے درمیان کیا تعلق ہے ——؟" میں نے دریافت کیا۔

"تم نے کبھی مکڑی کے جال میں پھنسی ہوئی مکھی دیکھی ہے؟ —— بس وہی سمبندھ سمجھ لو۔" سرد آہ بھر کر جواب دیا گیا۔

"آج میں نے جو کچھ دیکھا اس کا میرے والد کی پراسرار موت سے کیا تعلق ہے؟" میں نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔

"میرے پاس سمے کم ہے —— تم سب کچھ جوگیا کو بتا دینا۔"

"تم ——" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "تم شاید مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتے ——؟"

"ایک بات دھیان میں رکھنا ——" بچے نے سپاٹ مگر معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ "رمیش نے کہا تھا کہ اسے اپنے راستوں کے اندھیروں کو دور کرنے کے کارن کسی سندری کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ دینا پڑے گا۔"

"تم مجھے کیا بتانا چاہتے ——؟"

میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ استخوانی انگلیوں کی گرفت میری کلائی سے علیحدہ ہو گئی۔ میں نے خود کو اپنی خواب گاہ میں پایا۔ میں پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ جو کچھ میری نظروں نے دیکھا اس کا ایک ایک منظر میری یادداشت میں محفوظ تھا۔ جو کچھ میں نے سنا اس کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا —— آپ اسے میرا وہم،

میری نگاہوں کا فریب کہیں، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ آپ کو اپنی بات کا یقین دلانے کی خاطر کوئی زندہ اور ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکوں گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں جو المناک اور حیرت انگیز داستان رقم کر رہا ہوں اس کی آخری سطر تک پڑھنے کے بعد شاید آپ کے لئے بھی یہ فیصلہ کرنا بے حد دشوار ثابت ہو کہ میری زندگی کے ان پراسرار واقعات میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری یہ سرگزشت خود میرے لئے بھی بڑی پیچیدہ اور اذیت ناک ہے مگر میں ان باتوں کو جھٹلا بھی نہیں سکتا جو میرے ساتھ پیش آ چکی ہیں۔

میرے دل کی کیفیت بڑی غیر ہو رہی تھی۔ رمیش کے عتاب کا شکار ہونے والی عورت کا عبرتناک اور بھیانک انجام ابھی تک میرے دل و دماغ پر طاری تھا۔ وہ گوپی اور گیتا کے نام کو دوبارہ زبان تک لانے کے جرم میں موت کی سزاوار ٹھہری تھی۔ ایک بار رمیش نے اسے سخت لہجے میں تنبیہہ کی تھی لیکن دوسری بار اس کا غصہ کمال عروج پر پہنچ گیا۔ شاید اس لئے کہ عورت نے رمیش اور گوپی کے علاوہ گیتا کا نام بھی زبان تک لانے کی غلطی کی تھی۔

بچے کی روح نے ان ناموں کی وضاحت سے گریز کیا لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ وہ تینوں نام ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہوں گے اور وہ شخصیت خود رمیش کی ہو گی جس نے وقت اور حالات کے تحت دوسروں کی نظروں میں دھول جھونکنے کی خاطر یا اپنی شخصیت کو پس پردہ رکھنے کی خاطر بار بار نام تبدیل کئے ہوں گے۔ لیکن محض اتنی سی بات پر عورت کو شعلوں کے حوالے کر کے اذیت ناک حالات میں موت کے گھاٹ اتار دینا میری سمجھ سے باہر تھا۔

بات اگر صرف رمیش اور گوپی تک محدود رہتی تو شاید میں اندھیرے میں ہی رہتا لیکن گیتا کا نام میرے ذہن میں کسی سرخ روشنی کی طرح بار بار جل بجھ رہا تھا۔ نریش چندر کی فرم کے نام کے ساتھ گیتا کا دم چھلا کیوں لگا تھا؟ ——— گیتا کون تھا؟ ——— نریش چندر اور گیتا کا آپس میں کیا تعلق تھا؟ یہ باتیں میرے ذہن میں کئی بار ابھر چکی تھیں ——— نریش چندر کی سالگرہ پارٹی میں پرتاپ سے ہونے والی گفتگو بھی ایک معمہ ہی تھی۔ اس نے انجلا کے بارے میں جو کچھ کہا وہ محض دل کی بھڑاس نہیں ہو سکتا تھا۔ جس دراز قد پجاری کو میں نے پہلی بار خواب میں دیکھا تھا اس کا جنم دن والی پارٹی میں شرکت کرنا میرے ذہن میں

کھٹکا تھا۔ اسی پجاری نے کھانے کے دوران میرے پاس آ کر بڑے تیکھے انداز میں بچے کی دوسری آنکھ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ مجھے اس وقت بھی دیکھ چکا تھا جب میں تہہ خانے میں زنجیروں میں جکڑی ایک عورت کو دیکھ رہا تھا۔ بچے کی کربناک آواز نے کہا تھا کہ وہ بدنصیب عورت اس کی ماں تھی ——— دراز قد پجاری نے مجھ سے پارٹی میں دوسری آنکھ کا مطالبہ کرتے وقت بڑے زہریلے انداز میں "سنپولیے" کا لفظ استعمال کیا تھا ——— "اگر وہ بچہ سنپولیا تھا تو پھر سانپ کون تھا؟ ——— پجاری کو خاص طور پر وہ آنکھ کیوں درکار تھی جو پیپر ویٹ میں موجود تھی؟ ——— گفتگو کے دوران اس نے بڑے یقین سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ بچے کی دوسری آنکھ میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں دیکھ چکا ہے۔ اس کے تیور اس وقت بے حد خطرناک ہو رہے تھے۔ وہ میری جانب کسی خطرناک ارادے سے لپکا تھا لیکن اسی وقت پورا پنڈال گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ روشنی دوبارہ ہوئی تو دراز قد پجاری زخمی حالت میں پڑا تھا ——— "اسے کس لئے مارنے کی کوشش کی گئی؟ جب وہ بچے کی دوسری آنکھ کا سراغ پا گیا تھا تو اسے راستے سے ہٹانے کی کیا ضرورت تھی ——— ؟

جوگیا کے علاوہ پرتاپ نے بھی کہا تھا کہ دراز قد پجاری کو چاقو مار کر فرار ہونے والا بھی اس کا ساتھی پجاری تھا۔ نریش چندر بھی اس واردات سے بوکھلا گئے تھے۔ ان کی پتنی انجلا کی نگاہوں میں اس وقت میرے لئے نفرت ہی نفرت بھری نظر آ رہی تھی جب اس نے پجاری پر قاتلانہ حملے کو "کلجگ" قرار دیا تھا۔

پرتاپ نے میرے دفتر آ کر بتایا تھا کہ وہ انجلا کو اکثر تنہا اس پجاری کے ساتھ مندر آتا جاتا دیکھ چکا تھا۔ "اسے انجلا اور دراز قد پجاری کے تعلقات کے بارے میں کیا علم تھا؟ ——— وہ مجھے کیا بتانا چاہتا تھا؟"

گیتا کے نام کے ساتھ ساتھ انجلا کا تصور بھی اس وقت میرے دماغ میں کسی سرخ بتی کی طرح بار بار اسپارک کر رہا تھا۔ میں جس الجھن میں گرفتار تھا، اس میں انجلا کیا کردار ادا کر رہی تھی؟ ——— کیا پرتاپ کو جن باتوں کا علم تھا وہ نریش چندر کے علم میں نہیں تھیں؟ اور گیتا کون تھا جس کا نام نریش کے ساتھ جڑا ہوا تھا؟ کیا یہ محض اتفاق تھا یا نریش چندر بھی کسی سازش میں ملوث تھا ——— ؟

میرے ذہن میں خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ مجھے ایک بار پھر پرتاپ کا خیال آیا۔ دراز قد پجاری پر ہونے والے حملے اور اس کے اور انجلا کے تعلقات کی آڑ میں میرے ملوث ہو جانے کو بھی پرتاپ نے محض ایک اتفاق نہیں سمجھا تھا۔ اس نے کھل کر اقرار نہیں کیا تھا لیکن اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ انجلا نے کسی وجہ سے مجھے پھنسوانے کی کوشش کی تھی۔۔۔۔ مگر کیوں؟ اسے میری ذات سے کیا دشمنی تھی جبکہ نریش چندر میرے ہمدردوں میں سے تھا؟ پرتاپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ حملہ آور پجاری جس سیاہ مرسڈیز میں بیٹھ کر فرار ہوا تھا وہ بھی انجلا کی ملکیت تھی۔۔۔۔

'اگر پرتاپ کا بیان غلط نہیں تھا تو کیا انجلا بھی کسی زاویئے سے روپ نگر میں ہونے والی میرے باپ کی پراسرار موت میں بالواسطہ ملوث تھی؟ کیا نریش چندر کو علم نہیں تھا کہ اس کی بیوی کیا کردار ادا کر رہی ہے؟ اور گپتا کون تھا جس کا نام نریش چندر کے کاروبار میں شامل تھا؟'

گپتا..... گپتا..... گپ..... تا..... گپتا.....' میرے ذہن میں گپتا کا نام گونج رہا تھا۔ پرتاپ نے بھی میرے دفتر میں گپتا کا نام لے کر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن رمیش کی ناپاک قوت نے اس کی یادداشت بھی ضرغام کی طرح مفلوج کر دی تھی۔۔۔۔ جوگیا نے آگ کے بھیانک شعلے کے روپ میں مداخلت نہ کی ہوتی تو پرتاپ زندگی کی سرحد پار کر کے موت کی ویران گھاٹیوں میں پہنچ چکا ہوتا۔

میرا ذہن پھر جوگیا اور رمیش کے سلسلے میں الجھنے لگا۔ جوگیا اگر پرتاپ کو رمیش کے چنگل سے نجات دلا سکتا تھا تو وہ رمیش کا کریا کرم کرنے کی قوت بھی ضرور رکھتا ہوگا لیکن اس نے گریز سے کام لیا۔۔۔۔ آخر کیوں؟ جوگیا ہی نے مجھے قبل از وقت بتایا تھا کہ پورن ماشی کی وہ رات میرے لئے نہ صرف کارآمد ہوگی بلکہ کٹھن بھی ثابت ہوگی۔۔۔۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ بچے کی بھٹکتی ہوئی روح بھی مجھے اسی کی ایما پر وہیں لے گئی ہوگی جہاں میں نے تصویر میں رمیش اور بچے کی ماں کو ایک ساتھ دیکھا تھا۔۔۔۔ وہ جگہ کون سی تھی؟ مجھے وہاں لے جانے کا مقصد کیا تھا۔۔۔۔؟

گپتا کے علاوہ میرے ذہن میں رنجنی کا نام بھی گونج رہا تھا۔ رمیش کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ رنجنی ہی بچے کی بدنصیب ماں کا نام ہوگا جس کے حوالے سے وہ

عورت کو ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل مچی تھی جب اچانک انجلا کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ابھر آیا۔ دوسرے ہی لمحے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میں نے تصویر میں جس عورت کو رمیش کے ساتھ دیکھا تھا اس کی شکل انجلا سے ملتی جلتی تھی۔۔۔۔ عورت نے بھی رمیش کے عتاب کا شکار ہونے سے پہلے بڑی نفرت سے کہا تھا کہ وہ اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کی خاطر رنجنی کی بہن کو کیوں نہیں بلا لیتا۔۔۔۔ 'رنجنی اور انجلا میں کیا تعلق تھا؟ رمیش یا گپتا ان دونوں کے درمیان کہاں سے آ گیا؟۔۔۔۔ کیا وہ تینوں ایک دوسرے سے واقف تھے؟ اگر ایسا تھا تو نریش چندر کو بھی اس کی بھنک ہونی چاہئے تھی۔ کیا ہر بات سے واقف ہونے کے باوجود وہ خود کو انجان ظاہر کر رہا تھا۔۔۔۔؟'

میرے ذہن میں بار بار یہ خیال کسی زہریلے کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا کہ اگر رمیش ہی گپتا تھا تو پھر نریش چندر نے اس کو اپنے کاروبار میں کیوں شریک کر لیا؟ کیا وہ بھی رمیش کی کالی قوتوں کی وجہ سے زبان بند رکھنے پر مجبور تھا؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میں اس طرح چونکا جیسے کچی نیند سے ہڑبڑا کر بیدار ہوا ہوں۔ میں نے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی، اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ اتنی صبح مجھے کون فون کر سکتا تھا؟ میں نے سوچا، پھر چوتھی گھنٹی بجنے پر میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔۔۔۔'' میں نے خود کو سنبھال کر مدھم آواز میں کہا۔

''ناگ بچھو۔۔۔۔'' دوسری جانب سے جوگیا کا مخصوص کوڈ کا حوالہ دینے والی منوالا کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

''تم۔۔۔۔'' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''ہاں، میں۔'' منوالا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مجھے خوشی ہوئی کہ تمہارا آج کا مشن کامیاب رہا۔ میں نے یہی کہا تھا کہ پورن ماشی کی رات تمہارے لئے بڑی شبھ ثابت ہو گی۔''

''میرے ذہن میں بہت سارے سوالات۔۔۔۔''

''میں جانتی ہوں اس سے تمہارے من میں جوار بھاٹے کی کیفیت طاری ہے۔'' منوالا نے جو اس وقت یقیناً جوگیا کی ماورائی قوتوں کے زیر اثر تھی، سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم رنجنی

اور انجلا کے بیچ جو سمبندھ تلاش کر رہے ہو وہی ڈور کا وہ سرا ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔"

"کیا مطلب ۔۔۔۔۔؟"

"رنجنی اور انجلا ایک دوسرے کی بہنیں ہیں۔" منوالا نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔ "رمیش نے سفلی کی ناپاک قوتوں سے ان دونوں کو کسی زہریلے ناگ کے انوسار اپنی کنڈلی کے بیچ دبوچ رکھا ہے۔"

"رمیش اور رنجنی کا کیا تعلق ہے ۔۔۔۔۔؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"جو بالک تمہارا ہاتھ تھام کر لے گیا تھا وہ تمہیں اس کا جواب دے چکا ہے۔" منوالا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "اس بھاگ جلے نے غلط نہیں کہا تھا کہ رمیش اور رنجنی کے درمیان وہی تعلق ہے جو کسی چالاک مکڑی کا اپنے جالے میں پھنسی ہوئی مکھی سے ہوتا ہے۔"

"وہ بدنصیب عورت کون تھی جسے آگ میں جلا دیا گیا ۔۔۔۔۔؟"

"وہ رمیش کی رکھیل ہی تھی جسے گپتا کا نام درمیان میں لانے کے جرم میں جلا کر بھسم کر دیا گیا۔"

"گپتا کون ہے ۔۔۔۔۔؟"

"وہی جو تم سوچ رہے ہو ۔۔۔۔۔" اس بار مبہم انداز میں جواب دیا گیا۔

"اس وقت وہ کہاں ہے ۔۔۔۔۔؟" میں نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے دریافت کیا۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے من میں سلگتے جوالا مکھی میں اتھل پتھل ہو رہی ہے لیکن خود کو شانت رکھو ۔۔۔۔۔ جلدی کرو گے تو کام کھوٹا ہو جائے گا۔"

"تم ۔۔۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے باپ کا قاتل کون ہے؟" میں جھلا گیا۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا رمیش نے تم سے خود نہیں کہا تھا کہ اصل ہتیارا وہی ہے؟"

"جہاں بچے کی روح مجھے لے گئی تھی کیا تم وہاں نہیں جا سکتے تھے ۔۔۔۔۔؟" میں نے تلملا کر پوچھا۔

"دھیرج سے کام لو دانش جی ۔۔۔۔۔" منوالا نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ پراسرار شکتیوں پر بھی کچھ روک ٹوک لاگو ہوتی ہے۔ جو حد سے پھلانگ جائے اسے اوپر والا بھی شما نہیں کرتا۔"

"لیکن ۔۔۔۔۔"

"ابھی کیول ڈور کا سرا ہاتھ لگا ہے ۔۔۔۔۔" میری بات کاٹ کر سنجیدگی سے کہا گیا۔

"الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں کچھ سمے تو لگے گا۔"

میں نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا، جوگیا کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ رمیش کے مقابلے میں وہ کہیں زیادہ قوتوں کا مالک تھا۔ آگ میں جلنے والی عورت نے بھی رمیش سے جھلا کر کہا تھا کہ وہ ایک چھوکرے کو تو قابو نہیں کر سکا اور لمبی چوڑی ڈینگیں مار رہا ہے۔ عورت کی بات سن کر رمیش کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر یہی کہا تھا کہ ۔۔۔۔۔ "وہ بھی ہاتھ آ جائے گا اور وہ بھی جو پردوں میں چھپا بیٹھا اس کی سہائتا کر رہا ہے ۔۔۔۔۔" اس نے اپنے مقصد میں کامیابی کی خاطر کسی خوبصورت اور حسین لڑکی کو کالی کے قدموں میں بطور نذرانہ پیش کرنے کی بات بھی کی تھی۔

بات بہت واضح تھی کہ رمیش کی ناپاک اور سفلی قوتیں بھی جوگیا کا سراغ نہیں پا سکی تھیں۔ اس وقت بھی رمیش کی قوتوں کو منہ کی کھانی پڑی جب جوگیا نے شعلہ بھڑکا کر پرتاپ کو اس کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔ میری رہائش کے گرد جوگیا کا قائم کردہ حصار بھی رمیش کے لئے ناقابل تسخیر تھا۔ جوگیا نے مجھے اور میری ماں کو جو تحفظ فراہم کیا تھا، رمیش اس کے سامنے بھی بے بس تھا۔ کار حادثے میں بھی جوگیا کی پراسرار قوتوں نے مجھے دودھ کی مکھی کی طرح موت کے سرد ہاتھوں سے بچا لیا تھا ۔۔۔۔۔ اور اب جبکہ ڈور کا کوئی سرا جوگیا کے ہاتھ آ گیا تھا تو وہ دھیرج ۔۔۔۔۔ دھیرج کی رٹ لگا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ وہ رمیش کو ختم کرنے سے گریز کیوں کر رہا تھا؟ کون سی مصلحت تھی جو اس کے آڑے آ رہی تھی؟ کیا مجبوری تھی جو اسے روک رہی تھی ۔۔۔۔۔؟ مجبوری ہی تھی یا وہ جان بوجھ کر رمیش کو ڈھیل دے رہا تھا؟

"زیادہ اونچی اڑان اڑنے کی کوشش مت کرو بالک۔" منوالا کی آواز ریسیور پر ابھری۔

"جوگیا کی نظریں تمہارے من کا سارا حال پڑھ رہی ہیں، کیا کھرا ہے اور کیا کھوٹا، یہ تم نہیں جانتے۔ کیول اتنا یاد رکھو کہ ہر کام کے لئے ایک سمے ہوتا ہے۔ تمہیں بھی اس سمے کی راہ دیکھنی ہوگی۔"

"انجلا کو میری ذات سے کیا دشمنی ہے____؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔ "نریش چندر کو اگر حالات کا علم ہے تو وہ ابھی تک خاموش تماشائی بنا کیوں بیٹھا ہے؟"

"تم کس نتیجے پر چھلانگ لگانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"میں____ میں پہلی فرصت میں اپنے باپ کے قاتل یا قاتلوں سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔" میں نے جوشیلے انداز میں کہا۔ "میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی شاید یہی کرتے۔"

"میرے سر پر کسی جوگیا کا ہاتھ نہ ہوتا تو میں قرضہ چکتا کرنے کے لئے زندہ بھی نہ ہوتا۔"

"احسان جتا رہے ہو____؟" میں بری طرح جھلا گیا۔

"سفید موتی کو سنبھال کر رکھنا، وہ تمہارے لئے بڑے کام کی چیز ثابت ہوگا۔" میری بات کو نظر انداز کر کے جواب دیا گیا۔

"جوگیا____" میں نے ٹھوس انداز اختیار کیا۔ "کیا تم رمیش کے منحوس اور ناپاک وجود کو ختم نہیں کر سکتے؟"

دوسری جانب سے میری بات کا جواب دینے کی بجائے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تو میری جھلاہٹ دوچند ہو گئی۔ میرے ذہن میں اور کئی سوالات تشنہ رہ گئے۔ رمیش نے کہا تھا کہ وہ کسی خوبصورت اور حسین لڑکی کو کالی کی بھینٹ چڑھانے کے بعد ان پردوں کو درمیان سے ہٹا دے گا جو اس کے اور جوگیا کے درمیان پڑے تھے۔ اسی مقصد کے لئے اس نے ادھیڑ عمر کی عورت کو اپنے کالے علم کے ذریعہ جوان لڑکی کا روپ دیا تھا۔ لیکن گیتا کا نام لینے پر اسے جلا کر راکھ کر ڈالا____ کیا اس کے ذہن سے کالی کی بھینٹ کا خیال نکل گیا تھا؟ بچے نے بھی معنی خیز انداز میں میری کلائی سے اپنی گرفت ہٹانے سے پیشتر یہی کہا تھا کہ رمیش کو اپنے راستے کے اندھیروں کو دور کرنے کی خاطر کسی سندری کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ دینا پڑے گا!____ جب میں رمیش کی زبانی اس کے ناپاک ارادوں سے واقف ہو چکا تھا تو پھر بچے کو وہی بات دہرانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی____؟ اور بھی کچھ اہم باتیں تھیں جو میں جوگیا سے دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

میں نے جوگیا کی ہدایت پر سفید موتی کو سنبھال کر رکھ دیا۔ اس نے صرف یہی کہا تھا کہ وہ موتی میرے لئے بڑے کام کی چیز ثابت ہوگا مگر اس کا مصرف نہیں بتایا تھا۔ سب

سے اہم نکتہ یہ تھا کہ جوگیا نے مجھے بچے کی روح کے ساتھ جہاں بھیجا تھا کیا وہ خود وہاں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا تھا؟ اگر اس کے لئے ایسا ممکن تھا تو پھر اس نے مجھے کیوں آگے بڑھایا تھا؟ معاملہ اگر اس کے برعکس تھا تو پھر وہ کون سی طاقت تھی جس نے جوگیا کا راستہ روک رکھا تھا____؟ رمیش اور جوگیا کی شخصیتیں پھر میرے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں۔

میں انہی خیالات سے الجھ رہا تھا کہ اچانک خواب گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک گیا۔ خوابگاہ میں نائٹ بلب روشن تھا۔ میں نے دوسری اور پھر تیسری دستک پر دروازے کی طرف نظر ڈالی جو اندر سے بولٹ تھا۔

"دانش____ بیٹے دانش____ دروازہ کھولو۔" باہر سے ماں کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

میں ماں کی آواز سن کر تیزی سے لپکا۔ ایک ہاتھ سے دروازہ کھولنے کے ساتھ ساتھ میں نے دوسرے ہاتھ سے لائٹ سوئچ بھی آن کر دیا۔ ماں کے چہرے پر اُلجھن اور پریشانی کے تاثرات دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ بری طرح زرد نظر آ رہی تھیں۔

"جلدی سے لباس تبدیل کر کے تیار ہو جاؤ۔" ماں نے وحشت بھرے انداز میں کہا۔ "ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہئے۔"

"کہاں___؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"ابھی بیگم نفیس کا فون آیا تھا۔ بہت پریشان تھیں۔" ماں نے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "فاخرہ کی حالت بگڑ گئی ہے۔"

"کیا ہوا فاخرہ کو____؟"

اس پر عجیب قسم کا دورہ پڑا ہے۔ بیگم نفیس بتا رہی تھیں کہ وہ دیوانوں کے انداز میں نہ جانے کیا کیا ہذیان بک رہی ہے____ جلدی چلو۔"

فاخرہ کی کیفیت سن کر میں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ جلدی جلدی دوبارہ لباس تبدیل کیا پھر خوابگاہ سے نکلتے نکلتے میں نے سفید موتی کو بھی نکال کر جیب میں احتیاط سے رکھ لیا۔

ڈرائیور گاڑی لئے پورٹیکو میں ہمارا منتظر تھا۔ شاید ماں نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی اسے تیار رہنے کو کہلوا دیا تھا۔ ماں بھی پہلے سے دروازے پر

میری منتظر تھیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ بیگم نفیس نے انہیں فاخرہ کے سلسلے میں کوئی تشویشناک خبر ہی سنائی ہوگی۔ ہم جلدی جلدی پچھلی نشستوں پر بیٹھے تو ڈرائیور نے بڑی تیزی سے گاڑی بنگلے سے باہر نکالی۔

''بیگم نفیس نے کیا بتایا ہے فاخرہ کے سلسلے میں؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ کیا ڈاکٹر کو فون کیا جا چکا ہے یا ــــــ''

''اتنی تفصیل سے بات نہیں ہو سکی۔'' ماں نے بدستور پریشان کن لہجے میں کہا۔ ''خدا سے دعا کرو وہ ہماری امانت پر رحم کرے۔''

''کیا فاخرہ کو اس قسم کے دورے پہلے بھی پڑ چکے ہیں؟'' میں نے پہلو بدل کر سوال کیا۔

''یہ تو وہیں چل کر معلوم ہوگا ــــــ ویسے بیگم نفیس نے دوروں کے سلسلے میں پہلے کبھی کوئی بات نہیں کی۔''

میں نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ بات یقیناً پریشان کن نوعیت کی ہوگی ورنہ بیگم نفیس اتنی صبح صبح ہمیں پریشان کبھی نہ کرتیں۔ جوگیا نے صرف مجھے اور میری ماں کو تحفظ فراہم کیا تھا، فاخرہ کے سلسلے میں اس نے یہی کہا تھا کہ وہ چوکھی نہیں لڑ سکتا تھا۔

میرے ذہن میں رمیش بھی کلبلا رہا تھا۔ اس کی شیطانی قوتیں ابھی تک جوگیا کو تلاش کر سکی تھیں نہ مجھے کوئی گزند پہنچا سکی تھیں۔ ممکن تھا وہ گھٹیا ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہو۔ اس نے ہمیں بوکھلا دینے کی خاطر فاخرہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہو۔ ماں نے بیگم نفیس کے حوالے سے یہی بتایا تھا کہ فاخرہ کسی دورے کے زیر اثر واہی تباہی بک رہی تھی۔ میرے ذہن میں آندھی چل رہی تھی۔ میرا سب سے بڑا دشمن، میرے باپ کا قاتل ابھی تک آزاد گھوم رہا تھا۔ میں اس کے نام سے واقف تھا، میری نظریں اسے دیکھ چکی تھیں۔ وہ مجھے بھی موت کے گھاٹ اتارنے کی خاطر دار کر چکا تھا لیکن میں جواب میں بے بس تھا۔ اس کی ناپاک اور سفلی قوتوں کا کوئی توڑ میرے پاس نہیں تھا اور جوگیا میرے مقابلے میں بہت بہتر پوزیشن میں ہونے کے باوجود اسے ڈھیل دے رہا تھا۔

بیگم نفیس کی کوٹھی تک پہنچنے میں ہمیں بیس منٹ لگے۔ کوٹھی کے باہر جلتی ہوئی روشنیاں

اور ملازموں کی بھاگ دوڑ بتا رہی تھی کہ وہاں افراتفری کا عالم ہے۔ میں بلا کسی روک ٹوک کے ماں کے ساتھ اس لاؤنج تک پہنچ گیا جہاں بیگم نفیس فاخرہ کو پکڑے بیٹھی تھیں۔ ایک ملازمہ بھی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور فاخرہ ان دونوں کی قید سے آزاد ہونے کی خاطر زور لگا رہی تھی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے، چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی ــــــ آنکھوں میں خون کی سرخی تیر رہی تھی۔ پہلی نظر میں وہ مجھے دیوانی ہی لگی تھی۔

''ہائے ــــــ کیا ہو گیا میری بچی کو۔'' ماں نے درد بھری آواز میں کہا پھر وہ بھی قریب جا کر بیٹھ گئیں۔

''پچھلے ایک گھنٹے سے یہی کیفیت ہے۔'' بیگم نفیس نے روہانسی آواز میں کہا۔ ''یہ جانے کیا کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔''

''کسی ڈاکٹر کو بلایا یا نہیں ــــــ؟'' ماں نے پوچھا۔

''اب آپ لوگ آ گئے ہیں تو فون کرتی ہوں۔'' بیگم نفیس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کھڑے کیوں ہو بیٹا، بیٹھ جاؤ۔''

''دانش ــــــ'' ماں نے مجھے مخاطب کیا۔ ''تم ڈاکٹر کو فون کرو ــــــ جلدی۔''

''نہیں ــــــ'' فاخرہ جو مجھے بڑی خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی، چیخ کر بولی۔ ''تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، سارے فساد کی جڑ تم ہی ہو۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔ مار ڈالوں گی، کچا چبا ڈالوں گی۔''

''ہوش میں آؤ فاخرہ ــــــ'' بیگم نفیس نے اسے سرزنش کی۔ ''تم دانش میاں کی شان میں گستاخی کر رہی ہو۔''

''ہاں ــــــ'' اس نے مجھے لال پیلی نظروں سے گھورتے ہوئے دیوانوں کی طرح کہا۔ ''میں دیکھ رہی ہوں کہ میرے سامنے کون کھڑا ہے ــــــ یہی ــــــ یہی میرا دشمن ہے۔ میں ابھی اس کو بھون کر کھا جاؤں گی۔ مجھے اسی کی تلاش تھی ــــــ چھوڑ دو مجھے۔'' وہ پھر خود کو چھڑانے کی خاطر زور لگانے لگی تو ماں نے بھی اس کا ایک ہاتھ تھام لیا۔

''چھوڑ دے بڑھیا ــــــ ہٹ جا میرے راستے سے۔'' فاخرہ نے ماں کو حقارت سے گھورا۔ ''میں وہ سارے جال توڑ ڈالوں گی جس نے تم دونوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں، میرا نام سرو جنی ہے۔ میں مرگھٹ کی راکھ سے نیا جنم لے کر آئی

ہوں۔ جو بھی میرے راستے میں آیا اسے جلا کر راکھ کر دوں گی۔"

"بس کر—— چپ ہو جا فاخرہ—— چپ ہو جا۔" بیگم نفیس نے اسے بے دلی سے ڈانٹا۔ "خود کو سنبھال بیٹی، تو سروجنی نہیں—— تو میری فاخرہ ہے۔"

"نہیں، میں فاخرہ نہیں سروجنی ہوں۔" فاخرہ نے دیدے نچاتے ہوئے غرا کر کہا۔ "ایک بار پہلے بھی میں کالی مائی کے چرنوں میں بھینٹ دے چکی ہوں۔ تم لوگ مجھے نہیں جانتے، میرے اندر وہ شکتی ہے جو سب کو جلا کر بھسم کر دے گی۔"

"اس بچی پر تو کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔" ماں نے بوکھلا کر کہا۔ پھر بلند آواز میں آیت الکرسی پڑھ پڑھ کر دم کرنے لگیں۔

فاخرہ جو خود کو سروجنی کہہ رہی تھی، آیت الکرسی سن کر اور بے قابو ہو گئی۔ پچھاڑیں کھانے لگی۔ میں دم بخود کھڑا اس کی حالت دیکھ رہا تھا۔ کالی کے چرنوں پر بھینٹ دینے کے حوالے سے میرے ذہن میں رمیش اور بچے کے جملے گونجنے لگے۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ رمیش نے جوگیا کو بے نقاب کرنے کی خاطر کسی سروجنی کی بدروح کو فاخرہ کے جسم میں داخل کر دیا ہے۔ تین عورتیں اسے پوری قوت سے جکڑے ہوئے تھیں، وہ خود کو ان کی قید سے آزاد کرانے کی خاطر پورا زور لگا رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں شعلے بھڑکتے نظر آ رہے تھے۔ اچانک اس نے سیدھا ہاتھ پوری شدت سے جھٹکا تو ملازمہ چکرا کر ایک طرف جا گری۔ بیگم نفیس کمر میں ہاتھ ڈال کر بیٹی سے لپٹ گئیں۔ ملازمہ بھی خود کو سنبھال کر دوبارہ اٹھی لیکن پھر اس طرح چیخ مار کر پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی جیسے اس نے اپنی موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہو۔ والدہ نے اور بلند آواز میں آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔

"تو کھڑا کیا تماشہ دیکھ رہا ہے——؟" فاخرہ نے مجھے تیز نظروں سے گھور کر کہا۔ "اپنے اس حمایتی کو سامنے بلا جس نے تجھے شیشے کے خول میں محفوظ کر رکھا ہے۔ آج میں اس سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہوں—— وہ چوہے کی طرح بل میں چھپا بیٹھا ہے، اسے میری نظروں کے سامنے بلا لے۔ سروجنی اس کا کریا کرم کرنے کی بھی شکتی رکھتی ہے۔"

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی اس نے دونوں ہاتھوں کا زور لگایا تو بیگم نفیس اور

میری ماں کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی، خود کو آزاد کرا کے وہ اچھل کر صوفے سے نیچے آ گئی۔ اس کی شعلہ بار نگاہیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں جب جوگیا کی مدھم آواز کہیں دور سے ابھرتی سنائی دی۔

"سفید موتی کو پانی میں ترنت ڈبو کر اس کا چھینٹا مارو فاخرہ پر۔ جس پلید آتما نے اسے گھیر رکھا ہے وہ اس کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔"

جوگیا کی آواز سن کر میں چونکا۔ شاید وہ قدرت کا کوئی اشارہ ہی تھا جو میں نے گھر سے نکلتے وقت سفید موتی کو ساتھ لے لیا تھا۔ میں تیزی سے بھاگتا ہوا لاؤنج عبور کر کے کچن کی طرف گیا۔ جلدی سے ایک ڈونگے میں پانی بھر کر سفید موتی اس میں ڈالا اور دوبارہ لاؤنج میں آ گیا جہاں بیگم نفیس نے پھر بمشکل فاخرہ کو قابو کر رکھا تھا۔ والدہ بھی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

"آپ اب اسے چھوڑ دیں آنٹی——" میں نے بیگم نفیس سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے ایک مولوی صاحب کا بتایا ہوا مجرب وظیفہ پڑھ کر پانی پر دم کر لیا ہے جو فاخرہ کو سروجنی کی قید سے نجات دلا دے گا۔"

"نہیں——" فاخرہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ "میں مر جاؤں گی لیکن اس کے شریر کو نہیں چھوڑوں گی—— میں تجھے اور تیرے مولوی کو بھی دیکھ لوں گی۔"

بیگم نفیس فاخرہ کو چھوڑتے ہوئے ہچکچا رہی تھیں لیکن فاخرہ نے زور لگا کر خود کو آزاد کرا لیا، پھر کسی چڑیل کی طرح ہاتھ کو پنجوں کی شکل دے کر بپھرے ہوئے انداز میں میری طرف لپکی۔ اس کے تیور حد درجہ خطرناک نظر آ رہے تھے۔ میں نے خدا کا نام لے کر چلو بھر کر پانی اس کی طرف پھینکا۔ پانی کے چھینٹے پڑتے ہی اس کے سارے دم خم نکل گئے۔ وہ چکرا کر دبیز قالین پر گری اور اس طرح پچھاڑیں کھانے لگی جیسے کچھ دم کی مہمان ہو۔ میں نے دو تین چھینٹے اور دیئے تو اس نے ہاتھ پیر مارنے بند کر دیئے، آنکھ بند کر کے اس طرح ساکت ہو گئی جیسے گہری نیند سے دوچار ہو۔

"دانش بیٹے—— یہ—— یہ—— فاخرہ—— میری بچی——"

بیگم نفیس کوئی جملہ مکمل کرنے سے قاصر تھیں۔ ان کے چہرے پر یکلخت مردنی کی کیفیت دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ ان کے اندر کیا وحشت طاری تھی۔ میں نے انہیں تسلی دینے کی

خاطر کہا۔

''آنٹی ـــــ آپ خدا پر بھروسہ رکھیں، فاخرہ بالکل خیریت سے ہے۔ اب کوئی گندی بلا اس کو پریشان نہیں کرے گی۔''

''لیکن ـــــ میری بچی چیختے چیختے اچانک خاموش کیوں ہو گئی ـــــ؟'' ماں نے بھی پریشان کن لہجے میں مجھ سے استفسار کیا۔

''آپ لوگ مطلق پریشان نہ ہوں۔'' میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ ''جس گندی روح نے فاخرہ کے جسم پر قبضہ کر رکھا تھا وہ پانی کے چھینٹوں سے ڈر کر بھاگ گئی ہے۔ فاخرہ نیند کی کیفیت سے دوچار ہے، جاگنے پر اس کی حالت بالکل ٹھیک ہو گی۔''

''خدا تمہاری زبان نیک کرے۔'' بیگم نفیس نے مجھے تشکرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر فاخرہ کے قریب فرش پر بیٹھ کر اس کے الجھے بال بڑی محبت سے سلجھانے لگیں۔ ان کی پلکوں سے ممتا کے آنسو ڈھلک رہے تھے۔

''دانش بیٹے ـــــ'' ماں نے کہا۔ ''تمہارا وظیفہ تو کام آ گیا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ سروجنی کی ناپاک روح پھر ہماری بچی کو پریشان نہیں کرے گی۔''

''میں نے جس پانی کا چھینٹا دیا تھا اسے کسی بوتل میں محفوظ کیے دیتا ہوں۔ آنٹی بھی پانی فاخرہ کو پلاتی رہیں۔ باقی میں مولوی صاحب سے دوبارہ ملاقات کر کے بتاؤں گا۔''

میں نے ماں کو جواب دیا پھر کچن میں جا کر میں نے ڈونگے میں بچے پانی کو ایک صاف بوتل فریج سے نکال کر اس میں محفوظ کر لیا۔ میں دوبارہ لاؤنج کی طرف جا رہا تھا جب جوگیا کی آواز پھر کہیں دور سے ابھرتی سنائی دی۔

''بیگم نفیس کو سمجھا دو کہ اب پتری (لڑکی) کی طرف سے نشچنت (بے فکر) ہو جائیں۔ سروجنی کی آتما جل کر راکھ ہو چکی ہے۔''

''رمیش کوئی دوسرا خطرناک وار بھی کر سکتا ہے۔'' میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

''چنتا مت کرو ـــــ میں تمہاری فاخرہ کا بھی دھیان رکھوں گا۔''

''کب تک ـــــ؟'' میں نے دل برداشتہ انداز اختیار کیا۔

''میں تمہارے من میں ہونے والی ہلچل دیکھ رہا ہوں۔''

''صرف دیکھتے رہو گے یا اب کچھ کرو گے بھی ـــــ؟'' میں نے جھلاہٹ کا اظہار

کیا۔

''گھبراؤ مت ـــــ کھیل کے انت (ختم) ہونے کا سمے اب قریب آ چکا ہے۔'' مدھم آواز میں جواب ملا۔ ''تم نے عقلمندی کی جو سفید موتی ساتھ لے آئے ورنہ بنا بنایا کھیل خراب بھی ہو سکتا تھا۔''

''کیا مطلب ـــــ؟''

''میں نے تمہاری فاخرہ کی ماتا کو اگر ٹھیک سمے پر چوکنا نہ کیا ہوتا تو سروجنی کی گندی آتما اسے بھینٹ چڑھانے کے کارن کالی کے مندر بھی لے جا سکتی تھی۔ رمیش یہی وچار کر رہا ہے کہ کسی سندری کی بھینٹ دے کر وہ اس دیوار کو گرا دے گا جو میرے اور اس کے درمیان کھڑی ہے۔ بالک کی آتما نے بھی تمہیں یہی جتانے کی کوشش کی تھی ـــــ''

''اب تم کس انتظار میں ہو ـــــ؟'' میں نے فاخرہ کی قربانی والی بات سن کر بڑی تلخ سنجیدگی سے سوال کیا۔

''سفید موتی کی رکشا (حفاظت) اپنی جان سے زیادہ کرنا۔ یہی تمہاری کٹھنائیاں دور کرنے میں کام آئے گا۔'' میرے سوال کو نظر انداز کر کے کہا گیا۔ پھر میں نے ایک دو سوال اور بھی کیے لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا۔

میں لاؤنج میں پہنچا تو فاخرہ بدستور نیند کی کیفیت سے دوچار تھی۔

''میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں دانش بیٹے۔'' بیگم نفیس نے ڈبڈبائی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''اگر تم نے مولوی صاحب کا وظیفہ بروقت یاد نہ کیا ہوتا تو نہ جانے میری بچی کا کیا ہوتا۔''

''میرا مشورہ ہے کہ تم کسی وقت مولوی صاحب کو لا کر ہماری بچی کو ایک مرتبہ دم بھی کرا دو۔'' ماں نے مشورہ دیا پھر فاخرہ کی بلائیں لیتی ہوئی بولیں۔ ''خدا غارت کرے ان کم بختوں کو جو بلاوجہ دوسروں کا سکون برباد کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔''

میں نے فاخرہ کی طرف دیکھا جو ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی بڑی بھولی بھالی اور معصوم نظر آ رہی تھی۔ اس غریب پر کیا گزر گئی تھی اس کا علم شاید اس کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر بیگم نفیس کو تسلیاں دیتا رہا، پھر والدہ کو انہی کے پاس چھوڑ کر واپس گھر آ گیا ـــــ!!



صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ گزشتہ رات کے تجربات نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ فاخرہ کی کیفیت دیکھ کر مجھے شدید صدمہ ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ منسوب نہ ہوتی تو شاید اسے اس اذیت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ سروجنی یقیناً کوئی بدروح تھی جو رمیش کے حکم پر اس کے وجود کے اندر حلول کر گئی تھی۔ میں نے سفید موتی ساتھ نہ لیا ہوتا، میرے ذہن میں اس کے اچانک استعمال کا طریقہ نہ آیا ہوتا، مجھے دیر ہو جاتی تو فاخرہ کی زندگی کو کوئی خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔

جوگیا نے کہا تھا کہ اگر اس نے بروقت مداخلت نہ کی ہوتی تو سروجنی کی بدروح فاخرہ کو کالی کے مندر لے جانے میں کامیاب ہو جاتی جہاں اسے کالی کے قدموں میں بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔ اس کی اذیت ناک موت کا ذمہ دار مجھے نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا لیکن میرا ضمیر مرتے دم تک مجھے کچوکے لگاتا رہتا۔ میں خود کو کبھی معاف نہ کر پاتا۔

رمیش نے کہا تھا کہ وہ کسی حسین عورت کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا کر اس دیوار کو گرا دے گا جو اس کے اور جوگیا کے درمیان حائل تھی۔ فاخرہ خدا کے حکم سے بال بال بچ گئی تھی لیکن کیا اس کے بچ جانے سے رمیش خاموش ہو کر بیٹھ جائے گا؟ میرے ذہن میں یہی ایک سوال گردش کر رہا تھا۔ وہ سفلی کا ماہر تھا، اس نے غلاظت کھانے کے بعد ہی اس علم کو حاصل کیا تھا۔ اس کے ضمیر میں شرافت نام کی کوئی رمق نہیں ہو سکتی تھی۔ فاخرہ کے بچ جانے کے بعد وہ زخمی درندے کی طرح بلبلا اٹھا ہوگا، اس کا شیطانی ذہن میرے خلاف کوئی اور منصوبے بنا رہا ہوگا۔

انسان پاگل ہو جائے، اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تو وہ جنونی بن جاتا ہے، ہوش و حواس کھو بیٹھنے پر اس سے کسی نیک عمل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ فاخرہ کے سلسلے میں سروجنی کی ناکامی کی خبر سن کر رمیش کے گندے ذہن میں بھی غلاظتوں کی کھچڑی پک رہی ہوگی۔ بار بار

ناکامی کا سامنا ہو تو ایک اچھا بھلا آدمی بھی مایوسی کا شکار ہو کر کوئی انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے، رمیش تو مجسم خباثت تھا۔ اس کے شیطانی ذہن میں جوگیا کو بےنقاب کرنے کے ہزاروں طریقے کلبلا رہے ہوں گے۔ مجھے بھی نقصان پہنچانے کی خاطر وہ میرے اردگرد خطروں کے ایسے جال بچھا سکتا تھا کہ شاید میں بھی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا۔

دشمن گھٹیا اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر آئے تو اور زیادہ خطرناک بن جاتا ہے، حریف کو الجھانے کی خاطر وہ ایک محاذ پر شکست کھانے کے بعد متعدد دوسرے محاذ کھول دیتا ہے تاکہ دشمن کی توجہ بٹ جائے۔ رمیش کے ذہن میں بھی فاخرہ کی سلامتی کے بعد اتھل پتھل شروع ہو گئی ہوگی۔ جوگیا کو بےنقاب کرنے کی خاطر وہ دوسرے کئی محاذ کھولنے کے بارے میں ضرور سوچ رہا ہوگا۔ جوگیا نے خود بھی یہی کہا تھا کہ وہ چومکھی نہیں لڑ سکتا تھا۔

ناشتے کی میز پر بھی میرے ذہن میں پریشان خیالوں کا ہجوم مچل رہا تھا جب ماں کا فون آ گیا۔ انہوں نے بتایا کہ فاخرہ ہوش میں آ چکی ہے اور بالکل نارمل ہے۔ دیوانگی کی حالت میں اس سے جو حرکتیں سرزد ہوئی تھیں، اس نے جو واہی تباہی بکی تھی اسے اس کے بارے میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ بیگم نفیس نے اسے بےہوشی کی حالت ہی میں اس کی خواب گاہ میں منتقل کرا دیا تھا۔ صبح اٹھ کر اس نے حسب معمول روزمرہ کے کام انجام دیئے تھے۔ ملازموں کو سختی سے ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اس کے سامنے گزشتہ رات ہونے والے ہنگامے کا کوئی ذکر نہ کریں۔ ماں نے مجھے پابند کیا تھا کہ میں پہلی فرصت میں مولوی صاحب کو لے جا کر فاخرہ کو دم کرا دوں۔ میں نے یوں ہی حامی بھر لی۔ میں سفید موتی کے بارے میں ماں کو تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔ میں نے جواب میں یہی کہا کہ میں مولوی صاحب کو لانے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔

دو گھنٹے بعد میں بیگم نفیس کی کوٹھی پہنچ گیا۔ فاخرہ کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد مجھے تسلی ہو گئی۔ مولوی صاحب کے سلسلے میں میں نے یہی بہانہ کیا کہ انہوں نے دم کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی صرف یہ ہدایت کی ہے کہ جو پانی بوتل میں موجود ہے اس میں مزید پانی ملا ملا کر اکیس روز تک استعمال کرایا جائے۔ جوگیا نے گزشتہ رات وعدہ کر لیا تھا کہ وہ فاخرہ کا خیال رکھے گا اس لئے مجھے زیادہ تشویش لاحق نہیں تھی۔

تقریباً دو بجے میں دفتر پہنچا تو کچھ کاروباری حضرات مجھ سے ملاقات کے منتظر تھے۔ میں نے ان کو جلدی جلدی فارغ کیا، پھر کسی خیال کے تحت میں نے بہت سوچ بچار کرنے کے بعد انٹرکام پر منوالا کو ہدایت کی کہ جب تک میں نہ کہوں نہ کوئی کال مجھ سے ملائی جائے نہ کسی کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ پھر میں نے ڈائریکٹ لائن والا ریسیور اٹھا کر نریش چندر کے نمبر ڈائل کرنا شروع کئے۔ گیتا اور انجلا دیوی کے حوالے سے میرے ذہن میں متعدد سوال گونج رہے تھے۔ الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے کی خاطر اب ضروری ہو گیا تھا کہ میں نریش چندر کو کریدنے کی کوشش کروں۔ اسی بہانے میں یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ نریش چندر کس حد تک ان حالات سے واقف ہے جو میرے علم میں آ چکے تھے۔

رنجنی کے بارے میں یہ بات جان لینے کے بعد کہ وہ انجلا کی بہن ہے بہت سارے شکوک میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے، جوگیا نے بھی اس حد تک تصدیق کر دی تھی کہ رمیش اور رنجنی کے درمیان ناجائز تعلقات تھے جس نے اس بچے کو جنم دیا تھا جس کی روح ابھی تک بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اگر یہ بات سچ تھی تو کیا انجلا دیوی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کی بہن کن حالات میں پھنسی موت اور زندگی کے درمیان اذیت جھیل رہی ہے؟ اگر حالات اس کے علم میں تھے تو پھر اس کی خاموشی کا کیا مقصد تھا؟ کیا رنجنی کی طرح خود وہ بھی رمیش کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی؟ نریش چندر کو ان تمام باتوں کے بارے میں کس حد تک علم تھا؟ کیا وہ رمیش، رنجنی اور انجلا کے خطرناک مثلث سے ناواقف تھا؟ اگر واقف تھا تو اس نے گیتا کا نام اپنی فرم کے ساتھ کیوں نتھی کر رکھا تھا؟

سب سے اہم مسئلہ میرے باپ کا پراسرار قتل تھا، جوگیا کے کہنے کے علاوہ خود رمیش نے بھی برملا اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اسی نے سوت کے کچے دھاگے پر سفلی کا گندا عمل پڑھ کر میرے باپ کی جان لی تھی ـــــ مگر کیوں؟ اسے میرے باپ سے کیا دشمنی تھی؟ ضرغام کو کیوں راستے سے ہٹایا گیا؟ وہ دوسرا کاروبار کیا تھا جس کا ذکر جوگیا نے دبی زبان میں کیا تھا؟ اس کاروبار کی نوعیت کیا تھی جس کا کوئی ذکر دفتر کے کسی کھاتے میں موجود نہیں تھا؟ دفتر کے کسی عملے نے بھی اس ضمن میں مجھ سے کبھی کوئی ذکر نہیں کیا تھا ـــــ میری ماں نے بھی والد صاحب کے کسی دوسرے کاروبار کی تردید کی تھی لیکن یہ بات بھی بڑی سنجیدگی سے کہی تھی کہ اگر کوئی ایک لاکھ پچھتر ہزار کی رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو میں اسے پہلی فرصت

میں ادا کر دوں۔ ماں کی یہ بات بھی میرے لئے ایک معمہ تھی۔ اگر والد صاحب کا کوئی دوسرا کاروبار نہیں تھا تو پھر ماں نے میری اس من گھڑت بات کو اتنی اہمیت کیوں دی تھی؟ وہ کس بات سے خوفزدہ تھیں؟ کیا بات مجھ سے چھپانا چاہتی تھیں؟ کیا راز تھا جس کی پردہ پوشی ضروری سمجھی جا رہی تھی ـــــ؟؟

میں نے چونکہ نریش چندر کے براہِ راست نمبر پر کال کیا تھا اس لئے دوسری طرف سے انہی کی آواز ابھری۔

''میں دانش بول رہا ہوں انکل ـــــ'' میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''میرے بڑے بھاگیہ جو تم نے فون کیا۔'' نریش چندر نے حسب معمول بے حد پیار سے پوچھا۔ ''کاروبار کیسا چل رہا ہے؟''

''آپ کی کرپا ہے انکل۔''

''کیسے یاد کیا ـــــ؟''

''مجھے آپ سے مل کر کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' میں نے اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ ''خاص طور سے والد صاحب کے دوسرے کاروبار کے سلسلے میں۔''

''دوسرا کاروبار ـــــ؟'' نریش چندر نے بھی حیرت کا اظہار کیا۔ ''میں نہیں سمجھا کہ تم کس کاروبار کی بات کر رہے ہو؟ جہاں تک میری نالج ہے تو میں اپنے سورگ باشی متر کبیر جی کے ایک ہی کاروبار سے واقف ہوں جو تم سنبھال چکے ہو۔''

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ کسی کو بلاوجہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔'' میں نے دیدہ دانستہ مبہم انداز اختیار کیا۔

''کیا مطلب ـــــ؟'' دوسری جانب سے بدستور سنجیدگی سے دریافت کیا گیا۔ ''کیا تم مجھے اس کا نام بتانا پسند کرو گے جس نے دوسرے کاروبار والی بات کی ہے ـــــ؟''

''اس نے اپنا نام نہیں بتایا ـــــ'' میں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت جواب دیا۔ ''کسی نے فون پر یہ بات کہی تھی۔''

''کوئی کارن بھی بتایا تھا ـــــ؟''

''جی ہاں ـــــ'' میں نے ایک لاکھ پچھتر ہزار والی وہی فرضی کہانی دہرا دی جو ماں کو سنا چکا تھا۔

"کوئی فراڈ یا ہوگا——" نریش چندر نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اس کے کسی چکر میں مت آجانا۔"

"آپ بے فکر رہیں انکل، میں اتنا بچہ بھی نہیں ہوں کہ بغیر تفصیل معلوم کئے اتنی بڑی رقم گنوا دوں۔"

"کیا اس نے تم سے ملنے کی بات نہیں کی؟—— میرا مطلب ہے کہ رقم کے سلسلے میں کسی نام اور پتے کی ضرورت بھی ہوگی۔"

"میں نے بھی اس سے یہی دریافت کیا تھا لیکن اس نے جواب میں یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ اپنے دوسرے پارٹنر سے مشورہ کرنے کے بعد مجھے کال کرے گا۔"

"تم نے مجھ سے ملنے کی بات کی تھی۔" نریش چندر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کوئی ایسی بات بھی ضرور ہے جو تم فون پر——"

"آپ کا خیال درست ہے۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں براہِ راست مل کر ہی آپ کو تفصیل بتا سکتا ہوں۔"

"ابھی آجاؤ——" فراخدلی سے کہا گیا۔

"کیا دفتر کے علاوہ ہم کسی اور جگہ نہیں مل سکتے؟" میں نے قدرے توقف سے کہا۔

"بات کچھ ایسی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے دفتر والوں کو ہماری آپ کی ملاقات کا کوئی علم ہو۔"

"میں سمجھا نہیں——"

"ہو سکتا ہے دوسرے کاروبار کی بات کرنے والا ہمارا کوئی اپنا ہی آدمی ہو جو ہمارے حالات سے واقفیت رکھتا ہو اور کسی خاص معلومات کی بنا پر مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہو۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "اگر میں نے آپ سے دفتر میں ملاقات کی تو وہ چوکنا بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ—— آئی۔ سی۔ میں تمہاری بات کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔" نریش چندر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا، پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولے۔ "تم ایسا کرو بالک، رات آٹھ اور ساڑھے آٹھ بجے کے درمیان کانٹی نینٹل کے روم نمبر تھری ون ایٹ میں آجاؤ۔ میں وہیں تمہارا ویٹ کروں گا۔"

"انکل، کیا میں امید رکھوں کہ آپ اس ملاقات کے بارے میں......"

"ڈونٹ وری مائی سن (DON'T WORRY MY SON) تم مجھ پر وشواس کر سکتے ہو۔" دوسری طرف سے ٹھوس لہجے میں کہا گیا تو میں نے شکریہ ادا کر کے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کچھ ضروری فائلوں کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

پانچ بجے میں نے بیگم نفیس کے گھر فون کر کے فاخرہ کی خیریت دریافت کی تو پتہ چلا کہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے البتہ ماں گھر چلی گئی تھیں۔ میں دفتر سے جانے کے لئے اٹھا تو انٹر کام کا بزر بول اٹھا۔

"یس——" میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ناگ بچھو——" منوالا نے جوگیا کا مخصوص کوڈ دہرانے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ اب تم نے صحیح سمت میں قدم اٹھایا ہے۔"

"کیا مطلب——؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"نریش چندر سے تمہاری ملاقات اوش منافع بخش ثابت ہوگی۔ پرنتو ایک بات کا دھیان رکھنا، اسے یہ نہ بتانا کہ پرتاپ نے تم سے انجلا دیوی کے بارے میں کیا کچھ بتایا ہے۔"

"کیوں؟—— کیا نریش چندر کو ان باتوں کا علم نہیں ہوگا——؟"

"ہو یا نہ ہو لیکن تم اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"اور کچھ——؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔" اس بار چیختے ہوئے لہجے میں سوال کیا گیا۔ "کیا رمیش کو اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ تم نریش چندر سے ملنے جا رہے ہو؟"

"میں سمجھا نہیں——"

"سمجھنے کی کوشش کیا کرو بھولے ناتھ ورنہ تمہارے ساتھ دوسرے کی لٹیا بھی ڈوب جائے گی—— میری بات دھیان سے سنو، رمیش تمہاری طرف سے آنکھ اور کان بند کئے نہیں بیٹھا ہوگا۔ اس کے جنتر منتر کے بیروں نے اسے اب تک اوش اس بات کی خبر پہنچا دی ہوگی کہ آج تمہاری اور نریش چندر کی مڈبھیڑ کب، کہاں اور کس سے ہونے والی ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا——؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اگر میں تمہیں نہ بتاتی تو تم بے دھیانی میں چوٹ کھا جاتے۔'' منوالا کا لہجہ اور گمبھیر ہو گیا۔ ''اب وہ سمے قریب آ رہا ہے جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا پرنتو تمہیں پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہو گا ـــــ دفتر سے نکل کر سیدھے گھر جانا ـــــ گھر پر کوئی ملاقاتی ملنے آئے تو کوئی بہانہ کر کے اسے ٹال دینا۔ سفید موتی منہ میں رکھ کر اپنی کوٹھی سے باہر نکلنا، کانٹی نینٹل تک جانے کے لئے بس اور پیدل کا راستہ اختیار کرنا، راستے میں کسی قیمت پر کسی کے سامنے زبان نہ کھولنا۔ کمرہ نمبر تین سو اٹھارہ میں جانے کے لئے بھی لفٹ کی بجائے سیڑھیوں کا استعمال کرنا ـــــ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں ـــــ؟''

''کیا اس طرح رمیش کی کالی قوتیں میرا پیچھا نہیں کر سکیں گی؟''

''موتی منہ میں رکھ لینے کے بعد تم کسی کو نظر نہیں آؤ گے۔'' سپاٹ اور خشک لہجے میں جواب ملا۔ ''نیچے کی آنکھ والا پیپر ویٹ ساتھ لے جانے کی بھول مت کرنا۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر خود کو اور نریش کو منڈل میں بند کر لینا، باہر کا دھیان میں رکھوں گا۔''

''منڈل کھینچنے کا طریقہ کیا ہو گا ـــــ؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''وہی جسے تمہاری ماتا نے پڑھ پڑھ کر فاخرہ پر پھونکا تھا ـــــ تین بار وہی چیز پڑھ کر آنکھ کے اشارے سے دائرہ کھینچ لینا۔''

''تمہارا اشارہ آیت الکرسی کی طرف ہے؟''

''ہاں ـــــ کیا تم بھول گئے کہ تمہاری ماتا نے اسے تمہیں بھی دان کر دیا تھا؟''

مجھے جوگیا کی بات سن کر حیرت ہوئی، وہ مجھے آیت الکرسی کا حصار باندھنے کا مشورہ دے رہا تھا ـــــ!

''اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے بالک؟ ـــــ'' اس نے میرے دل کا حال پڑھ کر کہا۔ ''جو چیز پوتر ہو اس کا تعلق کسی دھرم سے بھی ہو سکتا ہے۔ منش اپنے اندر کی آنکھ بند کئے رہے تو اور بات ہے ورنہ جوگیان دھیان کرتے رہتے ہیں، اوپر والے کے سامنے سچے اور اجلے من سے ڈنڈوت کرتے رہتے ہیں وہ انہیں دیوی دیوتاؤں سے ادھک شکتی دان کر دیتا ہے۔ ایسی پوتر شکتی جس کا کوئی توڑ نہیں ہوتا۔''

''کیا رمیش کو ہماری ملاقات کی بھنک مل چکی ہے ـــــ؟'' میں نے موضوع بدل دیا۔

''ہاں ـــــ وہ پاپی بھی تمہیں نشٹ کر دینے کے لئے اپنی جھولی سے گند نکال رہا ہے

ـــــ تم نے اس کی دُم پر جو پاؤں رکھ دیا ہے۔''

''دُم پر پاؤں رکھا دیا ہے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''نریش چندر سے تمہاری مڈبھیڑ اس پاپی کے بہت سارے بھانڈے پھوڑ سکتی ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ نریش چندر ـــــ''

''ابھی ان باتوں سے کیا فائدہ۔'' منوالا نے میری بات کاٹ کر کہا پھر بولی۔ ''تمہارے کارن مجھے بھی کچھ داؤ پیچ کرنے ہیں۔ وہ پاپی بھی اپنا سارا جوڑ توڑ داؤ پر لگانے کی ٹھان چکا ہے ـــــ ایک بار پھر کہہ رہی ہوں کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا ورنہ بہت کچھ نشٹ ہو جائے گا۔''

پھر دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔

میں دفتر سے نکل کر سیدھا گھر گیا۔ میرے ذہن میں جوگیا کی باتیں گونج رہی تھیں۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں ہو سکتا تھا، رمیش میرے باپ کا قاتل تھا، میرا سب سے بڑا دشمن تھا تو پھر ظاہر ہے کہ وہ میرے بارے میں لمحے لمحے کی خبر رکھتا ہو گا۔ جوگیا نے اگر سامنے آ کر میرا ہاتھ نہ تھام لیا ہوتا، میری پشت پناہی نہ کر رہا ہوتا تو شاید میں اپنی داستان رقم کرنے کو زندہ بھی نہ ہوتا۔

گھر پہنچ کر میں ایک گھنٹے تک ماں کے ساتھ رہا۔ ان کی زبانی یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ فاخرہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ بیگم نفیس کو بھی سکون آ گیا تھا۔ ماں مجھ سے شادی کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ میں ان کی خوشی کی خاطر ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اسی دوران ایک دو فون بھی آئے جنہیں میں نے جان بوجھ کر اٹینڈ نہیں کیا۔ ماں نے میرا اشارہ پا کر فون کرنے والوں کو ٹال دیا۔

سات بجے کے قریب جب میں اپنی خوابگاہ میں آئینے کے سامنے کھڑا تیاری کر رہا تھا تو ملازم نے میرے جنرل منیجر کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ سال چھ مہینے میں جب بھی آتے تھے، کوئی نہ کوئی بہت ہی اہم کام درپیش ہوتا تھا۔ ملازم کی زبانی ان کے آنے کی اطلاع پا کر میرے قدم غیر اختیاری طور پر باہر جانے کے لئے اٹھ گئے۔ لیکن ابھی میں آدھا راستہ بھی نہ طے کر پایا تھا کہ جوگیا کی آواز میرے کانوں میں صدائے بازگشت بن کر گونجی ـــــ ''اگر کوئی گھر پر بھی ملنے آئے تو اسے ٹال دینا، آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔

ورنہ بہت کچھ نشٹ ہو جائے گا۔"

میرے قدم بڑھتے بڑھتے رک گئے۔ میں نے ملازم سے کہا وہ میرے سونے کا بہانہ کر کے جنرل منیجر کو ٹال دے۔ ملازم کے جانے کے بعد میں دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ کپڑوں کی الماری سے سفید موتی نکال کر منہ میں رکھا پھر خواب گاہ کا دروازہ لاک کرتا ہوا لاؤنج میں آیا جہاں میری ماں کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ میں دیدہ و دانستہ ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا لیکن ان کی نظریں مجھے نہیں دیکھ سکیں۔ سفید موتی منہ میں ہونے کے سبب میرے ملازموں اور گیٹ کے چوکیدار نے بھی میرے باہر جانے پر کوئی توجہ نہیں دی، میں سب کی نظروں کے سامنے سے گزرتا ہوا باہر نکلا، پھر بس پکڑنے کی خاطر مجھے تقریباً دو فرلانگ تک پیدل ہی چلنا پڑا۔ وہ تجربہ میرے لئے نہ صرف دلچسپ بلکہ ناقابل یقین بھی تھا کہ میں ہجوم کے درمیان سے گزر رہا تھا لیکن کسی کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

ٹھیک سوا آٹھ بجے میں نے کانٹی نینٹل ہوٹل کی تیسری منزل پر پہنچ کر کمرہ نمبر تین سو اٹھارہ پر دستک دی، ایک منٹ بعد ہی خود نریش چندر نے دروازہ کھولا لیکن وہاں کسی کو موجود نہ پا کر اسے بھی حیرت ہوئی۔ وہ دروازے سے باہر آ کر راہداری میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تو میں کھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دو منٹ بعد نریش چندر نے بھی واپس کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا، پھر اپنی دستی گھڑی دیکھنے لگا۔ میں نے جوگیا کی ہدایت کے مطابق تین مرتبہ آیت الکرسی پڑھ کر کمرے کو حصار میں لیا، پھر موتی منہ سے نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ نریش چندر کا رخ چونکہ دوسری طرف تھا اس لئے وہ مجھے دیکھ نہیں سکا۔ پھر جب میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ اس طرح حیرت سے اچھل پڑا جیسے کسی نے اچانک ریوالور اس کی کنپٹی سے لگا دیا ہو۔

"تم ـــــ دانش پتر ـــــ کب آئے تم؟" نریش چندر نے مجھے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ راہداری میں کھڑے دوسری طرف دیکھ رہے تھے جب میں کمرے میں آ گیا۔" میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔

"حیرت کی بات ہے۔" نریش چندر نے تعجب کا اظہار کیا۔ "دستک کی آواز سن کر خود میں نے دروازہ کھولا تھا لیکن اس وقت تم مجھے نظر نہیں آئے۔"

"اکثر ایسا ہوتا ہے انکل۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "اندھیرے سے نکل کر انسان اجالے میں جائے تو کبھی کبھی سامنے کی چیز بھی نظر نہیں آتی۔"

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" نریش چندر نے بدستور غیر یقینی انداز میں جواب دیا پھر خود کو سنبھال کر بولے۔ "تم کھڑے کیوں ہو؟ آرام سے بیٹھو ـــــ کیا پیو گے، کافی یا کولڈ ڈرنک؟"

"ان فارمولیٹیز (FORMALITIES) کے تکلف کو چھوڑیئے انکل۔" میں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت جس مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں وہ زیادہ ضروری ہے۔"

نریش چندر جواب دینے کی بجائے میرے بالمقابل بیٹھ گیا۔ ایک لمحے تک وہ کسی خیال میں مستغرق رہا، پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "کبیر جی کے دوسرے کاروبار والی بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ تمہارے پتا اور میرے بیچ جو سمبندھ تھا تم اس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکو گے۔ لیکن یہ بات میں پورے وشواس سے کہہ سکتا ہوں کہ سورگ باشی کبیر احمد کا کوئی دوسرا بیوپار نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو وہ اس کا ذکر کم از کم مجھ سے ضرور کرتے۔"

"آپ میرے بزرگ بھی ہیں اور مہربان بھی اس لئے میں نے سب سے پہلے آپ سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔"

"فون کرنے والے نے تم سے کیا بات کی تھی؟ میں اس کی تفصیل سننا چاہوں گا۔"

"اس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ میرے والد کے ساتھ کسی دوسرے کاروبار میں پچیس فیصد کا حصہ دار تھا۔" میں نے سنبھل کر ایک فرضی کہانی سنائی۔ "کاروبار ہی کے سلسلے میں وہ زیادہ تر ملک سے باہر رہتا تھا، اسے میرے باپ کی پراسرار موت کی اطلاع بھی غیر ملک میں ہی ملی تھی لیکن کچھ ذاتی الجھنوں کی وجہ سے وہ فوراً نہ آ سکا۔"

"اور اب وہ تم سے ایک لاکھ پچھتر ہزار کا مطالبہ کر رہا ہے۔" نریش چندر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا اس نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ اس کے پاس کوئی ایسا دستاویزی ثبوت ہے جو اسے تمہارے پتا کے کسی دوسرے کاروبار کا بھاگی دار ثابت کر سکے؟"

"جی نہیں ـــــ" میں نے سوچ کر جواب دیا۔ "اس نے میرے استفسار پر صرف اتنا

بتایا کہ میرے والد صاحب چونکہ زبان کے پکے اور ایماندار کاروباری آدمی تھے اس لئے اس نے کسی قسم کی لکھا پڑھی کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی خاطر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اسے کوئی بے ایمانی کرنی ہوتی تو وہ کسی لمبی رقم کا مطالبہ بھی کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔''

''کیا اس نے کاروبار کی نوعیت کے بارے میں کچھ بتایا تھا ——؟''

''جی نہیں ——''

''تم نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ اس نے اپنے کسی پارٹنر سے مشورہ کرنے کے بعد تمہیں دوبارہ کال کرنے کو بھی کہا تھا۔''

''جی ہاں۔ اس نے یہی جواب دیا تھا۔'' میں نے پہلو بدل کر قدرے تامل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''فون کرنے والے نے اپنے پارٹنر کے سلسلے میں کسی گوپی کا نام لیا تھا۔''

''گوپی ——'' نریش چندر کسمسا کر رہ گئے۔

میرا اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر رائیگاں نہیں گیا، گوپی کا نام سن کر نریش چندر نے کچھ ایسا ہی برا سا منہ بنایا تھا جیسے کھانے کے دوران کوئی ہڈی کا ٹکڑا ان کے دانتوں کے درمیان آ گیا ہو۔

''جی ہاں ——'' میں نے لوہے کو گرم ہوتا دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔ ''اس نے مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کا پارٹنر گوپی کسی اور بڑے آدمی کے ساتھ بھی کاروبار میں شریک ہے۔''

جواب میں نریش چندر نے پہلی بار مجھے کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ میری کہی ہوئی بات کی صداقت کے سلسلے میں کسی تذبذب کا شکار ہو، ان کی کشادہ پیشانی پر ابھرنے والی آڑی ترچھی لکیریں ان کی الجھن کا اظہار کر رہی تھیں۔

''میں نے دبی زبان میں اپنی والدہ سے بھی اس فون کا ذکر کیا تھا۔'' میں نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم پر ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ ''ان کا بھی یہی خیال تھا کہ کوئی والد صاحب کا فرضی کاروباری شریک بن کر رقم اینٹھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن جب میں نے گوپی کے نام کا ذکر کیا انہوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔''

''کیا کہا تمہاری ماتا جی نے ——؟'' نریش چندر نے چونک کر پوچھا۔

''ان کا مشورہ ہے کہ مجھے چھان بین کئے بغیر مطلوبہ رقم ادا کر دینی چاہئے۔''

''کوئی کارن نہیں بتایا بہن جی نے؟'' نریش چندر نے کسمسا کر دریافت کیا تو مجھے اس بات کا یقین آ گیا کہ وہ گپتا کے علاوہ گوپی کی اصلیت سے بھی ضرور واقف ہوں گے۔

''جی نہیں، ماں نے کوئی وجہ نہیں بتائی تھی۔ لیکن جب میں نے انہیں کریدنے کی کوشش کی تو انہوں نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ آپ سے پوچھ کر ہی کوئی قدم اٹھاؤں۔''

''کیا تمہیں یاد ہے کہ کال کرنے والے نے صرف گوپی ہی کا نام لیا تھا؟'' نریش کمار نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ان کے چہرے پر الجھن کے تاثرات بڑھتے جا رہے تھے۔

''جی ہاں ——''

''تم نے کیا سوچا ہے ——؟''

''میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے کہ ایک لاکھ پچھتر ہزار کی رقم کسی انسانی زندگی سے زیادہ اہم نہیں ہوتی۔'' میں نے پھر اندھیرے میں نشانہ لگانے کی کوشش کی۔

''کیا مطلب ——؟'' نریش چندر نے چونک کر مجھے گہری نظروں سے گھورا۔ ''کسی کی زندگی سے تمہاری کیا مراد ہے ——؟''

''انکل ——'' میں نے بدستور مبہم لہجے میں گتھی سلجھانے کی ایک اور کوشش کی۔ ''آپ کے جنم دن والی رات بجلی کا اچانک چلا جانا، کسی پجاری کا میرے پاس آنا اور پھر اس پر قاتلانہ حملہ ہونا —— کیا یہ سب محض اتفاقیہ حادثات کہے جا سکتے ہیں؟''

''پتر —— تم —— تم مجھے کیا بتانا چاہ رہے ہو ——؟'' نریش چندر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات گہرے ہونے لگے۔

''اس پجاری نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا کہ اگر میں نے مطلوبہ رقم دس روز کے اندر اندر ادا نہ کی تو گوپی کی پراسرار قوتیں مجھے جلا کر راکھ کر دیں گی۔'' میں نے کچھ توقف سے مدھم لہجے میں کہا۔ ''اس جملے کے فوراً ہی بعد کسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا پھر وہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر فرار ہو گیا۔''

''لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ —— وہ —— وہ تو ——'' نریش چندر نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ صوفے سے اٹھ کر فرش پر بچھے دبیز قالین کی سینہ کوبی کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی مسلط تھی۔ وہ کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ کوئی بات

ضرور تھی جو اس کے ذہن کو الجھا رہی تھی۔

کمرے میں خاصی دیر خاموشی رہی۔ میں اپنی جگہ بیٹھا نریش چندر کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ چلتے چلتے اچانک خلا میں کچھ گھورنے لگتا، پھر چہل قدمی شروع کر دیتا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی خاص گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"دانش پتر ———" اچانک نریش چندر نے دوبارہ صوفے پر بیٹھ کر تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ میں تمہارے سورگ باشی پتا کے کتنے اپکاروں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں، وہ منش نہیں ——— دیوتا تھے دیوتا۔ میں اگر سارا جیون تمہارے پریوار کی سیوا کرتا رہوں تب بھی ان احسانوں کے بوجھ کو چکتا نہیں کر سکتا۔ انہوں نے جس طرح میرے ساتھ دوستی نبھائی اس طرح تو آج کل کوئی اپنے سگوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ میں اگر انہیں بھگوان کا دوسرا روپ کہوں تو شاید غلط نہیں ہوگا ———" نریش چندر نے ایک سرد آہ بھر کر اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ سمے میرے لئے بڑا کٹھن تھا جب میری عزت اور آبرو داؤ پر لگی ہوئی تھی، میرے اپنوں نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن ——— تمہارے پتا نے میرے کارن اپنا جیون بھی بھینٹ چڑھا دیا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل ———؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "میرے والد کی موت کا بھلا آپ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"بہت گہرا سمبندھ ہے ———" نریش چندر نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے تھوڑے توقف سے کہا۔ "میں تمہاری ماں کا بھی ابھاری (شکر گزار) ہوں جنہوں نے آج تک اپنی زبان بند رکھی پرنتو اب سمے آ گیا ہے کہ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن مجھے خوشی تھی کہ اب نریش چندر خود ہی ان رازوں سے پردہ اٹھانے کی خاطر آمادہ نظر آ رہا تھا جس نے میری راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی۔

کمرے میں چند ثانئے تک موت کا سناٹا طاری رہا، پھر نریش چندر کی آواز ابھری۔

"اگر وہ زندہ ہے تو پھر انجلا کو بھی اس کے بارے میں ضرور خبر ہوگی لیکن ———"

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں ———؟" میں نے انجلا کا نام سن کر وضاحت چاہی۔

"اسی حرام کے تخم گوپی کی جس کا تمہیں فون پر حوالہ دیا گیا ہے۔" نریش چندر نے تلملا کر حقارت کا اظہار کیا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"ہاں ——— اسی حرام کے جنے کا نام گپتا ہے جو میرے کاروبار کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے۔" نریش چندر نے بل کھا کر غصے سے کہا۔ "وہی دشٹ اور پاپی میرے جیون کا سب سے بڑا روگ ہے، ناسور بن کر میری چھاتی سے لپٹا ہوا ہے، جونک کی طرح آج تک میرا خون پیتا رہا ہے ——— دھن دولت آنی جانی چیز ہے پتر، پانچ دس لاکھ کی رقم میرے لئے ہاتھ کے میل سے زیادہ نہیں لیکن عزت ایک بار چلی جائے تو پھر منش کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی کارن میں بھی مجبور ہو گیا تھا لیکن انجلا ———" نریش چندر کچھ کہتے کہتے ایک لمحے کو خاموش ہو گیا، پھر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح بولا۔ "اس نے میرے ساتھ وشواس گھات (دھوکا) کر کے اچھا نہیں کیا ——— آج وہ بھی میری نظروں سے گر گئی جسے میں نے اپنے جیون کا سب سے مضبوط اور ٹھوس سہارا سمجھا تھا۔ ہم نے اگنی کے پھیرے لینے کے بعد ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی سوگند کھائی تھی۔ اس شبھ گھڑی پر میں نے اپنے خون سے اس کی مانگ میں سیندور بھرا تھا اور ——— اور ایک میرا وہ انمول متر تھا جس نے میرے کارن اپنا جیون بھی بلیدان کر دیا۔ اس کا ایک اور ساتھی بھی مارا گیا ——— میں ابھاگی تنہا سارا غم اور کشٹ بھوگنے کے لئے زندہ ہوں۔ اب میری وجہ سے تمہیں بھی پریشان ہونا پڑ رہا ہے۔"

میں یہاں پر اختصار سے کام لوں گا، ان واقعات اور حادثات کو دہرانے سے گریز کروں گا جو پہلے تحریر میں آ چکے ہیں۔ صرف انہی باتوں کا تذکرہ کروں گا جو میرے والد کی پراسرار موت کی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھا سکیں۔

نریش چندر بڑی تفصیل سے اپنی اور انجلا کی شادی کی باتیں کرتا رہا، پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"مجھے شروع ہی سے انجلا کا پنڈت پجاریوں سے ملنا اور ان لوگوں کا اپنے گھر آنا جانا پسند نہیں تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ میں ان لوگوں کے خلاف ہوں۔ بھگوان کی کرپا ہے کہ میں پوجا پاٹ اور دھرم کرم کے معاملے میں ہمیشہ سے پابند رہا ہوں پرنتو پنڈت پجاریوں سے میل ملاپ بڑھانا مجھے پسند نہیں۔ لیکن انجلا کے پتا چونکہ خود ایک مندر کے بڑے پجاری اور پروہت رہ چکے ہیں اس لئے وہ ان کے چیلوں کی سیوا کرنا اپنا دھرم سمجھتی ہے۔" نریش

چندر نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''شروع شروع میں، میں انجلا کو ٹوکتا رہا لیکن پھر میں کاروبار میں ایسا الجھا کہ میں نے اسے ٹوکنا بند کر دیا۔ انجلا کا کہنا تھا کہ پنڈت پجاری ہمارے لئے پرارتھنا کریں گے تو ہمارا جیون سدا سکھی رہے گا اور کاروبار بھی چمکے گا۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ ایک پنڈت نے کہا تھا کہ میں بہت بڑا بیوپاری سیٹھ بنوں گا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کہا سچ ثابت ہوا۔ میرے کاروبار کیساتھ ساتھ دھن دولت کی ریل پیل ہوئی تو میں نے انجلا کو روکنا ٹوکنا بند کر دیا لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہت برا ہوا۔''

نریش چندر سانس لینے کے لئے رکا، پھر پہلو بدل کر بولا۔

''انجلا کے پتا کا دیہانت ہوا تو رنجنی بھی انجلا کے پاس آ گئی، وہ بڑی بھولی بھالی، سوشل اور سندر لڑکی تھی۔ اس کے آ جانے سے انجلا کا من بہل گیا لیکن ـــــــ رمیش گپتا نامی ایک پجاری نے رنجنی کے ساتھ پیار کا ناٹک رچا کر اس کے جیون میں وہ زہر گھول دیا جو ایک ناری کے جیون کا سب سے بڑا پاپ ہوتا ہے۔ انجلا کو جب حالات کا پتہ چلا تو اس نے رمیش گپتا کے ساتھ رنجنی کے وواہ (شادی) کی بات کی ـــــ گپتا نے پہلے تو کچھ دنوں ٹال مٹول کی پھر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ رنجنی کے تعلقات صرف اسی کے ساتھ نہیں، دوسرے پجاریوں کے ساتھ بھی ہیں۔ انجلا خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو گئی۔ اس نے رمیش گپتا کے اوپر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے۔ اس پاپی نے بھی منہ موڑ لیا۔''

نریش چندر ایک لمحے کو خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ مجھ سے آنکھ نہیں ملا رہا تھا۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید میری بھی وہی کیفیت ہوتی۔ کچھ دیر وہ خلاء میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر مدھم آواز میں کہنا شروع کیا۔

''گپتا، رنجنی کے شریر میں اپنے پاپ کا جو بیج بو گیا تھا جب وہ کھل کر سامنے آنے لگا تو انجلا مجھ سے اس کی بیماری کا بہانہ کر کے ایک پہاڑی مقام پر لے گئی جہاں رنجنی نے ایک بچے کو جنم دیا۔ انجلا نے وہاں کے ہسپتال میں رنجنی کے بچے کے باپ کا نام لکھاتے ہوئے بھول سے اسی حرامزادے کا نام لے دیا جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی ـــــ بچے کی پیدائش کے بعد انجلا نے اسے وہاں ایک غریب کنبے کے حوالے سونپا اور رنجنی کو لے کر واپس آ گئی۔''

''کیا آپ کو رنجنی اور رمیش گپتا کی کہانی کے بارے میں کچھ خبر نہیں تھی ـــــ؟'' میں نے دبی زبان میں سوال کیا۔

''خبر ہوتی تو میں اسے اور بلادکار کرنے والے کو کھڑے گھاٹ گولی مار دیتا۔'' نریش چندر نے ہاتھ ملتے ہوئے بڑے غصے سے کہا، پھر کچھ دیر تک غصے پر قابو پانے کے بعد بولا۔ ''انجلا نے اپنی بہن کی بدنامی کے کارن ہر بات مجھ سے چھپائی۔ دو سال بیت گئے تو اس نے رنجنی کے لئے کئی جگہ رشتے کی بات چلائی لیکن اس ابھاگن کے بھاگ میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ رمیش گپتا جو دو ڈھائی سال تک کے لئے کہیں مر کھپ گیا تھا دوبارہ سینہ تان کر سامنے آ گیا۔ انجلا اس بار اس کے راستے کی دیوار نہ بن سکی اس لئے کہ اس حرام جنے کو ساری بات معلوم ہو چکی تھی۔ ہسپتال سے اس نے بچے کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بھی نکلوا لیا تھا۔ انجلا کو میری بدنامی اور رنجنی کے بھوش کے کارن زبان بند رکھنی پڑی۔ وہ رمیش کی ہر جائز اور ناجائز بات مانتی رہی۔ لیکن پھر ایک دن میرے ایک پرانے واقف کار پنڈت بھوشن لال نے مجھے خاموشی سے سب کچھ بتا دیا۔ اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ رمیش نہ صرف انجلا کو بلیک میل کر رہا تھا بلکہ بڑی بڑی رقمیں بھی اینٹھ رہا تھا۔ رنجنی بھی اس کے سامنے زبان کھولنے سے مجبور تھی۔''

نریش چندر نے کچھ توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔

''میرا کاروبار اس وقت پھیل چکا تھا۔ سماج میں مجھے اچھے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ بات گھر سے نکل کر باہر جاتی تو میری ساکھ خراب ہو جاتی۔ بڑوں کا کہنا بھی یہی ہے کہ گند کو اچھالنے سے بہتر ہے کہ اسے دبا دیا جائے۔ میں نے یہی کوشش کی۔ پنڈت بھوشن لال میرا پرانا نمک خوار تھا، بھروسے کا آدمی تھا۔ میں نے اس کے ذریعے رمیش اور رنجنی کی شادی کی بات کرائی مگر یہ شرط بھی رکھی کہ وہ شادی کے فوراً بعد رنجنی کو ساتھ لے کر کہیں دوسرے ملک میں جا کر رہے اور دوبارہ کبھی واپس آنے کی غلطی نہ کرے ـــــ اس حرامزادے نے میری شرط مان لی پرنتو اس نے بھی یہ شرط رکھی کہ اگر میں اسے اپنے بزنس میں دو آنے کا بھاگی دار بنا لوں تو پھر وہ کبھی سامنے آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ میں اس کا نام اپنے نام کے ساتھ شامل کرنے کو تیار نہیں تھا لیکن انجلا میرے آڑے آ گئی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ اسے اپنے اور اپنی بہن کے بھوش کے ساتھ میرے کاروبار کی چنتا بھی بیاکل کر رہی تھی۔ اس نے ضد کی تو میں نے رمیش کی شرط مان لی ـــــ''

کمرے میں ایک بار پھر موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ نریش چندر کے وجود کے اندر جو آتش فشاں سلگ رہا تھا اسے ٹھنڈا کرنے کی خاطر انہوں نے دوبارہ اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ میں اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا لیکن میرا تجسس ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ دھند جیسے جیسے چھٹ رہی تھی، میری رگوں میں خون کی گردش بھی اسی مناسبت سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دو چار منٹ تک ٹہلنے کے بعد نریش چندر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا، پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔

''میں زبان دے چکا تھا اس لئے ایک لگی بندھی رقم انجلا کے ذریعہ رمیش گپتا کو بھیجتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ جو راز میرے سینے میں دفن ہے اس کی بھنک انجلا کے سوا کسی اور کو نہیں ہے گی لیکن کاروباری دنیا میں روپے کا لین دین کبھی کبھی سارے بھانڈے پھوڑ دیتا ہے۔ کسی طرح تمہارے پتا کو جو میرے سب سے قریبی دوست تھے، رنجنی اور گپتا کی کہانی معلوم ہو گئی۔ انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ میں کسی طرح گپتا کا نام اپنے کاروبار سے الگ کر لوں، میری بھی یہی خواہش تھی لیکن مجھے یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر رمیش گپتا اپنی کمینگی پر اتر آیا تو بات بگڑ جائے گی۔ میرے اور انجلا کے درمیان شرم کی جو دیوار کھڑی تھی میں اسے بھی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری مجبوری دیکھ کر تمہارے پتا نے کاروبار کے بہانے لندن جا کر رمیش گپتا سے ملاقات کی لیکن اس نے تمہارے پتا کی کوئی بات نہیں مانی۔ واپسی پر یہ بات بھی مجھے تمہارے پتا نے بتائی کہ رمیش سفلی جیسے پلید علم کا ماہر بن چکا تھا۔ رنجنی کو اس نے کسی رکھیل سے بھی بدتر حالت میں رکھ چھوڑا تھا اور خود دن رات شراب میں مست بدیسی عورتوں کے ساتھ عیش کرتا تھا۔ نشے کی حالت میں اس نے تمہارے پتا سے یہ بھی کہا تھا وہ بہت جلد میرے پورے کاروبار کا مالک بن جائے گا ــــــ یہ بات سن کر میرا ماتھا ٹھنکا، میں نے اور تمہارے پتا نے مل کر وکیل سے مشورہ کیا اور ایک معقول رقم جو معاہدے کے انوسار طے ہوئی تھی، رمیش گپتا کو کورٹ کے ذریعے ادا کر کے اس کی بھاگی داری ختم کر دی لیکن کمپنی کی ساکھ کے کارن گپتا کا نام کاروبار سے نہیں ہٹایا۔ اس کے لئے ہم نے گپتا نامی ایک اور واقف کار کو ایک آنے کا پارٹنر ظاہر کر کے قانونی طور پر اپنے ہاتھ مضبوط کر لئے ــــــ رمیش سے تعلقات ختم کرنے کے بعد انجلا کو اپنی کسی سہیلی کے ذریعے یہ خبر ملی کہ رمیش اور رنجنی دونوں کسی حادثے میں کام آ گئے۔ میں نے اپنے جان کاروں سے بھی ان دونوں کے بارے میں معلوم کیا تو یہی پتہ چلا کہ وہ لندن میں دیہی علاقے کے

جس مکان میں رہتے تھے وہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ پولیس کو اس مکان سے ہڈیوں کے جلے بھنے ڈھانچے ملے تھے جن کی شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔ پولیس تحقیقات کی رپورٹ کیول یہی بتا سکی کہ ان جلے ہوئے ڈھانچوں میں تین ڈھانچے مرد کے تھے اور ایک عورت کا ــــــ''

''والد صاحب کی موت سے قبل ان کا ضرغام نامی ایک دوست بھی روپ نگر کے نواح میں پراسرار حالت کا شکار ہوا تھا۔'' میں نے بات آگے بڑھانے کی خاطر کہا۔

''ہاں ــــــ'' نریش چندر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ضرغام کی موت پر تمہارے پتا کے علاوہ مجھے بھی تعجب ہوا تھا اس لئے کہ وہ بھلا مانس بھی رمیش کو سمجھانے کی خاطر کبیر جی کے ساتھ ہی بیرون ملک گیا تھا لیکن اس کی موت کی پشت پر ہم رمیش کا ہاتھ نہیں تلاش کر سکے ــــــ اس لئے کہ ہماری اطلاع کے مطابق وہ اور رنجنی پہلے ہی سے جل بھن کر پرلوک سدھار چکے تھے ــــــ بہرحال، ضرغام کی موت کے ایک لمبے عرصے کے بعد تمہارے پتا کا بھی کوئی دشمن پیدا ہو گیا تھا۔ وہ سامنے نہیں آتا تھا، کیول فون پر ہی چتاونی (دھمکی) دیتا تھا کہ اگر انہوں نے میرے ساتھ میل جول ختم نہ کیا تو وہ دونوں کو قتل کر دے گا۔''

''دھمکی دینے کی کوئی وجہ بھی ضرور رہی ہو گی؟'' میں نے وضاحت چاہی۔

''اس کا کہنا تھا کہ وہ مسلمانوں کے کسی ایسے جتھے کا کارندہ ہے جو ہندوؤں کو اچھوت سمجھتے ہیں اور کسی مسلمان کا ان سے یاری دوستی گانٹھنا برداشت نہیں کر سکتے۔'' نریش چندر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ان دنوں چونکہ ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے اس لئے میں نے تمہارے پتا کو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ دنیا دکھاوے کی خاطر اس وقت تک مجھ سے دور رہیں جب تک فساد ٹھنڈے نہ ہو جائیں۔ لیکن تمہارے پتا نے میری بات نہیں مانی، وہ بڑے ٹھوس اصولوں کے مالک تھے۔ ہمارے بیچ دوستوں اور بھائیوں جیسا جو سمبندھ قائم تھا وہ اسے ایک پل کے لئے بھی توڑنے کو تیار نہیں ہوئے۔ دھمکی کی کالیں کچھ دنوں آتی رہیں پھر بند ہو گئیں۔ ہم دونوں کا ایک ہی خیال تھا کہ وہ ہمارے کسی خاص کاروباری دشمن کی شرارت ہو گی جو ہمارا گٹھ جوڑ پسند نہیں کرتا تھا۔''

''کیا ان تمام باتوں کی خبر آنٹی کو بھی تھی ــــــ؟'' میں نے کچھ سوچ کر انجلا دیوی کے کردار کو روشنی میں لانے کی خاطر دریافت کیا۔

"ہاں ـــــ تمہارے پتا چونکہ برابر میرے گھر آتے جاتے تھے اس لئے وہ بھی کسی حد تک حالات سے جانکاری رکھتی تھی لیکن ـــــ" نریش چندر نے بات کرتے کرتے چونک کر مجھے دیکھا۔ "تم نے خاص طور پر انجلا کے بارے میں کیوں پوچھا؟"

"سوری انکل ـــــ" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "میں فی الحال اس بات کا جواب نہیں دے سکوں گا"۔

"کیا تمہیں اپنے انکل پر بھی وشواس نہیں ہے ـــــ؟"

"بات وشواس کی نہیں، مصلحت کی ہے جسے میں ابھی زبان تک نہیں لانا چاہتا۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"تم ابھی بچے ہو دانش پتر ـــــ میں دنیا دیکھ چکا ہوں۔ کاروبار کی اونچ نیچ نے مجھے منش کی پرکھ بھی سکھا دی ہے۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولے۔ "اگر میں یہ کہوں کہ تم کسی کارن انجلا سے خوش نہیں ہو تو کیا میری سوچ غلط ہوگی؟"

"میں آپ کے تجربے کو چیلنج نہیں کروں گا۔" میں نے بڑی خوبصورتی سے ان کی بات کی تردید بھی نہیں کی۔

"اس بات کا شبہ مجھے تمہاری پتا کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا کہ انجلا انہیں پسند نہیں کرتی تھی پرنتو اس نے زبان سے مجھے کبھی کچھ نہیں کہا۔"

"ہم نے رمیش گپتا کے موضوع سے گفتگو شروع کی تھی ـــــ" میں نے گفتگو کے طول کو ختم کرنے کی خاطر کہا۔

"میں اسی طرف آ رہا ہوں۔" نریش چندر نے پھر سرد آہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ "میرے اور انجلا کے بینک کے کھاتے الگ الگ ہیں۔ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ اسے کبھی دھن دولت کی کمی محسوس نہ ہو۔ ہر ماہ ایک بڑی رقم اس کے کھاتے میں جمع کرا دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی جب اسے کسی کام کی خاطر ضرورت ہوتی ہے وہ ڈائریکٹ میرے اکاؤنٹنٹ سے فون پر بات کر کے جتنی رقم بھی چاہے اپنے کھاتے میں جمع کرا سکتی ہے۔ میں نے کبھی اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی۔ لیکن تمہارے پتا کی موت سے کچھ عرصہ قبل مجھے میرے اکاؤنٹنٹ نے بتایا کہ انجلا ہر ماہ اپنی لگی بندھی رقم کے علاوہ بھی لاکھ دو لاکھ روپے میرے کھاتے سے اپنے کھاتے میں ٹرانسفر کرانے لگی تھی۔ میں نے اکاؤنٹنٹ کی

بات سنی ان سنی کر دی لیکن جب میں نے دوسرے ذریعوں سے کھوج لگایا تو پہلی بار مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے کھاتے سے بھی بڑی بڑی رقم نکلواتی رہتی ہے جبکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ مجھے بینک سے معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی اس بات کا کھٹکا ہوا تھا کہ انجلا کسی چکر میں پھنس گئی ہے ـــــ پجاریوں کے ساتھ اس کا اکیلے مندر آنا جانا بھی مجھے بھلا نہیں لگتا تھا۔ میں نے کبھی اس سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کی پرنتو مجھے اس بات کی کھوج ضرور تھی کہ وہ کیا کرتی پھر رہی ہے۔"

نریش چندر نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ اس کے چہرے پر طاری تاثرات اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ کسی شدید ذہنی دباؤ اور کرب کی کیفیت سے دوچار تھا۔ میں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، چپ چاپ بیٹھا اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگاتا رہا۔ وقت گزرنے کی رفتار بڑی مدھم پڑ گئی تھی۔ مجھے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ کمرے سے باہر جوگیا اور رمیش کی پراسرار قوتیں ایک دوسرے سے ضرور برسر پیکار ہوں گی۔ رمیش پوری شدت سے اس حصار کو توڑنے کی خاطر جان کی بازی لگا رہا ہوگا جو اسے میرے اور نریش چندر تک پہنچنے سے روکے ہوئے تھا۔ بات کسی وقت بھی بگڑ سکتی تھی، بازی پلٹ جانے کی صورت میں میرے والد کی موت کا معمہ پھر حل ہونے سے رہ جاتا۔ جوگیا کی پسپائی کی صورت میں میرے اور نریش چندر میں سے کسی ایک کی زندگی کو موت کا خطرہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ میں اس مہر سکوت کو توڑنے کی خاطر پہلو بدل رہا تھا جب نریش چندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"روپ نگر میں تمہارے پتا کی پراسرار موت کی خبر سن کر میری آتما کو جو دھچکا پہنچا تھا اس کا اندازہ تم نہیں لگا سکو گے۔ میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ فون کے ذریعہ مجھے ایک ایک پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ میں نے پولیس کمشنر تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر جب مجھے بتایا گیا کہ مرنے والے کے شریر پر سوت کا ایک خون آلود کچا دھاگا ملا ہے تو میرے دماغ میں قاتل کے بارے میں جو پہلا خیال ابھرا وہ رمیش گپتا کے سوا کسی اور کا نہیں تھا۔ میں نے اپنا شک دور کرنے کی خاطر روپ نگر کے ایس پی انچارج سے بھی بات کی جو میرا واقف کار تھا۔ میں نے اسے رمیش گپتا کا حلیہ بھی بتایا ـــــ بعد میں ایس پی نے مجھے انفارم کیا کہ اس نے ملتے جلتے حلیے کے ایک بندے کو حراست میں لیا تھا لیکن اس کا نام سلامت خان تھا

جس کی گردن پر الٹی طرف کوئی پرانا ناسور بھی تھا۔ اسے ہر طرح سے کھنگالا گیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔"

"وہی میرے والد کا قاتل اور آپ کا پرانا دشمن رمیش گپتا تھا۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جھلا کر کہا۔ میری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی گردش تیز ہونے لگی۔

"تم ——" نریش چندر نے مجھے حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تم یہ بات اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہو جب کہ وہ غیر ملکی پولیس کی رپورٹ کے مطابق ——"

"وہ رپورٹ محض ایک مفروضے کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی اس لئے جھوٹی بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ مکان کو آگ لگنے والا ڈرامہ بھی خود اسی نے رچایا ہوگا تاکہ پولیس اس کا پیچھا نہ کر سکے۔ بلکہ میں تو یہ بات بھی پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ رمیش گپتا کے علاوہ رنجنی بھی زندہ ہے۔ جس شخص کو پولیس نے سلامت خان سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، وہی سو فیصدی وہی تھا جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

نریش چندر کی حیرت اور الجھن قابل دید تھی۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کو سکتہ ہو گیا ہو۔ میرے انکشاف نے جیسے اسے گونگا اور بہرا کر دیا ہو۔ شاید اسے میری بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں اب پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہو کہ میری کار کو پیش آنے والا حادثہ بھی محض اتفاق نہیں تھا۔ میرا بدنصیب ڈرائیور رمیش گپتا کے کالے علم کا شکار ہو گیا اور —— آپ کے جنم دن پر بھی شاید وہ حملہ پجاری کی بجائے میرے اوپر ہی کیا گیا تھا لیکن قاتل سے چوک ہو گئی۔ گھپ اندھیرے اور مہمانوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے حملہ آور کا نشانہ خطا ہو گیا۔" میں نے بڑے تلخ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی۔ "آپ کو شاید یہ سن کر بھی تعجب ہو گا کہ حملہ آور بھی ایک پجاری تھا۔ وہ جس سیاہ رنگ کی مرسڈیز میں بیٹھ کر فرار ہوا وہ بھی کسی اور کی نہیں بلکہ آنٹی کی ملکیت تھی۔"

"اگر وہ حرام کا تخم زندہ ہے تو پھر انجلا کو بھی اس کی خبر ضرور ہو گی۔" نریش چندر نے پھر اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ میرے انکشاف کی روشنی میں وہ شاید واقعات کی کڑیاں ملانے کی کوششوں میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ ٹہلتے ٹہلتے اچانک رک کر بولا۔ "اگر تمہارے اوپر حملہ کرانے میں انجلا کا ہاتھ ہے تو پھر

میرے متر (دوست) کی موت کے بارے میں بھی اسے کچھ نہ کچھ جانکاری ضرور ہو گی۔ جب تمہارے پتا اور ضرغام میرے کارن رمیش گپتا کو سمجھانے کی خاطر بیرون ملک گئے تھے، اس وقت بھی انجلا نے مجھ سے دبی زبان میں یہی کہا تھا کہ سانپ کی دم پر پیر رکھا جائے تو وہ پلٹ کر کاٹ بھی سکتا ہے۔ اور اب اسی کی سیاہ مرسڈیز میں کسی پجاری کا بیٹھ کر فرار ہونا ——" نریش چندر نے جملہ مکمل نہیں کیا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ رمیش کے علاوہ رنجنی بھی زندہ ہے۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم نے یہ باتیں کہاں سے معلوم کی ہیں؟"

"سوری انکل، ابھی میں آپ کو کسی کا نام بتانے سے معذرت خواہ ہوں لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ والد صاحب کی موت کے بعد میں بھی ان کے قاتلوں کی تلاش میں ہاتھ پیر مارتا رہا ہوں۔ میں روپ نگر بھی گیا تھا، وہاں جس غریب آدمی نے مجھے سلامت خان کے بارے میں بتایا تھا اسے بھی راستے سے ہٹایا جا چکا ہے۔" میں نے جوگیا، پرتاپ اور دوسرے ناموں کو درمیان سے حذف کر کے مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "میں نے خواب کی حالت میں جو کچھ دیکھا وہ غلط نہیں ہو سکتا، شاید کوئی غیبی قوت میری رہنمائی کر رہی ہو جس نے مجھے قاتل کے سلسلے میں کوئی اشارہ دیا ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ رنجنی کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا ہے اور پجاری اس پر اذیت ناک ظلم ڈھا رہے ہیں۔"

"کیا تم نے رنجنی کو بھی دیکھا تھا ——؟" نریش چندر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں ——" میں نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ "لیکن میں نے خواب میں جس عورت پر ظلم ہوتے دیکھا اس کا حلیہ ضرور بیان کر سکتا ہوں۔"

میں نے رنجنی کا حلیہ بیان کیا تو نریش چندر کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ وہ مجھ سے کرید کرید کر سوالات کر رہا تھا، میں حتی الامکان ان باتوں کی تفصیل بتانے سے گریز کر رہا تھا جن کا تعلق پراسرار پیپر ویٹ، سفید موتی یا جوگیا کی ذات سے تھا۔ میں نے اس بچے کا ذکر بھی مناسب نہیں سمجھا جس کی بھٹکتی ہوئی روح نے مجھے اس مقام تک پہنچایا تھا جہاں رمیش نے اپنے گندے عمل سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت کو کالی کے قدموں میں قربان کرنے کی خاطر جوان بنایا تھا لیکن اس کی زبان سے گپتا کا نام سن کر وہ اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکا تھا،

اس کو مارنے کے بعد ہی اس نے کسی سروجنی نامی عورت کی روح کو اپنا آلہ کار بنا کر فاخرہ کی زندگی سے کھیلنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ میں نے رنجنی کے حوالے پر جب اس جگہ اور فریم میں لگی ہوئی رمیش اور رنجنی کی گرد آلود تصویر کا ذکر کیا تو نریش چندر اس طرح چونکا جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کی پیشانی کی رگیں غصے کی شدت کی وجہ سے نمایاں نظر آنے لگیں۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''دانش پتر ——'' اس نے بڑے طیش کے عالم میں ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے تمہاری باتوں پر وشواس آ رہا ہے۔ اگر وہ سور کی اولاد زندہ ہے تو پھر انجلا کو اوش معلوم ہو گا کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔ بات کچھ کچھ میری سمجھ میں بھی آ رہی ہے۔''

''کیا مطلب ——؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا آپ اس جگہ سے واقف ہیں ——؟''

''ہاں —— آں......''

نریش چندر کا جملہ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ میں بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کا بیرونی دروازہ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر گرا تھا۔ باہر ہر طرف آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آ رہے تھے، لوگوں کی چیخ و پکار کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میرے ذہن میں رمیش کا تصور بجلی بن کر کوندا۔ شاید اس نے جوگیا کے قائم کردہ حصار کو توڑنے میں ناکامی کے بعد ہوٹل کے اس فلور کو آگ لگا دی تھی جہاں ہم موجود تھے۔ میرے علاوہ نریش چندر بھی اس اچانک افتاد سے بری طرح بوکھلا گیا۔ باہر لوگوں کی بھاگ دوڑ اور شور و غل سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ بھڑکتی آگ کے خطرناک شعلے کمرے میں بھی داخل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ نریش چندر نے لپک کر بالکونی کا دروازہ کھولا۔ اس طرف بھی دھواں ہی دھواں نظر آ رہا تھا۔ اس نے بالکونی کی ریلنگ پر جھک کر نیچے کی طرف دیکھا پھر چیخ کر بولا۔

''دانش پتر —— اب یہی ایک راستہ رہ گیا ہے۔''

میں نے جواب میں اسے روکنے کی کوشش کی لیکن شاید وہ وقتی طور پر سوچنے سمجھنے کی قوت کھو بیٹھا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اسے اس کے خطرناک ارادے سے باز رکھ سکتا، اس نے ریلنگ پر دونوں ہاتھ جما کر جست لگا دی۔ میں نے سفید موتی نکال کر دوبارہ منہ میں

رکھا اور ہمت کر کے صدر دروازے پر بھڑکتے ہوئے شعلوں کے درمیان سے چھلانگ لگا کر باہر نکل گیا لیکن زمین پر قلابازی کھانے کے بعد میرا سر کسی ایسی ٹھوس شے سے ٹکرایا کہ میں اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ بس ایک ثانئے کو مجھے ایسا شبہ سا ہوا جیسے کسی نے میرے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی طرف گھسیٹنے کی کوشش کی ہو۔ مگر اس کے بعد میرا ذہن غنودگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا ——!!

......

میرے ذہن سے بے ہوشی کا خمار آہستہ آہستہ چھٹ رہا تھا۔ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے ابھی تک میرے لاشعور میں کپکپا رہے تھے۔ میں نے آنکھ کھولنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے یقین تھا کہ جس طرح میں نے زندگی بچانے کی خاطر خوفناک شعلوں کے درمیان سے چھلانگ لگائی تھی اس نے میرے جسم اور سر کے بالوں کو ضرور جھلسا دیا ہوگا۔ شعلوں کی لپٹ اور تپش نے میرے چہرے کے نقش و نگار میں کچھ تبدیلیاں بھی ضرور کی ہوں گی۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح موت کے چنگل سے فرار حاصل کر کے دوبارہ زندگی کے احاطے میں داخل ہو گیا ہوں لیکن نریش چندر ـــــ وہ شعلوں کے رقص کو دیکھ کر ایک دم بوکھلا گیا تھا، اسے امید نہیں تھی کہ وہ صدر دروازے سے باہر نکل سکے گا اس لئے اس نے زندگی بچانے کی خاطر بالکنی میں جا کر انتہائی مایوسی کی حالت میں تیسری منزل سے نیچے چھلانگ لگا دی تھی۔ میں اسے روکتا ہی رہ گیا۔

نریش چندر کے آخری جملوں سے یہی معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں وہ جگہ اجاگر ہو گئی تھی جہاں میرے والد کا قاتل اور میرا دشمن رمیش گپتا چھپا بیٹھا تھا۔ وہ اس وقت بھی چونکا تھا جب میں نے فریم میں لگی ہوئی رمیش اور رنجنی کی تصویر کا ذکر کیا تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اگر رمیش گپتا زندہ ہے تو پھر انجلا کو بھی ضرور علم ہوگا کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے ـــــ مگر اس کے بعد کے حالات یکلخت تبدیل ہو گئے تھے۔ تیسری منزل سے چھلانگ لگانے کے بعد نریش چندر کا ہڈی پسلی سمیت صحیح و سلامت بچ جانا ایک معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔

میں ابھی انہی خیالوں میں گم تھا کہ منوالا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"ڈاکٹر ـــــ کیا باس کی طویل بے ہوشی کسی خطرے کی علامت تو نہیں ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ مسٹر دانش کو اب گھنٹے بھر کے اندر اندر ہوش میں آ جانا چاہیے۔"

"اور اگر ہوش نہ آیا تو ـــــ؟"

"ہوش میں نہ آنے کی صورت میں ہمیں کئی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے بڑی گمبھیر آواز میں کہا۔ "لیکن قبل از وقت ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مریض کو ہوش آ جائے تو اس کی ذہنی کیفیت محسوس کرنے کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ ویسے خدا کا شکر ہے کہ آگ کے شعلوں نے لباس کے علاوہ جسم کے کسی حصے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ معمولی خراشیں تو عام حالات میں گرنے سے بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔"

"بے ہوشی کا کیا سبب ہے؟"

"دھوئیں اور آگ کی تپش کے علاوہ سر کا ریلنگ سے ٹکرانا بھی بے ہوشی کا سبب ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ایسے مخدوش حالات میں جب انسان کو زندگی اور موت کے درمیان الجھ کر کوئی آخری فیصلہ کرنا پڑے تو اس کے اعصاب پر بڑا شدید اثر ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر اور منوالا کی گفتگو سن کر مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت کمرے میں میرے اور ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ منوالا کا میرے قریب ہونا بھی تعجب انگیز تھا۔ اسے مجھے پیش آنے والے حادثے کی خبر کس طرح ہوئی؟ کیا جوگیا نے اس وقت بھی اس کے جسم پر قبضہ کر رکھا ہوگا؟" میں نے سوچا، پھر آہستہ آہستہ کسمسانے لگا۔

"خدا کا شکر ہے کہ مریض کو ہوش آ رہا ہے۔" ڈاکٹر نے میری حالت کے بارے میں اظہار کیا۔

"مم...... میں...... میں کہاں ہوں؟" میں نے آنکھ کھول کر مدھم آواز میں سوال کیا۔

"آپ اس وقت ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ہیں ـــــ" منوالا نے قریب آ کر جواب دیا۔

"لیکن ـــــ؟"

"پلیز ـــــ" ڈاکٹر کی آواز دائیں جانب سے ابھری۔ "ابھی آپ زیادہ باتوں سے پرہیز کریں۔ کم از کم دو گھنٹوں تک آپ کو ذہنی آرام کی شدید ضرورت ہے۔"

میں نے نظریں گھما کر ڈاکٹر کو دیکھا جو میرے لئے اجنبی تھا۔ میں نے نظروں کا زاویہ تبدیل کیا تو دیوار پر لگی ہوئی گھڑی سامنے آ گئی جس کے مطابق رات کے پونے بارہ کا

عمل ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے سکون کی خاطر کوئی انجکشن لگایا پھر منوالا کو یہ ہدایت دے کر چلا گیا کہ مجھے زیادہ باتوں کی اجازت نہ دی جائے۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں نے منوالا کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ اتنی رات گئے اس کا میرے پاس کسی ہسپتال میں ہونا میرے لئے تعجب خیز ہی ثابت ہو رہا تھا۔ وہ میرے بستر سے لگی کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔

''تم ——؟''

''آپ نے اچھا کیا جو فون کر کے مجھے بلوالیا۔'' منوالا کی نگاہیں نمناک ہو گئیں۔ ''میں تو آپ کی حالت دیکھ کر بوکھلا گئی تھی۔ بٹ گاڈ از گریٹ —— لباس جلنے کے علاوہ آپ کے جسم پر معمولی خراشیں ضرور آئی ہیں لیکن کانٹی نینٹل کا تھرڈ فلور جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ اس فلور کے بیشتر مسافر بری طرح جھلس گئے ہیں۔ ایک دو افراد دم گھٹنے کے سبب ——''

''تم نے ماں کو تو میرے متعلق کوئی خبر نہیں دی؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔

''نہیں —— مجھے آپ کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا۔''

''کیا تم اس وقت میرے لئے کسی مناسب لباس کا بندوبست کر سکتی ہو؟'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ سول لائنز ایریا کے ایک دو ڈیپارٹمنٹل اسٹورس، کچھ اسنیکس بار اور ایک آدھ میڈیکل اسٹور پوری رات کھلے رہتے ہیں۔''

''کیا آپ اس وقت کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

''نہیں —— لیکن گھر والوں کو خبر کرنے سے پہلے میرے لئے مناسب حلیے میں رہنا ضروری ہے۔''

''میں آپ کے لئے لباس لے کر آتی ہوں۔'' منوالا جانے کے لئے مڑی تو میں نے پوچھا۔

''میری گاڑی کا کیا بنا ——؟''

''میں آپ کو کانٹی نینٹل سے قریبی ہسپتال تک آپ ہی کی گاڑی میں لائی ہوں۔''

''کیا مطلب ——؟'' میں چونکا۔ ''کیا میں نے تمہیں کانٹی نینٹل بلوایا تھا؟''

''جی ہاں۔'' منوالا مسکرا کر بولی۔ ''اس وقت آپ ہوش میں تھے اور آپ کا حلیہ —— کاش میں اس وقت اپنا کیمرہ بھی ساتھ لاتی تو آپ کی ایک یادگار تصویر میرے پاس محفوظ

ہوتی۔''

منوالا پلٹ کر کمرے سے چلی گئی۔ میرا ذہن پھر قلابازیاں کھانے لگا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ شعلوں کے درمیان سے چھلانگ لگانے کے بعد میں کسی ٹھوس شے سے ٹکرا کر بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہو گیا تھا۔ پھر میں نے منوالا کو فون کس وقت کیا؟ اگر میں ہوش میں ہوتا تو سب سے پہلے نریش چندر کی خیریت دریافت کرتا جس نے تیسری منزل سے چھلانگ لگا کر اپنی بدحواسی کا ثبوت دیا تھا۔ میں ابھی اپنے ذہن کے کونے کھدروں کو ٹٹولنے میں مصروف تھا جب جوگیا کی آواز میری قوتِ سماعت سے ٹکرائی۔

''چنتا مت کرو۔ جب تک رمیش کی کھاٹ نہیں کھڑی ہو گی، نریش چندر زندہ رہے گا۔''

''کیا وہ تیسری منزل سے چھلانگ لگانے کے باوجود ——''

''نہیں ——'' میری بات کاٹ کر کہا گیا۔ ''اس مورکھ نے زمین پر الٹے ہاتھ کے بل گر کر اپنا بایاں ہاتھ توڑ لیا ہے، کولہے کی ہڈی بھی چٹخ گئی ہے لیکن وہ زندہ بچ گیا۔''

''اس وقت کہاں ہے؟''

''اپنے بنگلے پر —— اس کا ڈرائیور ساتھ نہ ہوتا تو شاید تمہاری طرح وہ بھی کسی ہسپتال میں بے ہوش پڑا ہوتا۔''

''ہوٹل میں آگ کس نے لگائی تھی ——؟'' میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

''اسی رمیش گپتا نے جو اپنی کھوپڑی سے آؤٹ ہو رہا ہے۔'' جوگیا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''میرا منڈل نہیں توڑ سکا تو دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ پیر چلانے لگا۔ اس سمے بھی ساحل کے کنارے کالی کے ایک پرانے مندر میں چھپا بیٹھا اپنی پلید شکتی کے بیروں کو جمع کر رہا ہے۔ اب اس نے مرنے اور مارنے کی ٹھان رکھی ہے۔ نریش چندر کے جنم دن پر جس پجاری پر حملہ ہوا تھا وہ چل بسا۔ جو حملہ کر کے فرار ہوا تھا اسے بھی ختم کر دیا گیا۔ نریش کا جیون اس دشٹ کے لئے ضروری نہ ہوتا تو شاید وہ اس کا کریا کرم بھی کر دیتا۔''

''جوگیا ——'' میں نے کچھ سوچ کر بے چینی سے پوچھا۔ ''ایک بات ابھی تک مجھے پریشان کر رہی ہے۔''

''جس لمبے تڑنگے پجاری پر جان لیوا حملہ ہوا تھا اس نے تم سے سنپولیے کی دوسری آنکھ

کیوں مانگی تھی؟'' جوگیا نے میرے دل کا حال جان کر کہا۔ ''یہی معلوم کرنے کے کارن بیاکل ہو رہے ہو ــــ؟''

''ہاں ــــ'' میں نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس دراز قد پجاری نے اپنی شکتی کے زور سے پیپر ویٹ کو میری اندرونی جیب میں ہونے کے باوجود دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو سکتا تھا لیکن ــــ''

''تم سفلی کے گندے علم کے بارے میں کوئی جانکاری نہیں رکھتے اس لئے پریشان ہو رہے ہو'' جوگیا نے اس بار وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''رمیش بھی اسی گمشدہ آنکھ کی تلاش میں پاتال تک جھانک چکا ہے لیکن اسے ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہو سکا اس لئے کہ اسے میں نے چھپا کر محفوظ کر دیا تھا۔''

''میں سمجھا نہیں ــــ ایک مُردہ بچے کی آنکھ بھلا کس کام آ سکتی ہے ــــ؟''

''تم اس چکر میں مت پڑو ــــ کیول اتنا جان لو کہ اگر اس بالک کی آنکھ رمیش یا اس پجاری کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ اس آنکھ پر ایک خاص منتر پڑھنے کے بعد اس کے ذریعے دنیا کے کسی کونے میں بھی جھانک سکتے تھے۔ دھرتی کے اندر چھپے راجوں مہاراجوں کے خزانے بھی ان کو نظر آ جاتے ــــ رمیش کو میرے سامنے آنے کے بعد اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ شاید وہ پیپر ویٹ جس میں بچے کی آنکھ کو محفوظ کیا گیا تھا تمہارے پاس ہے۔ اس نے اپنے شبہے کا اظہار اس پجاری سے بھی کر دیا جو اس کا خاص سیوک تھا لیکن پجاری کے من میں کھوٹ آ گیا۔ وہ اس آنکھ کو حاصل کر کے آکاش پر شیش محل بنانے کے سپنے دیکھنے لگا۔ جنم دن والے روز اس نے ایک منتر پڑھ کر کھوج لگا لیا تھا کہ وہ پیپر ویٹ تمہارے پاس ہے لیکن رمیش کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ اس نے اپنے دوسرے سیوک پجاری کو اپنے بیروں کے ذریعے لمبے تڑنگے پجاری کو جان سے مارنے کا حکم دیا تھا پرنتو اس نے پھر اس کا راستہ کاٹ دیا۔ پرتاپ کو تمہارے دفتر جانے کا حکم بھی میں نے ہی دیا تھا ــــ اور کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''کیا نریش چندر کو میری باتیں سننے کے بعد اس بات کا یقین آ گیا ہے کہ رمیش گپتا اور رنجنی دونوں زندہ ہیں؟''

''ہاں ــــ رنجنی اور رمیش والی فریم شدہ تصویر کے بارے میں تمہارے سپنے کی کہانی

سن کر اس کی کھوپڑی میں وہ جگہ بھی ابھر چکی ہے جہاں رمیش موجود ہو سکتا ہے۔ اسی کارن اس نے کہا تھا کہ اگر گپتا زندہ ہے تو پھر انجلا کو اوش خبر ہو گی کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔''

جوگیا نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے سامنے اپنی زبان بھی کھول دیتا لیکن رمیش گپتا جب میرے ساتھ پنجہ نہ لڑا سکا تو اس نے ہوٹل کی اس منزل کو جلا کر آگ لگا دی جہاں تم دونوں کا ملاپ اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔''

''اب تم نے کیا سوچا ہے ــــ؟'' میں نے تیزی سے سوال کیا۔ ''جب یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رمیش کہاں چھپا بیٹھا ہے تو کیا تم ہمیشہ کے لئے اس کا قصہ پاک نہیں کر سکتے؟''

''میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں ــــ اس الجھن میں مت پڑو۔ کیول اتنا جان لو کہ نیلے آکاش پر جو بیٹھا ہے اس نے منش کو الگ الگ کام سونپ رکھے ہیں۔ جب سمے آئے گا تو رمیش کی ساری شکتیاں بھی پانی کے بلبلوں کے انوسار ساگر میں ڈوب جائیں گی۔''

''کب آئے گا وہ وقت ــــ؟'' میں نے قدرے جھلا کر پوچھا۔ جوگیا کی منطقی باتیں میری سمجھ سے بالاتر تھیں۔

''دھیرج سے کام لو ــــ'' اس بار جوگیا نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ ''اب اس چنڈال کے برے دن قریب آ رہے ہیں۔''

''تم انجلا کے بارے میں کیا کہو گے؟'' میں نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔ ''کیا وہ جانتی ہے کہ رنجنی اور رمیش کہاں اور کس حال میں ہیں؟''

''وہ پھر آنکھیں کھولے کچھ دیکھ رہا ہے ــــ اس کی آنکھوں میں آتش فشاں کھول رہا ہے ــــ میں جا رہا ہوں، تم اپنا دھیان رکھنا، اپنی ماتا سے ابھی کچھ مت بتانا ــــ'' جوگیا کی آواز میرے کانوں میں ابھر کر دور ہوتی چلی گئی۔ اس نے مبہم انداز میں جو جملے ادا کئے تھے ان کا تعلق یقیناً رمیش گپتا کی ذات سے ہی رہا ہو گا ــــ!

منوالا کی واپسی تک میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں غور کرتا رہا۔ لباس تبدیل کرتے وقت مجھے سب سے پہلے سفید موتی کا خیال آیا، میں نے اسے جلے ہوئے لباس کی جیبوں میں تلاش کیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ شاید ہنگاموں میں وہ گوہر نایاب میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

"آپ اس قدر پریشانی کے عالم میں کیا تلاش کر رہے ہیں؟" منوالا نے میری دہشت کا اندازہ لگاتے ہوئے سوال کیا۔

"میری ایک بہت قیمتی شے تھی جو شاید اچھل کود میں کہیں گر گئی۔"

"اور آپ نے ابھی سے یہ لباس کیوں تبدیل کر لیا؟" اس نے تشویش کا اظہار کیا۔ "ڈاکٹر نے آپ کو دو گھنٹے تک آرام کا مشورہ دیا تھا۔"

"مجھے ماں کو اپنی خیریت سے آگاہ کرنا ہے۔" میں نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "وہ میرے لئے پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

منوالا نے مجھے روکنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ ریسیور اٹھا کر میں نے آپریٹر سے ڈائریکٹ لائن مانگی پھر گھر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے ماں نے کال ریسیو کی۔ ان کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ میری طرف سے فکر مند تھیں۔

"امی جان میں دانش بول رہا ہوں۔" میں نے پرسکون آواز میں کہا۔ "اپنے ایک دوست کے ساتھ اس وقت میں ایک ٹریڈ فیئر (TRADE FAIR) میں ہوں۔ آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"نہیں ـــــ میں دس بجے سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں اور تم کھانے کا پوچھ رہے ہو۔" ماں کے لہجے میں پیار بھری جھلاہٹ تھی۔

"آئی ایم سوری۔" میں نے معذرت کی۔ "پروگرام اچانک بن گیا تھا اس لئے آپ کو فون نہیں کر سکا۔"

"اب کتنی دیر میں آ رہے ہو ـــــ؟"

"ہو سکتا ہے ایک دو گھنٹے اور لگ جائیں۔" میں نے محتاط انداز میں کہا۔ "آپ کھانا کھا کر سو جائیں، میں بالکل خیریت سے ہوں۔"

"تم اب بچے نہیں ہو دانش، تمہیں مجھے اپنے پروگرام سے آگاہ کر کے جانا چاہئے تھا۔ اور اگر پروگرام اچانک بن گیا تھا تب بھی تم کم از کم فون پر تو اطلاع دے سکتے تھے۔"

"میں معافی کا خواستگار ہوں ـــــ آئندہ احتیاط رکھوں گا۔"

"خدا تمہیں زندہ سلامت رکھے ـــــ" ماں نے مجھے پیار سے دعائیں دیں پھر دو چار

نصیحتیں کرنے کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا۔ منوالا میرے قریب ہی کھڑی تھی۔ میں فون کر چکا تو اس نے کہا۔

"اب کیا ارادے ہیں؟"

"سب سے پہلے تمہیں تمہارے گھر چھوڑوں گا اس کے بعد سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔"

منوالا کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر راؤنڈ پر آ گیا۔ اس نے مجھے لباس تبدیل کئے بستر کی بجائے فون کے قریب بیٹھا دیکھا تو سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے آپ کو دو گھنٹے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا اور آپ ـــــ"

"میں اب خود کو بالکل نارمل محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کی مسیحائی حیرت انگیز طور پر میرے کام آ گئی۔"

"لیکن آپ اس وقت ـــــ"

"میرا جانا ضروری ہے ڈاکٹر۔" میں نے پھر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کانٹی نینٹل کے ہنگامے میں میری ایک دو قیمتی چیزوں کے علاوہ میرا پرس بھی کہیں گر گیا ہے اس لئے میں صبح ہوتے ہی پہلی فرصت میں ہسپتال کو پے منٹ بھجوا دوں گا۔"

"مس منوالا مجھے آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں اس لئے مجھے پے منٹ کی کوئی فکر نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے اس بار دوستانہ انداز اختیار کیا۔ "آپ کو اگر کوئی ایمرجنسی ہے تو آپ جا سکتے ہیں لیکن میں آپ کو ایک بار پھر آرام کا مشورہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی اندرونی چوٹ آئی ہو جو بعد میں پریشان کرے۔ بہر حال میں نے آپ کو اسی مقصد کے لئے ضروری انجکشن لگا دیا ہے تاکہ بعد میں کوئی کمپلی کیشن نہ ہو۔"

"شکریہ ڈاکٹر۔"

میں ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرنے کے بعد منوالا کے ساتھ باہر آ گیا۔ وہ مجھ سے بار بار ضد کر رہی تھی کہ میں ہسپتال میں ہی رک کر آرام کروں لیکن میں نے اس کو باتوں میں ٹال دیا۔ اسے فلیٹ پر چھوڑ کر میں گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔ سفید موتی کی گمشدگی کا خیال مجھے رہ رہ کر پریشان کر رہا تھا۔ میں جوگیا سے بھی اس کے بارے میں دریافت نہیں کر سکا ـــــ لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ جوگیا کی ماورائی قوتوں نے اس کی حفاظت ضرور کی ہو گی۔ یہ بھی ممکن ہے وہ اسے حاصل بھی کر چکا ہو۔

میرے ذہن میں نریش چندر کا خیال بھی ابھر رہا تھا۔ جوگیا کی اطلاع کے مطابق وہ زخمی حالت میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ گھر چلا گیا تھا۔ یہ بھی اس کی حماقت تھی۔ اسے گھر کی بجائے سیدھا ہسپتال جانا چاہئے تھا جہاں اس کی ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا فوری طور پر موثر علاج ممکن ہوتا۔ نریش چندر کی باتوں سے ایک بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ رمیش گپتا سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اس کے برعکس انجلا میرے باپ کے قاتل کی پشت پناہی کر رہی تھی۔

میرے لاشعور میں پھر وہ کمرہ ابھرا جہاں میں نے رنجنی کی گردآلود تصویر دیوار پر لٹکی دیکھی تھی۔ وہیں ایک دوسرے کمرے میں، میں نے رمیش کی شیطانی قوتوں کا ہولناک مظاہرہ بھی دیکھا تھا، مجھے اس عورت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جسے جوانی کا روپ دینے کے بعد جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا۔ میں اس جگہ کے بارے میں غور کر رہا تھا جہاں وہ کمرے واقع تھے۔ نریش چندر نے کئی بار یہ جملہ دہرایا تھا کہ "اگر رمیش گپتا اور رنجنی زندہ ہیں تو پھر انجلا کو ان کی پناہ گاہ کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔۔۔۔"

وہ کمرے کس جگہ واقع تھے؟ نریش چندر کو اس جگہ کے بارے میں کس طرح شبہ ہوا؟ کیا انجلا واقعی اس جگہ سے واقف تھی؟ اگر نریش چندر کا شبہ درست تھا تو پھر یہ نکتہ وضاحت طلب تھا کہ انجلا کو کیا مجبوری لاحق تھی جو وہ رمیش گپتا کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟ کیا اس کی کوئی ایسی کمزوری تھی جسے نریش چندر سے چھپانے کی خاطر وہ رمیش کا ساتھ دینے پر مجبور ہوگئی تھی یا رمیش نے اسے بھی کسی گندے عمل کے ذریعہ اپنا غلام بنا رکھا تھا۔۔۔۔؟

گھر جاتے ہوئے ایک لمحے کو میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ گاڑی کا رخ نریش چندر کی رہائش گاہ کی سمت موڑ دوں۔ میرے لئے اس کی خیریت دریافت کرنی ضروری تھی۔ اس کے علاوہ بھی وہ میرے لئے کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔ اس جگہ کی نشاندہی کرسکتا تھا جہاں میرے باپ کا سنگدل قاتل چھپا بیٹھا تھا۔ لیکن اگر مجھے اس مقام کا علم ہو بھی جاتا تو میں تنہا رمیش کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ وہ شیطانی قوتوں کا مالک تھا، اپنے گندے علم کے زور پر وہ کئی انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگ چکا تھا۔ اگر قسمت جوگیا کو درمیان میں نہ لے آتی تو شاید وہ خبیث مجھے اور میری ماں کے علاوہ فاخرہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار چکا ہوتا۔

جوگیا نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس کے حصار کو نہیں توڑ سکا تو اس نے کانٹی نینٹل کے اس فلور کو آگ لگا دی جہاں میں اور نریش چندر موجود تھے۔ شاید وہ مجھے نریش چندر سے دور

رکھنا چاہتا تھا۔ جوگیا نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس وقت بھی کالی کے کسی پرانے مندر میں بیٹھا جوڑ توڑ لگا رہا تھا۔ میرے لئے تو یہ اندازہ مشکل نہیں تھا کہ رمیش صرف اور صرف مجھے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ اگر اس کا شکار نریش چندر ہوتا تو وہ اسے اب تک ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔

میں نے نریش چندر کی طرف جانے کا خیال ذہن سے نکال دیا۔۔۔۔ وہاں میری ایک اور دشمن انجلا کے روپ میں موجود تھی۔ اگر وہ رمیش کی آلہ کار تھی تو اب میرے حق میں کسی زخمی ناگن سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔۔۔۔ میں بری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ کہانی جو میرے روپ نگر جانے کے بعد سے شروع ہوئی تھی، طول پکڑتی جا رہی تھی۔ میرے والد کی موت کا معمہ حل ہو چکا تھا۔ نریش چندر نے مجھے جو کہانی سنائی تھی وہ غلط نہیں ہوسکتی تھی۔ میرا باپ اپنے ایک دوست کو بچانے کی خاطر اپنی جان گنوا بیٹھا۔۔۔۔ ضرغام بھی مفت میں مارا گیا۔۔۔۔ ساری گتھیاں ایک ایک کر کے سلجھ رہی تھیں۔ جو کہانی نریش چندر نے مجھے، رمیش اور رنجنی کے سلسلے میں سنائی تھی اس کا تھوڑا بہت علم میری ماں کو بھی ضرور ہوگا لیکن انہوں نے میری زندگی کی خاطر اپنی زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔ شوہر کے بعد وہ اولاد کو بھی نہیں کھونا چاہتی تھیں اسی لئے انہوں نے کبھی میرے سامنے زبان نہیں کھولی تھی۔

میری کیفیت اس وقت کسی ایسے شکاری جیسی تھی جو گھنے جنگلوں کے پیچ و خم میں الجھتا ہوا، گرتا پڑتا بالآخر اپنے شکار کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن اس کی رائفل میں کوئی ایسی گولی نہیں تھی جسے داغ کر وہ اپنے شکار کو موت کے گھاٹ اتار سکتا۔

میں گھر پہنچا تو ماں اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ میں سیدھا اپنی خوابگاہ میں گیا۔ بازار کے ریڈی میڈ کپڑے اتار کر میں نے گھر کا لباس پہنا۔ میرے اعصاب بری طرح شل ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر نے جو انجکشن لگایا تھا کچھ اس کا اثر بھی تھا جو میرے ذہن پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ لیکن لیٹنے سے پہلے میں نے کپڑوں کی الماری کھول کر وہ سگار بکس کھولا جو میں روپ نگر سے لایا تھا۔ مُردہ بچے کی زندہ آنکھ والا پیپر ویٹ جو میں نے بڑی احتیاط سے سرخ کاغذ میں لپیٹ کر رکھا تھا موجود نہیں تھا۔ البتہ وہ سفید موتی جو میرے خیال کے مطابق شعلوں کے درمیان سے چھلانگ لگاتے وقت کہیں گر گیا تھا سگار بکس میں موجود تھا۔ میرا

دماغ چکرا گیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ جوگیا کی ماورائی قوتیں میرے کام آ رہی ہیں لیکن یہ بات میری عقل میں نہیں آ رہی تھی کہ جوگیا نے ابھی تک رمیش گپتا کو ڈھیل کیوں دے رکھی تھی؟ اس نے یہی کہا تھا کہ رمیش گپتا کی گندی اور ناپاک قوتیں جب اس کے قائم کردہ منڈل کو نہیں توڑ سکیں تو رمیش نے جھلا کر اس فلور کو آگ لگا دی جہاں نریش چندر میرے ساتھ بیٹھا گزرے ہوئے حالات سے پردہ اٹھا رہا تھا۔ رمیش نے پرتاپ کو بھی اس وقت مارنے کی کوشش کی تھی جب وہ میرے آفس میں بیٹھا رمیش گپتا کی اصلیت کو بے نقاب کرنا چاہتا تھا لیکن جوگیا نے پرتاپ کو بھی بچا لیا تھا۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔ پھر کیا سبب تھا کہ وہ رمیش کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہونے کے باوجود اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے سے گریز کر رہا تھا۔۔۔۔؟؟

جوگیا نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ جب تک رمیش کی کھاٹ نہیں کھڑی ہو جاتی، رمیش چندر کی زندگی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ یہ بھی کہا تھا کہ اب رمیش کے برے دن قریب آ رہے ہیں۔ پھر جوگیا نے رمیش کی آنکھوں میں مچلتے ہوئے آتش فشاں کا ذکر کیا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں ماں سے کانٹی نینٹل میں پیش آنے والے حادثے کے بارے میں کوئی ذکر نہ کروں۔

میں سفید موتی کو دوبارہ احتیاط سے رکھنے کے بعد اپنے بستر پر آ گیا۔ میرے اوپر نیند کا شدید غلبہ طاری ہو رہا تھا جب فون کی گھنٹی نے مجھے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا۔ اتنی رات گئے کون فون کر سکتا تھا؟ میں نے ایک لمحے کو سوچا پھر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں انجلا بول رہی ہوں۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "میں نے کچھ دیر پہلے بھی فون کیا تھا لیکن تم شاید گھر پر نہیں تھے۔"

"م۔۔۔۔ میں۔۔۔۔" میں جواب دیتے دیتے رک گیا۔ میری چھٹی حس نے کسی خطرے کا احساس دلایا تو میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے بازار گیا ہوا تھا۔"

"تم اب اپنی آنٹی سے بھی جھوٹ بولو گے۔۔۔۔؟" اس بار انجلا کے لہجے میں ترشی بھی شامل تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔۔" میں نے بدستور تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"کیا تم یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ نریش کی کیا حالت ہے۔۔۔۔؟"

"کیا ہوا انکل کو۔۔۔۔؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اس کے الٹے ہاتھ اور کولہے کی ہڈی چٹخ گئی ہے۔" خشک اور سرد آواز میں کہا گیا۔ "میں اس سمے ہسپتال سے بول رہی ہوں۔ سرجنوں کا خیال ہے کہ نریش کو ریکور ہونے میں کافی سمے لگے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اب اسے چلنے پھرنے کے لئے الٹے ہاتھ کی بیساکھی کا سہارا لینا پڑے۔ یہ سب تمہاری کارن ہوا ہے۔" آخری جملہ زہر میں بجھے انداز میں کہا گیا۔

"یہ آپ کیا۔۔۔۔"

"زیادہ چتر اور چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔" انجلا نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "اگر تمہیں نریش سے اپنے بزنس کے سلسلے میں کسی سہائتا کی ضرورت تھی تو تم ہماری کوٹھی پر بھی آ سکتے تھے۔۔۔۔ کانٹی نینٹل جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کیا انکل نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔۔۔۔؟" میں نے اس بار سنبھل کر پوچھا۔ کانٹی نینٹل کے حوالے کے بعد میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"بہت کچھ بتا چکا ہے۔۔۔۔ جو نہیں بتا سکا وہ بعد میں بتا دے گا۔ لیکن تم۔۔۔۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم نے نریش کو وہاں کیوں ملنے کو کہا تھا؟"

"کانٹی نینٹل کا مشورہ میرا نہیں تھا۔۔۔۔ خود انکل نے وہاں ملنے کو کہا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن نریش نے تم کو کال نہیں کیا تھا۔" انجلا کا لہجہ خشک سے خشک تر ہو گیا۔ "تم نے اسے فون کیا تھا۔۔۔۔ کیا یہ بھی جھوٹ ہے؟"

میں اس کی بات سن کر چونکا۔ مجھے اس بات کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ نریش چندر کے ذاتی دفتر میں بھی انجلا کے کچھ خاص زرخرید ملازم ضرور ہوں گے جو اسے ایک ایک لمحے کی خبر دیتے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خفیہ ذرائع سے نریش چندر نے ڈائریکٹ فون پر کی جانے والی کالیں بھی ٹیپ کی جاتی ہوں۔

"میں انکار نہیں کروں گا۔" میں نے اس بار قدرے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "ایک کاروباری سلسلے میں مجھے انکل سے کچھ ضروری مشورہ لینا تھا۔"

"کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ کاروباری سلسلہ کیا تھا۔۔۔۔؟"

"میں ابھی تک آپ کی بات کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔" میں نے پھر بات گھمانے کی کوشش کی۔ "کیا انکل کانٹی نینٹل نہ جاتے تو وہ حادثہ ٹل جاتا جو......"

"دانش ــــ" دوسری طرف سے تیز لہجے میں میری بات کاٹ کر کہا گیا۔ "تم اس سمے نریش سے نہیں، انجلا سے بات کر رہے ہو ــــ انجلا جس نے جیون میں کبھی ہارنا نہیں سیکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ انکل کو جو حادثہ پیش آیا ہے اس نے آپ کے ذہن پر بہت گہرا اثر کیا ہے۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

"کیا تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے کہ تمہارے اور نریش کے درمیان کیا بات ہوئی تھی ــــ؟" انجلا کے لہجے کی تلخی اور بڑھ گئی۔

"سوری آنٹی ــــ" میں نے معذرت کر لی۔ "ہمارے درمیان جو کاروباری باتیں ہوئی تھیں وہ ٹاپ کانفیڈنشل (TOP CONFIDENTIAL) ہیں۔"

"ایک بار تمہارے پتا اور نریش کے بیچ بھی کچھ ٹاپ کانفیڈنشل بات چیت ہوئی تھی۔" انجلا کا جواب بڑا معنی خیز تھا۔ "میں نے تمہارے پتا سے بھی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی پرنتو وہ بھی مجھے ٹال گئے تھے ــــ انہیں بھی مجھ سے زیادہ نریش کا گٹھ جوڑ پیارا تھا ــــ جانتے ہو پھر کیا ہوا ــــ؟"

مجھے ایسا لگا جیسے میرے کانوں میں کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا ہو ــــ انجلا نے بڑے چبھتے ہوئے انداز میں مجھے موت کی دھمکی دی تھی۔ میرے تن بدن میں جیسے آگ بھڑک اٹھی ہو۔ لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا، ہونٹ کاٹنے لگا۔

"تم نے کوئی جواب نہیں دیا؟" سرد اور خشک لہجے میں پوچھا گیا۔

"آپ کھل کر بات کریں آنٹی ــــ" میں نے زہر کا گھونٹ پیتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں؟ ــــ انکل کو پیش آنے والے حادثے سے آپ کو میرے والد کی موت کا خیال کیسے آ گیا ــــ؟ ان دونوں باتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ میں سمجھ نہیں سکا۔"

"بہت گہرا سمبندھ ہے پرنتو تم ابھی نہیں سمجھ سکو گے ــــ" اس بار بھی تلخی سے کہا گیا۔

"آپ اور انکل کس ہسپتال میں ہیں ــــ؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلنے کی خاطر دریافت کیا۔

"میری ایک بات پورے دھیان سے کان کھول کر سن لو دانش پتر ــــ اگر تمہیں اپنا جیون پیارا ہے تو دوبارہ کبھی بھول کر بھی نریش کے قریب آنے کی غلطی مت کرنا ــــ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"کیا آپ نے اس وقت یہی پیغام دینے کی خاطر مجھے فون کرنے کی زحمت گوارا کی تھی؟" میں نے جھلا کر پوچھا۔ میری پیشانی شکن آلود ہونے لگی۔

"آج کے بعد تم نریش سے کسی قسم کا کوئی سمبندھ نہیں رکھو گے ــــ سن رہے ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟"

میں نے پلٹ کر کوئی تلخ جواب دینا چاہا لیکن دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ میرے ذہن میں گرم آندھی کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ میں اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں ٹہلنے لگا ــــ بلی تھیلے سے باہر آ چکی تھی۔ انجلا نے جس لب و لہجے میں گفتگو کی تھی اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رمیش گپتا کے بارے میں مجھ سے اور نریش چندر سے زیادہ معلومات رکھتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ انجلا نے وہ کال رمیش کے اکسانے پر کی ہو۔ وہ مجھ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہو کہ میرے اور نریش چندر کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ میرے انکار پر وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ اس نے بڑے کھلے انداز میں مجھے نریش چندر سے دور رہنے کی تاکید کی تھی۔ اس کے لب و لہجے میں جو غرور، گھمنڈ اور تکبر تھا اس کی پشت پر رمیش گپتا کی گندی قوتوں کا دخل بھی ضرور رہا ہو گا۔

انجلا کی گفتگو میرے لئے ایک کھلا چیلنج تھی۔ ابھی تک اس نے جو کچھ کیا تھا وہ در پردہ کیا تھا لیکن اب وہ کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اس کا اندازِ گفتگو بہت سی باتوں کی نشاندہی کر چکا تھا، کئی معمے حل ہو گئے تھے، بہت سارے پردے درمیان سے سرک گئے ــــ اب کوئی شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اندر ہی اندر رمیش گپتا سے ملی ہوئی تھی۔ مجبوری خواہ کچھ بھی رہی ہو لیکن وہ اسی کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ پرتاپ نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ نریش چندر سے زیادہ پنڈت پجاریوں کی بھگتی کرتی ہے۔ اس کی کوئی دکھتی ہوئی رگ پوری طرح رمیش کے ہاتھ آ گئی تھی جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر رہا تھا۔ انجلا اس کے

ہر حکم کی تعمیل کے لئے مجبور ہو گئی ہو گی۔ کبھی کبھی ایک معمولی سی بھول بھی انسان کی زندگی کا روگ بن جاتی ہے۔ جلدی میں اٹھایا ہوا ایک غلط قدم انسان کو بلندیوں سے پستیوں کی طرف گرا دیتا ہے۔ انجلا کے ساتھ بھی یقیناً کوئی ایسا ہی حادثہ ضرور پیش آیا ہو گا جو وہ رمیش کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ لیکن مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میرے سینے کے اندر تو صرف اپنے والد کے قاتلوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس آگ پر انجلا کی باتوں نے پٹرول چھڑک دیا تھا۔ اس نے بہت واضح الفاظ میں یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ میرے مرحوم باپ نے بھی اس کی کسی بات کا جواب نہ دے کر خود کو خطروں میں ڈال لیا تھا۔ وہی خطرے بعد میں ان کے لئے موت کا سبب بن گئے۔ ممکن تھا کہ میرے والد کی پراسرار موت میں بھی انجلا کی خواہش کو دخل رہا ہو ــــ اب اسی خطرناک ناگن نے مجھے بھی ڈس لینے کی دھمکی دی تھی۔ اس کی پشت پر سوائے رمیش گپتا کے کسی اور کا ہاتھ نہیں ہو سکتا تھا۔

میں تا دیر کانٹوں پر لوٹتا رہا۔ کل تک جو عورت میرے لئے قابل احترام تھی، آج میری نظروں سے گر چکی تھی۔ وہ میرے لئے کسی زخمی اور زہریلی ناگن سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ جو گیا درمیان میں نہ ہوتا تو شاید اب تک وہ میرا کریا کرم بھی کرا چکی ہوتی۔ دراز قد پجاری نے بھی بچے کی آنکھ والا پیپر ویٹ طلب کرتے وقت یہی کہا تھا کہ ''سانپ تو کب کا مر چکا، اب صرف سنپولیے کی دوسری آنکھ باقی رہ گئی ہے۔''

''سانپ'' کا اشارہ میرے ذہن میں ابھرا تو مجھے وہ خواب یاد آ گیا جب بچے کی روح مجھے کسی زمین دوز تہہ خانے میں لے گئی تھی جہاں رنجنی کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ وہ پجاری جو اس پر ظلم ڈھا رہے تھے یقیناً ان کا تعلق رمیش گپتا سے تھا۔ وہ اس مظلوم عورت سے کسی ایسے شخص کا نام دریافت کر رہے تھے جس نے اس کی زندگی میں زہر گھول دیا تھا، دھرم کی بجائے پاپ کا راستہ دکھایا تھا۔ عورت جس کو بچے کی بھٹکتی ہوئی روح نے اپنی ماں تسلیم کیا تھا رنجنی کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔ اس نے بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں بھی دروغ گوئی کا سہارا لے کر زندگی بچانے کی کوشش نہیں کی ــــ دراز قد پجاری کے سوال کے جواب میں بڑی حقارت سے کہا تھا ــــ ''جس نے میرے ساتھ زور زبردستی سے اپنا منہ کالا کیا وہ کوئی اور نہیں بلکہ تیرا متر تھا۔ میں تمہیں پہلے بھی اس کمینے کا نام بتا چکی

ہوں ــــ'' رنجنی کے جواب پر دراز قد پجاری آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے تیل چھڑک کر رنجنی کے جسم کو آگ لگا دی۔ میں رنجنی کو بچانے کے لئے لپکا تو بچے کی روح نے مجھے روکنے کی کوشش کی ــــ کرب میں ڈوبی ہوئی بچے کی آواز سن کر دراز قد پجاری اور اس کا ساتھی دونوں اس طرح چونک کر اچھلے تھے جیسے انہیں کوئی ایسی نایاب شے مل گئی ہو جس کی انہیں برسوں سے تلاش تھی۔ وہ دونوں خونخوار درندوں کی طرح میری جانب لپکے تھے لیکن اسی وقت بچے کی استخوانی انگلیوں نے میری کلائی اپنی گرفت سے آزاد کر دی۔ اس وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ میں نے خود کو فضا میں گردش کرتے محسوس کیا ــــ میرے حلق سے بچاؤ ــــ بچاؤ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میری آنکھ کھلی تو میں اپنی خواب گاہ میں تھا۔ میری ماں میرے بستر پر بیٹھی مجھے آواز دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں کوئی خواب دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ میں نے ماں کو خوبصورتی سے تھکن کا بہانہ کر کے ٹال دیا تھا لیکن انجلا کی گفتگو کے بعد اب میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ نیند کا غلبہ جو کچھ دیر پیشتر بڑی شدت سے طاری ہو رہا تھا، کافور ہو چکا تھا ــــ ڈور کی ایک آخری گرہ بھی اپنے بل کھول رہی تھی۔ رمیش گپتا کے خلاف میرے دل و دماغ میں نفرتوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میرے وجود کے پُر ہول سناٹے میں خود میری ہی سوچیں صدائے بازگشت بن کر چکرا رہی تھیں۔

اس رات میں نے جو خواب دیکھا وہ خواب نہیں ــــ حقیقت کا ایک تلخ اور گھناؤنا روپ تھا۔ وہ دونوں پجاری رمیش گپتا کے چیلے تھے جو رنجنی سے اس بچے کے باپ کا نام پوچھ رہے تھے جو اس کی زندگی میں گناہ کا بیج بونے کے بعد کہیں غائب ہو گیا تھا۔ رنجنی نے ان حرام زادوں کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے جواب میں یہی کہا تھا کہ اس کی زندگی برباد کرنے والا ان دونوں کا اپنا دوست تھا، کوئی اور نہیں تھا۔ رنجنی کا اشارہ یقیناً رمیش گپتا کی طرف تھا جس نے اپنے گناہ کو کسی اور کے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔ رنجنی کو شاید اسی جرم کی سزا بھگتنی پڑ رہی تھی کہ اس نے رمیش گپتا کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کسی بے گناہ کو مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے اذیت ناک حالات سے دوچار ہونے کے باوجود سچ بول رہی تھی۔

میری سوچوں کی بازگشت طوفانی شکل اختیار کرنے لگی۔ میری رگوں میں لہو کی بجائے

بھڑکتی آگ کے خطرناک شعلے لپکنے لگے۔ میرے اندر انتقام کے جذبوں نے اس آدم خور کو بیدار کر دیا جو برسوں سے اپنے شکار کی تلاش میں تھا۔ میری سوچوں کے دائرے وسیع ہونے لگے۔

رمیش گپتا کو شاید اپنے گندے معاملات میں میرے والد کی دخل اندازی پسند نہیں ہو گی۔ وہ میرے باپ کو اپنے راستے کا سب سے خطرناک کانٹا سمجھ رہا ہو گا اسی لئے اس حرام کے تخم نے رنجنی کے ساتھ گناہ کا جو کھیل کھیلا تھا اس کا سارا الزام میرے باپ کے سر تھوپ کر خود کو انجلا کی نظروں میں معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ وہ خون آشام درندہ نریش چندر کے کاروبار میں شریک ہو جانے کے بعد اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ انجلا کی کوئی کمزوری بھی اس کے ہاتھ آ گئی ہو گی۔ ممکن تھا کہ اس نے رنجنی کے ساتھ ساتھ انجلا سے بھی تعلقات پیدا کر لئے ہوں۔ وہ شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔ سفلی جیسے گندے علم کا ماہر تھا تو پھر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے میرے والد کو درمیان سے ہٹانے کی کوشش کی ہو گی لیکن جب اسے یقین ہو گیا ہو گا کہ میرے والد نریش چندر کی دوستی سے دستبردار نہیں ہوں گے تو اس نے پہلے ضرغام کو اپنی ناپاک قوتوں کا نشانہ بنا کر وارننگ دی ہو گی ـــــ پھر اس نے سفلی کے سب سے خطرناک عمل سے کام لیا ہو گا۔ کچے سوت کے دھاگے پر کوئی ایسا جیو دھاری (جان لینے والا) عمل کر کے سوتے میں میرے والد کے جسم پر ڈال دیا ہو گا جو ان کے جسم کا سارا خون پی گیا۔ قانون کے محافظ بغیر ثبوت کے کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد قتل عمد کی کیس فائل کو بھی سرد خانے میں ڈال دیا تھا ـــــ اور اب انجلا مجھے بھی میرے باپ کے حوالے سے کھل کر یہ احساس دلانا چاہ رہی تھی کہ اگر میں نے نریش چندر سے تعلقات ختم نہ کئے تو میرا انجام بھی میرے والد سے مختلف نہ ہو گا۔

وہ رات میری زندگی کی سب سے پریشان کن رات تھی۔ میرے باپ کے پراسرار قتل کے معمے کے سارے اشارے ایک ایک کر کے حل ہو چکے تھے۔ میرے مطلوبہ افراد میری نظروں کے سامنے تھے لیکن میں بے بسی کا شکار تھا۔ شیطانی قوتوں سے جنگ کرنا میرے اختیار میں نہیں تھا۔ میں انجلا کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن رمیش گپتا کہاں چھپا بیٹھا

تھا؟ مجھے اس کا کوئی علم نہیں تھا۔ اصل قاتل وہی تھا۔ اس تک پہنچنے کی خاطر مجھے نریش چندر کی ضرورت تھی اس لئے کہ وہ میرے خواب والی کہانی سن کر اس جگہ تک پہنچ گیا تھا جہاں ایک کمرے میں، میں نے رنجنی اور رمیش گپتا کی گرد آلود تصویر دیکھی تھی اور دوسرے کمرے میں رمیش کی شیطانی قوتوں کا ایک ناقابل یقین منظر بھی دیکھ چکا تھا۔

میں نے اپنے اندر بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو خود تھپک تھپک کر دبانے کی کوشش کی۔ میرے جوش اور جلد بازی کا نتیجہ منفی بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ رمیش کو اگر میرے ارادوں کی بھنک مل جاتی، اسے اگر شبہ بھی ہو جاتا کہ میں اس کی کمین گاہ تک پہنچنے کی خاطر نریش چندر یا انجلا کو استعمال کروں گا تو وہ ان دونوں کو بھی اپنی طاغوتی قوتوں سے موت کے گھاٹ اتار کر میرے سارے راستے بند کر دیتا۔ میرے لئے جوگیا سے مشورہ کرنا بھی ضروری تھا۔ میں نے تھک ہار کر خود کو دوبارہ بستر پر گرا دیا۔

دوسری صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ رات کو ذہن میں اجاگر ہونے والی باتوں کا بوجھ ابھی تک میرے دل و دماغ پر موجود تھا، ناشتے کی میز پر مجھے خاموش دیکھ کر ماں نے پوچھا۔

''رات تمہاری واپسی کس وقت ہوئی تھی؟''

''آپ کو فون کرنے کے کوئی دو گھنٹے بعد۔'' میں نے محتاط انداز میں جواب دیا۔ ''میں واپس آیا تو آپ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔''

''کل بیگم نفیس بھی تمہیں بار بار پوچھ رہی تھیں۔''

''کیا وہ آئی تھیں؟''

''ہاں ـــــ''

''فاخر کی طبیعت اب کیسی ہے ـــــ؟''

''خدا کا شکر ہے کہ وہ اب ٹھیک ہے۔'' ماں نے سنجیدگی سے کہا پھر تھوڑے توقف سے بولیں۔ ''دانش ـــــ تم نے مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جس نے تم سے فون پر کچھ رقم کا مطالبہ کیا تھا ـــــ؟''

''ابھی تک اس نے دوبارہ فون نہیں کیا۔'' میں نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ تم کوئی بات مجھ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو ـــــ؟'' ماں نے

مجھے ٹٹولتی نظروں سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر تفکرات کے بادل منڈلا رہے تھے۔

''آپ نے اس بات کا اندازہ کس طرح لگا لیا؟''

''کل رات میں تمہاری طرف سے خاصی پریشان تھی۔''

''کیوں ـــ؟'' میں نے مختصراً سوال کیا۔

''جب سے تم نے اپنے والد کے دوسرے کاروبار کا ذکر کیا ہے، ایک خلش سی ہے جو مجھے اندر ہی اندر بے چین کیے رہتی ہے۔''

''پلیز امی جان ـــ'' میں نے پیار سے انہیں ٹالنے کی کوشش کی۔ ''جب والد صاحب کے کسی دوسرے کاروبار کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا تو پھر پریشانی کی کیا ضرورت ہے؟ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض کر دوں کہ انکل نریش چندر نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ فون کرنے والا کوئی فراڈیا ہوگا۔''

''تم ـــ نریش چندر سے کب ملے تھے ـــ؟'' ماں نے مجھے چونک کر دیکھا۔

''فون پر بات ہوئی تھی ـــ'' میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ لیکن ماں کے چونکنے کا انداز مجھے مضطرب کر رہا تھا۔

''میرا ایک مشورہ مانو گے؟'' ماں نے نچلا ہونٹ چباتے ہوئے مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھا پھر خلاء میں گھورتے ہوئے بولیں۔ ''تم نریش چندر جی سے دور ہی رہا کرو۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' میں نے دبی زبان میں وضاحت چاہی۔

''وہ ایک اچھے اور پُرخلوص انسان ہیں۔ تمہارے والد اور ان کے درمیان دوستوں سے زیادہ بھائیوں جیسی قربت تھی لیکن ـــ''

''لیکن کیا ـــ؟'' میں نے ماں کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کسمسا کر پوچھا۔

''کچھ درمیانی لوگ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کوئی تعلق رکھیں۔''

''کون تھے وہ لوگ ـــ؟'' میری بے چینی بڑھنے لگی۔

''ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے کہ انجلا بھی تمہارے والد اور نریش چندر جی کے میل ملاپ کو پسند نہیں کرتی تھی۔''

''لیکن اس کی بھی کوئی وجہ ـــ''

''میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتی۔'' ماں نے میرا جملہ کاٹ کر تیزی سے کہا۔ ''صرف

اتنا جان لو کہ انجلا پنڈت پجاریوں کے زیر اثر رہتی ہے اور پنڈت پجاری یہ نہیں چاہتے کہ دو تہذیبوں کے نمائندے آپس میں مل جل کر رہیں۔''

''میرا اندازہ اگر غلط نہیں تو شاید آپ بھی کوئی بات مجھے کھل کر نہیں بتانا چاہتیں۔'' میں نے پہلو بدل کر کہا۔

''ہاں ـــ'' ماں نے ہاتھ ملتے ہوئے جذباتی لہجہ استعمال کیا۔ ''میں جس اندوہناک حادثے سے دوچار ہو چکی ہوں اس نے مجھے نچوڑ کر رکھ دیا ہے، اب صرف تم میری خوشیوں کا واحد مرکز ہو ـــ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی ایسے راستے پر چلو جس پر کسی خطرے یا خدشے کی ایک معمولی سی بھی گنجائش ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے نریش انکل دل کے بہت سادہ، سچے اور بھلے آدمی ہیں لیکن انجلا اپنے دھرم کرم کے معاملے میں بڑی کٹر واقع ہوئی ہے اور میں ـــ میں نہیں چاہتی کہ تم بلاوجہ کسی کی ناراضگی مول لو۔''

''ٹھیک ہے ـــ'' میں نے ماں کی دلجوئی کی خاطر ہتھیار ڈال دیئے۔ ''اگر آپ کا مشورہ ہے تو میں آئندہ محتاط رہوں گا۔''

''خدا تمہیں خوش رکھے ـــ'' ماں کی آنکھوں میں ممتا کی نمی جاگ اٹھی۔ پھر انہوں نے میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ انہوں نے ایک بار پھر اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں شادی کے بعد فاخرہ کو ساتھ لے کر دو تین مہینے کے لئے کہیں باہر چلا جاؤں۔

میں ماں کی خوشی کی خاطر ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا لیکن مجھے معلوم تھا کہ ماں کو میری ایک دن کی جدائی بھی منظور نہیں تھی ـــ پھر وہ کیا بات تھی جو مجھے نہیں بتائی جا رہی تھی؟ ایسا کیا خطرہ تھا جو تین مہینے کے بعد ٹل جاتا؟

میرے ذہن میں انجلا کا تصور جاگ اٹھا۔ گزشتہ رات اس نے جس انداز میں مجھ سے گفتگو کی تھی وہ ماں کی بات کی تصدیق کے لئے بہت کافی تھا۔ اس نے بھی کھل کر مجھے یہی وارننگ دی تھی کہ اگر میں نے نریش چندر سے تعلقات ختم نہ کئے اور دوبارہ ان سے ملنے کی کوشش کی تو میرے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ اور اب ماں بھی مجھے نریش چندر سے دور رہنے کا مشورہ دے رہی تھی ـــ!

عام حالات میں شاید اس روز میں دفتر نہ جاتا لیکن نریش چندر اب میرے لئے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ ماں کے علاوہ اس نے بھی بڑے یقین سے یہی کہا تھا کہ میرے

والد کا کوئی دوسرا کاروبار نہیں تھا۔ جوگیا نے دوسرے کاروبار کا جو حوالہ دیا تھا وہ بھی شاید اشارتاً تھا، غالباً اس کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ میرے والد اور ضرغام کو رمیش گپتا اور رنجنی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے تھی خاص طور پر ایسے حالات میں کہ جب انجلا سگی بہن ہونے کے باوجود رمیش گپتا کے خلاف زبان کھولنے سے مجبور تھی۔ جوگیا نے مجھے خوبصورت انداز میں ایک بات سمجھانے کی خاطر "دوسرے کاروبار" کی اصطلاح محض کنایتہً استعمال کی ہوگی میں جس کا غلط مطلب سمجھ بیٹھا تھا ـــــ لیکن میری یہ غلطی میرے حق میں کارگر ثابت ہوئی۔ اسی غلطی کی بنیاد پر میرے لئے وہ "ماسٹر کی" (MASTER KEY) ثابت ہوئی جس سے میرے والد کی پراسرار موت کے سارے چور دروازے یکے بعد دیگرے کھلتے چلے گئے۔ اس معمے کا ہر اشارہ واضح ہوگیا جس نے میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی مچا رکھی تھی۔

انجلا کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد اب میری نریش چندر سے ایک آخری ملاقات بہت ضروری ہوگئی تھی۔ جوگیا نے بھی یہی کہا تھا کہ میری خواب والی کہانی سننے کے بعد نریش چندر کے ذہن میں وہ مخصوص کمین گاہ روشن ہوگئی تھی جہاں میرا دشمن رمیش گپتا چھپا بیٹھا تھا۔ جوگیا نے اور میں نے کانٹی نینٹل کے اس کمرے کو حصار میں لینے کے بعد رمیش گپتا کے خطرناک فلیتے کو چنگاری دکھا دی تھی۔ اس کے علاوہ انجلا کو بھی اس بات کی تشویش ضرور لاحق ہوگی کہ میرے اور نریش چندر کے درمیان ہوٹل کے کمرے میں کیا بات چیت ہوئی تھی؟ سابقہ تجربوں کی روشنی میں شاید وہ دونوں میری طرف سے چوکنا رہنے میں حق بجانب تھے۔ رمیش گپتا تو میری زندگی کو موت سے ہمکنار کرنے کی خاطر جان لیوا حملے بھی کر چکا تھا۔ پہلے شاید اس نے مجھے قابل توجہ نہیں سمجھا تھا لیکن جوگیا کی طاقت کے درمیان میں آجانے کے بعد وہ میری جان کا دشمن بن چکا تھا۔ ان حالات میں میری اور نریش چندر کی ملاقات نے ان دونوں کے پیٹ میں کھلبلی مچا دی ہوگی۔ انجلا نے کھل کر فون کے ذریعے اپنی دشمنی کا اعلان کر دیا تھا۔ رمیش گپتا چونکہ گھاگ اور کمینہ خصلت تھا اس لئے وہ کہیں نہ کہیں گھات لگائے چھپا بیٹھا ہوگا۔ وہ سفلی جیسے گندے علم کا ماہر تھا۔ اپنے کسی ناپاک عمل کے ذریعہ وہ نریش چندر کو زبان کھولنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔ بات کھل کر اس کے علم میں آجاتی تو وہ نریش چندر کو بھی پہلی فرصت میں "شمشان گھاٹ" کا راستہ دکھانے

سے باز نہ آتا۔ نریش چندر کا کریا کرم ہو جاتا تو میں اس جگہ کو تلاش کرنے میں نہ جانے کب تک اندھیروں میں بھٹکتا رہتا جہاں وہ چھپا بیٹھا تھا ـــــ جوگیا ہرچند کہ میری پشت پناہی کر رہا تھا لیکن اس کی مصلحتیں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ جو بات میری سمجھ میں روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی وہ جوگیا کی نظروں سے بھی مخفی نہیں رہی ہوگی۔ پھر وہ خاموش کیوں تھا ـــــ؟ رمیش گپتا کو بار بار ڈھیل کیوں دے رہا تھا ـــــ؟ کیا اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ نریش چندر کی ایک ایک سانس انجلا اور رمیش گپتا دونوں کے لئے تشویش کا سبب ثابت ہو رہی تھی؟ ـــــ کیا جوگیا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ رمیش چوروں کی طرح دنیا کی نظروں سے چھپا کہاں بیٹھا ہے؟ اگر وہ رمیش گپتا کی ناپاک قوتوں سے خوفزدہ تھا تو کیا وہ انجلا کی زبان کھلوانے سے بھی قاصر تھا ـــــ؟

میں تیار ہو کر دفتر پہنچا تو منوالا نے مجھے بتایا کہ امیت مہتا کا فون کئی بار آ چکا ہے۔ مجھے اس خبر پر تعجب ہوا۔ میں نے جن حالات کے پیش نظر امیت مہتا کو اپنی ملازمت سے فارغ کیا تھا اس کا افسوس منوالا کو بھی تھا، خود میں بھی امیت مہتا کی دفتری کارکردگی کا مداح تھا۔

"کیا مہتا نے فون کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی؟" میں نے دریافت کیا۔

"میں نے پوچھا تھا لیکن اس نے ہر بار یہی جواب دیا کہ اسے آپ سے کچھ ذاتی بات کرنی ہے۔" منوالا نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اسے کوئی پریشانی لاحق ہوگی۔"

"کس قسم کی پریشانی ـــــ؟"

"اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے۔"

منوالا سے بات کرنے کے بعد میں نے انٹرکام بند کر دیا۔ میں امیت مہتا کے اس خلافِ توقع آنے والے فون کے بارے میں غور کر ہی رہا تھا کہ فون کا بزر جاگ اٹھا۔

"یس ـــــ" میں نے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا۔

"امیت مہتا کی کال ہے ـــــ" منوالا کی آواز ابھری، پھر اس نے لائن ملا دی۔

"میں امیت بول رہا ہوں سر ـــــ" دوسری جانب سے مہتا کی آواز سنائی دی۔ "کیا آپ کو علم ہے کہ مسٹر نریش چندر کل رات سے ہسپتال میں داخل ہیں؟"

"نہیں ـــــ" میں نے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کی۔ "کیا ہوا انہیں ـــــ؟"

"کل رات وہ کانٹی نینٹل میں اپنے مخصوص کمرے میں تھے جب وہاں آگ لگ گئی

تھی۔'' مہتا نے وہی کچھ بیان کیا جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اور جو کچھ گزشتہ رات انجلا نے فون پر بتایا تھا۔

''تمہیں اس حادثے کی اطلاع کس طرح ہوئی ۔۔۔۔؟'' میں نے محتاط انداز میں بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں اسی ہسپتال میں اپنے ایک متر کو دیکھنے گیا تھا جب انجلا دیوی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ حادثے کی خبر مجھے انہی سے ملی تھی۔''

''کیا تم نے صرف یہی بتانے کی خاطر فون کیا ہے؟''

''ایک کارن اور بھی ہے سر۔'' جواب میں بڑے مہذب انداز میں کہا گیا۔ ''میں نے نریش چندر جی سے ملنے کی کوشش کی تھی پرنتو ان کی حالت ابھی اس قابل نہیں ہے کہ سب سے مل سکیں۔ ان کے کمرے کے باہر نو وزیٹرس (NO VISITORS) کی تختی بھی لگی تھی۔'' مہتا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''سر ۔۔۔۔ اگر میں گپتا نریش اینڈ سنز میں سروس کرلوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا ۔۔۔۔؟''

''کیا مطلب ۔۔۔؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''تمہیں میری اجازت کی کیا ضرورت پیش آگئی؟''

''انجلا دیوی نے کیول یہی شرط رکھی ہے ۔۔۔۔'' مہتا نے جواب دیا۔ ''مجھے سروس کی آفر بھی انجلا دیوی نے کی تھی۔ پھر یہ شرط بھی لگادی کہ آپ اگر مجھے نو آبجکشن سرٹیفکیٹ دے دیں تو وہ مجھے ملازمت دے دیں گی۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تم کل کسی وقت بھی آ کر این۔او۔سی لے جانا۔''

مجھے امیت مہتا کی بات اور انجلا کی لگائی ہوئی شرط پر تعجب ہوا ۔۔۔۔ میں نے سرسری جواب دے کر فون بند کرنا چاہا جب امیت مہتا نے قدرے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ نریش چندر کے فارم ہاؤس کے عقب میں واقع گودام کے انڈر گراؤنڈ حصے میں چھپا بیٹھا ہے۔''

''کیا ۔۔۔؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔ ''تم کس کی بات کررہے ہو ۔۔۔۔؟''

''اسی چنڈال کی جس کی تمہیں تلاش ہے ۔۔۔۔ جو تمہارے نزدیک پتا کبیر احمد کا قاتل

ہے۔''

''تم .....''

''ناگ بچھو ۔۔۔۔'' دوسری جانب سے جوگیا کا مخصوص کوڈ استعمال کرکے کہا گیا۔ ''وہ پاپی پوری طرح جاگ رہا ہے۔ میرے پاس کیول امیت مہتا کے کوئی اور ایسا بندہ نہیں تھا جسے نریش تک بھیج سکتا۔''

''مگر مہتا نے کہا ہے کہ وہ نریش سے نہیں مل سکا تھا ۔۔۔۔؟'' میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

''جو، جوگیا کہہ رہا ہے کیول اس پر وشواس کرو۔ میں نے پہلے بھی یہ بات تمہاری بدھی میں بٹھانے کی کوشش کی تھی کہ جوگیا کی زبان سے نکلا ہوا کوئی شبد، کوئی بات کبھی جھوٹ نہیں ہوتی۔'' قدرے ترش لہجے میں کہا گیا۔ ''امیت مہتا کے علاوہ یہ بات خود نریش چندر کو بھی یاد نہیں رہی ہوگی کہ وہ کب ایک دوسرے سے ملے اور ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی ۔۔۔۔''

''کیا اب میں اپنے مرحوم باپ کے قاتل سے بدلہ لے سکتا ہوں؟'' میں نے اس بار بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔ میری رگوں میں دوڑتے لہو کی گردش تیز ہونے لگی۔ رمیش گپتا کی کمین گاہ کا پتہ معلوم ہوجانے کے بعد میرے دل میں سلگتی انتقام کی چنگاریاں شعلوں کا روپ اختیار کرنے لگیں۔ جوگیا نے پہلی بار کھل کر اقرار کیا تھا کہ رمیش ہی میرے والد کا قاتل تھا۔ تمام گتھیاں سلجھ چکی تھیں تو پھر اب دیر کس بات کی تھی ۔۔۔۔؟؟

''جوگیا پہلے بھی تمہارے ساتھ تھا، اب بھی تمہارے ساتھ ہے پرنتو ایک بات میری بھی سن لو تو بہتر ہوگا۔'' اس بار جوگیا نے تھوڑے توقف کے بعد بڑے سلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا اب پھر ڈور کا کوئی سرا الجھ گیا ہے؟'' میں نے تلملا کر پوچھا۔

''نہیں ۔۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جوگیا کی نظروں نے اسی روز تمام معاملات کو کھنگال لیا تھا جب رمیش نے تمہارے باپ کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مجھے ایک ایک پل کی خبر تھی کہ کون کیا کررہا ہے؟ کون کیا چال چل رہا ہے؟''

''اور تم جان بوجھ کر ڈھیل دیتے رہے؟'' میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی۔

''دھیرج سے کام لو بالک ــــــ'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''بھاگ میں جو لکھ دیا گیا وہ اوش پورا ہوتا ہے۔ اوپر والے کی مرضی کے آگے منش کی شکتی کسی کام نہیں آتی، جو من مانی کرتے ہیں انہیں اس کی کٹھن سزا بھی بھوگنی پڑتی ہے۔''

''تم مجھ سے کیا بات منوانا چاہتے ہو ــــــ؟'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے جذباتی انداز میں پوچھا۔

''تم نے ابھی تک جوگیا سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ تمہاری سہائتا کیوں کر رہا تھا؟'' اس نے میری بات کو نظر انداز کر کے سوال کیا، پھر ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میں درمیان میں نہ آجاتا تو تمہارا کھیل اسی سمے پلٹ جاتا جب تم نے روپ نگر میں ضرغام کی آتما سے بات کی تھی، رمیش اگر ضرغام کی زبان بند کر سکتا تھا تو تمہیں بھی اپنے راستے سے ہٹا سکتا تھا۔ ساری بھاگ دوڑ، ساری اچھل کود اسی پل ختم ہو جاتی۔''

''تم ــــــ مجھے کیا باور کرانا چاہتے ہو ــــــ؟'' میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے دریافت کیا۔

''کیول ایک بات گرہ میں باندھ لو، تمہاری ساری اتھل پتھل ختم ہو جائے گی۔'' اس نے سپاٹ مگر ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ ''تمہارے من میں جو اگنی سلگ رہی ہے میں اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید میرے اندر بھی جوالا مکھی ابل رہی ہوتی۔ لیکن منش اندھا ہوتا ہے۔ آنکھ ہوتے ہوئے بھی وہ راستوں کی اونچ نیچ کا کارن نہیں سمجھتا۔ اپنی من مانی کرتا رہتا ہے۔ اپنی شکتی پر اتنا مان کر لیتا ہے کہ پھر کوئی شکتی اس کے دھیان میں جگہ نہیں بنا سکتی۔ وہ آکاش پر اڑتا رہتا ہے پر یہ نہیں سوچتا کہ آکاش پر کون بلوان براجمان ہے۔ دھن دولت اور شکتی کا نشہ اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ بھٹک کر اپنی منزل سے اتنی دور نکل جاتا ہے کہ اسے واپسی کا راستہ نہیں ملتا۔''

''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو ــــــ؟'' میں نے جھلا کر کہا۔ ''موت برحق ہے، ایک مسلمان ہونے کے ناتے میرا بھی یہی عقیدہ ہے لیکن تم ــــــ تم شاید یہ نہیں جانتے کہ جب تک میں اپنے باپ کے قاتل کو موت کے گھاٹ نہ اتار لوں گا میرے دل و دماغ کو سکون نہیں ملے گا۔''

''یہی تمہاری بھول ہے۔'' جوگیا نے تیزی سے جواب دیا۔ ''جب تک اس کی مرضی نہ

ہو جو آکاش پر بیٹھا ساری دھرتی کے کیڑے مکوڑوں کو بھی دانہ پانی ڈال رہا ہے، کوئی منش، کوئی بلوان کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تمہاری پوتر پستکوں میں بھی یہ سب کچھ لکھا ہے ــــــ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''

''کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ یہ تم شاید مجھ سے بہتر جانتے ہو۔'' میں نے ہاتھ ملتے ہوئے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ ''تم درمیان میں نہ آتے تو شاید رمیش گپتا کی کالی طاقتیں مجھے بھی اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو جاتیں۔ ہو سکتا تھا کہ میرے بعد وہ میری ماں کو بھی ٹھکانے لگا دیتا۔ میرے خاندان کے بچے کھچے سارے افراد کو ایک ایک کر کے اپنی ناپاک خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیتا ــــــ لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میں روپ نگر صرف تفریح کرنے نہیں گیا تھا، میرا فرض مجھے گھسیٹ کر وہاں لے گیا تھا۔ مشیت ایزدی نہ ہوتی تو ضرغام کی بھٹکتی ہوئی روح میرے سامنے نہ آتی، میں اندھیرے میں ہی بھٹکتا رہتا، تھک ہار کر روپ نگر سے بے نیل و مرام واپس آجاتا مگر اس کے بعد بھی میری کوششیں جاری رہتیں ــــــ قسمت کو منظور نہ ہوتا تو اور بات تھی لیکن جب بھی، جہاں بھی میرا دشمن میرے سامنے آتا تو میں اس کے خون سے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔''

''یہ تم نہیں بالک ــــــ تمہارے اندر کھولتا ہوا خون بول رہا ہے۔'' جوگیا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''جوانی دیوانی ہوتی ہے ــــــ تمہارے باپ سے بھی جوانی میں ایک بھول ہو گئی تھی جس کی سزا اسے بھوگنی پڑی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ منش کو اس کے کیے کی سزا اوش بھوگنی پڑتی ہے۔''

''میرے والد سے ایسی کیا بھول ہوئی تھی جس کی سزا اسے بھگتنی پڑی؟'' میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے سوال کیا۔ ''مجھے بتاؤ گے جوگیا؟ میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ وہ کیا بھول تھی جس کی سزا اتنی اذیت ناک شکل میں دی گئی؟ رمیش گپتا کا میرے مرحوم والد کی اس بھول سے کیا تعلق تھا؟''

''تم پھر بھٹکنے لگے ــــــ'' جوگیا نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ ''بھول چوک کیول منش سے ہی ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر منش منش نہ ہوتا، اسے فرشتوں کے نام سے یاد کیا جاتا جو کیول اپنے پرماتما کے حکم کے انوسار رات دن اس کی پوجا میں لگے رہتے

ہیں۔ وہ پاپ اور پن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ لیکن منش سب کچھ جانتا ہے۔ سب کچھ منش کے اپنے بس میں ہوتا ہے جس کا کشٹ اسے مرنے کے بعد۔۔۔۔۔"

"بند کرو جوگیا۔۔۔۔ بند کرو اپنا بھاشن۔" میں نے تلملا کر کہا۔ "تم نے میرے اوپر جو احسانات کئے ہیں وہ بے شمار ہیں۔ میں تمہیں زندگی کی آخری سانسوں تک یاد رکھوں گا لیکن اس وقت میں کسی حساب کتاب کے چکر میں نہیں الجھنا چاہتا۔۔۔۔ میں نے تم سے صرف رمیش گپتا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ کیا اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ اس کے گندے خون سے اپنے بھڑکتے انتقام کے شعلوں کو سرد کر سکوں؟"

"اگر میں کہوں کہ تم رمیش کو شما کر دو تو۔۔۔۔؟"

"تو۔۔۔۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "میں یہی سمجھوں گا کہ تم میرے بجائے اس کمینے کا ساتھ دینا چاہتے ہو جو تمہارے دھرم سے تعلق رکھتا ہے۔ شاید اسی لئے تم ابھی تک اسے ڈھیل دیتے رہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے معاملات کو طول دینے کی کوشش کی۔ حالات گواہ ہیں کہ تم اس حرامزادے کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور ہو۔ تم اگر اپنی مہان شکتی کے بل بوتے پر رمیش گپتا کے آڑے آ سکتے تھے، قدم قدم پر اسے نیچا دکھا سکتے تھے، اس کے منہ سے اس کے شکار چھین سکتے تھے، پرتاپ کو، مجھے، میری والدہ کو اور فاخرہ کو اس ولد الحرام کے عتاب سے تحفظ فراہم کر سکتے تھے تو اپنی لازوال قوتوں کو بروئے کار لا کر اس ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے جس نے میرے والد کے علاوہ اور بھی کئی بے گناہوں کو اپنی گندی اور ناپاک قوتوں کا نشانہ بنا ڈالا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔۔۔۔؟"

جواب میں فوراً ہی کچھ نہیں کہا گیا۔ جوگیا کی جانب سے تادیر خاموشی مسلط رہی۔ شاید میری کھری کھری باتوں نے اسے اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ممکن ہے اسے شرمندگی کا احساس ہو رہا ہو۔۔۔۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں نے دھرم والی غلط بات نہیں کہی تھی تو وہ رمیش گپتا کو میرے انتقام سے بچانے کی خاطر کوئی ترکیب یا تدبیر ذہن میں مرتب کر رہا ہو۔۔۔۔؟

میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے جب جوگیا کی آواز سرسراتی ہوئی میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔

"تمہاری بدھی میں جو جوار بھاٹا اٹھ رہا ہے اسے قابو میں رکھو۔۔۔۔ اگر تمہارے

پرکھوں کا میری ذات سے کوئی سمبندھ نہ ہوتا تو میں تمہارے اور رمیش گپتا کے بیچ آنے کی بھول کبھی نہ کرتا۔ ایک بات اور سن لو، میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی میرا دھرم ہی تھا۔ نہ ہوتا تب بھی میں اس دشٹ کی پلید شکتیوں کے آگے بند باندھنے کی کوشش ضرور کرتا جو اس ریکھا کو پھلانگنے کی بھول کر رہا تھا جو دیوی دیوتاؤں نے اس کی راہ میں کھینچ رکھی تھیں۔"

"کیا تم رمیش گپتا کو کیفر کردار تک پہنچانے میں میرا ساتھ نہیں دو گے۔۔۔۔؟" میں نے دوٹوک انداز میں دریافت کیا۔

"دھیرج رکھو۔۔۔۔ رمیش گپتا کا انجام بھیانک ہی ہوگا۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ اب چیونٹی کے بھی پر نکل آئے ہیں۔۔۔۔؟" میرے ذہن میں انجلا کا منحوس تصور ابھرا۔

"تم شاید انجلا کی بات کر رہے ہو جس نے تمہیں نریش سے دور رہنے کو کہا تھا۔" جوگیا نے میرے دل کا راز جان کر جواب دیا۔ "وہ بھی پاگل ہو رہی ہے۔ مجھے اس کے لئے بھی کچھ سوچنا پڑے گا۔ تمہارے پتا کی موت میں بھی اس سندر مگر زہریلی ناگن کا ہاتھ شامل تھا۔ اس کلنکنی نے تمہارے پتا کے اجلے دامن پر ایک گند اچھالنے کی کوشش کی تھی۔ اسی نے رمیش کو اکسایا بھی تھا۔"

"اور تم یہ سب کچھ مجھے اب بتا رہے ہو۔۔۔۔؟" میں نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ان باتوں کو راز رکھنے میں بھی کوئی مصلحت تھی؟"

"جانتے ہو میں نے تمہیں فاخرہ سے شادی رچانے سے پہلے اپنے پتا کے قاتلوں کا کھوج لگانے کی شرط کیوں باندھی تھی؟" جوگیا نے میری بات نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا تو میری طبیعت اور مکدر ہو گئی۔

"نہیں۔۔۔۔" میں نے الجھ کر جواب دیا۔

"کیول اس لئے کہ انجلا تمہارے پریوار کی کوئی خوشی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔" جوگیا نے انکشاف کیا۔ "ایک کارن اور بھی تھا۔۔۔۔ فاخرہ کے پتا نے ایک بار انجلا کا کیس لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"کیا نوعیت تھی اس کیس کی۔۔۔۔؟" میں نے اپنی معلومات کی خاطر دریافت کیا۔

"اب گڑے مُردوں کو اکھاڑنے سے کچھ پراپت نہیں ہوگا۔ گند میں پتھر پھینکنے سے اپنا تن بھی اجلا نہیں رہتا۔" جوگیا نے پھر رازداری سے کام لے کر کہا۔ "اتنا جان لو کہ وہ کیس اگر عدالت میں آ جاتا تو نریش اور تمہارے پتا کے دلوں میں کھنچاؤ آ جاتا۔ انجلا یہی چاہتی تھی۔ اس نے بیرسٹر فاروقی کو بڑی لمبی رقم کی لالچ دی تھی پرنتو اس نے انجلا کی کمینگی کو بھانپ لیا تھا، وہ تاڑ گیا تھا کہ مقدمے کے دوران تمہارے پتا اور نریش چندر کا نام بھی کہیں آ سکتا تھا۔ فاروقی کے انکار نے انجلا کو اس کا بھی دشمن بنا دیا تھا۔ اگر وہ اپنی موت نہ مرتا تو پھر رمیش کی پلید شکتی انجلا کے اشارے پر اسے بھی ٹھکانے لگا دیتی۔"

"لیکن رمیش نے تو کہا تھا کہ ——"

"اس نے تمہیں اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔" جوگیا میری بات کاٹ کر بولا۔ "وہ پاپی ایک ہی تیر سے دو شکار کرنے کے سپنے دیکھ رہا تھا۔ شادی کے بعد وہ اپرادھی اپنی شکتی کے زور پر فاخرہ کے ہاتھوں تمہیں ختم کرا دیتا —— سانپ بھی مر جاتا، لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔ سمجھ رہے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں ——؟"

"اب تم نے کیا سوچا ہے ——؟" میں نے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

"وہی ہوگا جو اوپر والا چاہے گا ——" جوگیا نے پھر مبہم انداز اختیار کیا تو میں بری طرح پیچ و تاب کھانے لگا لیکن اس سے پیشتر کہ میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتا دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

جوگیا کا کردار میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں اس بات سے بھی انکار نہیں کروں گا کہ جوگیا ہی کے درمیان میں آ جانے سے رمیش کی خطرناک چالیں ناکارہ ہوگئی تھیں۔ اس نے کئی موقعوں پر میری جان بچائی تھی۔ میرے اوپر اس کے احسانات بے شمار تھے لیکن اس کی معنی خیز اور مبہم باتیں مجھے ہمیشہ الجھا دیتی تھیں۔ اس وقت بھی رمیش کے سلسلے میں اس نے کوئی واضح جواب دینے کی بجائے لائن منقطع کر دی تھی۔ آخر کیوں؟

میں خاصی دیر تک الجھتا رہا، پھر میں نے نریش چندر کے بارے میں سوچا۔ میری اس کی ایک فوری ملاقات بہرحال بہت ضروری تھی۔ ابھی وہ ہسپتال میں تھا اس لئے کوئی نہ کوئی تدبیر اختیار کی جا سکتی تھی۔ "نریش بھون" منتقل ہو جانے کے بعد انجلا میرے راستے

کی دیوار بن جاتی۔ ہر چند کہ جوگیا نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ نریش چندر کے فارم ہاؤس کے عقب میں واقع گودام کے تہہ خانے میں میرا دشمن اور میرے باپ کا قاتل موجود تھا لیکن میں نریش چندر سے ایک آخری ملاقات کر کے اسے اعتماد میں لینا ضروری سمجھتا تھا۔ انجلا کی وہ گفتگو بھی اس کے علم میں لانی ضروری تھی جو اس نے میرے ساتھ کی تھی۔ میں ابھی نریش چندر سے رابطہ قائم کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں آفس میں تنہا نہیں ہوں، وہاں میرے سوا کوئی اور بھی تھا جس کی ناہموار سانسوں کی مدھم آوازیں میری قوتِ سماعت میں سرسرا رہی تھیں۔ ممکن ہے وہ میرا وہم ہو لیکن میں جن پراسرار حالات اور واقعات سے گزر چکا تھا اس کے پیش نظر میں نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے نظریں گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہاں میرے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

میں نے ایک لمحے کے بعد دوبارہ فون کی سمت ہاتھ بڑھایا لیکن ابھی ابھی بے ترتیب سانسوں کی وہی پراسرار آواز اس بار بھی بہت واضح طور پر سنائی دی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بری طرح ہانپ رہا ہو۔ میں نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا، پھر اپنی ریوالونگ چیئر کو تیزی سے گھما کر پشت کی جانب دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ آواز میرا وہم نہیں تھی، ایک زندہ حقیقت تھی۔ میری نظریں اس کے وجود پر جم کر رہ گئیں۔

وہ ایک طویل العمر بوڑھا تھا جس کے پورے جسم پر جھریوں کا جال موجود تھا۔ جسم کا گوشت ہڈیوں سے وابستہ ضرور تھا لیکن تھل تھل کرتا نظر آ رہا تھا۔ اس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا میرے لئے مشکل تھا۔ شاید وہ سو سال سے بھی تجاوز کر چکا تھا۔ اس کے جسم پر سفید اور اجلا لباس نظر آ رہا تھا۔ اس کی داڑھی کے بال اس کے سینے پر لہرا رہے تھے۔ اس کی زلفیں بھی دراز تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا ٹھہراؤ نظر آ رہا تھا۔ اس کی بادامی اور روشن آنکھوں میں ایسی تیز اور پراسرار چمک تھی جو اس سے پیشتر میں نے کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی۔

وہ میرے آفس میں پشت کی سمت کھلنے والی کھڑکی کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کوئی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

میں اپنی نشست پر بت بنا بیٹھا اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا —— وہ کون

تھا؟ میرے آفس میں اس کی آمد کا مقصد کیا تھا؟ اس کا میری ذات سے کیا تعلق تھا جو وہ مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا؟ اس کی نظریں مجھے اپنے وجود کی گہرائیوں میں اترتی کیوں محسوس ہو رہی تھیں؟ کیا وہ بھی پراسرار اور لازوال قوتوں کا مالک تھا ——؟

میرے ذہن میں متعدد سوال گونج رہے تھے۔ فوری طور پر میرے ذہن میں جوگیا کا تصور جاگ اٹھا۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں مجھے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ پہلو دار شخصیت کا مالک ہونے کے علاوہ بیک وقت کئی صنعتوں کا مالک بھی ہے۔ اس نے خاص طور پر یہ بھی کہا تھا کہ اس کے کئی نام اور کئی روپ ہیں لیکن میں اسے جوگیا کے نام سے یاد رکھوں۔ وہ لازوال پراسرار قوتوں کا مالک تھا۔ دلوں میں جھانکنے اور اندھیروں کے باوجود دور تک دیکھنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ درمیان میں میری مدد کو نہ آجاتا تو رمیش گپتا کی ناپاک اور کالی قوتیں مجھے نہ جانے کب کا موت کے گھاٹ اتار چکی ہوتیں۔

میری نظریں بدستور سفید ریش بوڑھے پر مرکوز تھیں۔ معاً میرے ذہن میں یہ خیال بڑی سرعت سے ابھرا کہ میرے آفس میں موجود بوڑھا بھی جوگیا ہی کا کوئی نیا روپ ہے۔ جوگیا کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں تھی۔ ہوسکتا ہے اس نے میرے مسلک کے کسی برگزیدہ بزرگ کا روپ اختیار کر کے مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی ٹھانی ہو کہ میں رمیش گپتا کو معاف کر دوں۔ اس کے خلاف جو زہر میرے وجود میں کھول رہا تھا اسے سرد کر دوں۔ جوگیا کو معاف کر دوں ——! لیکن وہ ایسا کیوں چاہتا تھا؟ کیا اس کے پاؤں بھی رمیش کی شیطانی قوتوں کے مقابلے پر اکھڑ چکے تھے؟ —— کیا کسی موقع پر جوگیا کی کسی معمولی سی غفلت نے رمیش کو اس پر غالب کر دیا تھا؟'

میرا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا —— 'شاید کسی موقع پر جوگیا سے کوئی بھول چوک سرزد ہوگئی تھی جس نے اسے رمیش کے مقابلے پر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا؟ اس کی ایک پل بھر کی غفلت نے رمیش کو پلٹ کر کوئی ایسا بھرپور وار کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہو جس نے جوگیا کو ہمیشہ کے لئے کمزور کر دیا ہو ——؟ اپنی پلید اور کالی قوتوں کے ذریعے اس نے جوگیا کو اس حالت تک پہنچا دیا ہو کہ وہ تپ دق کے موذی مرض میں مبتلا کسی دائمی مریض کی طرح ہانپنے اور لمبی لمبی سانسیں لینے کے سوا اور کچھ کر گزرنے کی صلاحیتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا ہو؟ سفلی کے ناپاک اور جان لیوا عمل کے ذریعے اس نے جوگیا کی

ساری قوتیں چھین کر اس کو صرف ایڑیاں رگڑنے پر مجبور کر دیا ہو؟ —— اپنا غلام بنا لیا ہو؟''

میرا ماتھا ٹھنکا —— 'مگر میرے اندازے غلط نہیں تھے تو پھر میرے سر پر بھی خطرے کی تلوار ضرور منڈلا رہی ہوگی۔' میں نے سوچا۔ 'انجلا نے بھی مجھے میرے والد مرحوم کی پراسرار موت کا حوالہ دے کر اشارتاً یہی بتانے کی کوشش کی تھی کہ اب میرا کھیل بھی ختم ہونے والا ہے۔ مجھ سے پہلے اس نے رمیش گپتا سے ساز باز کر کے پہلے جوگیا کی مضبوط دیوار گرانے کی ٹھانی ہوگی اور اس مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد شاید وہ مجھے بھی خاک میں ملانے کے کسی خطرناک اور اذیت ناک منصوبے پر عمل پیرا ہوگی۔'

میرے دل کی دھڑکنیں بتدریج تیز ہونے لگیں —— جوگیا نے کئی بار دانشوروں کے اس قول کو دہرایا تھا کہ انسان کو ہر لمحہ اپنی رسی مضبوطی سے تھامے رہنا چاہئے —— ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا چاہئے۔ صراطِ مستقیم پر مضبوطی سے قدم جمائے رکھنا چاہئے۔ ورنہ ایک معمولی سی لغزش بھی برسوں کی محنت پر پانی پھیر دیتی ہے۔ صرف جلد بازی میں ایک غلط چال پوری بازی کا نقشہ پلٹ دیتی ہے۔ سارے کئے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے ——

'شاید جوگیا پر بھی ایسا ہی کوئی برا وقت آ گیا تھا؟' —— کچھ دیر پیشتر وہ مجھے فون پر میرے سب سے بڑے دشمن کی کمین گاہ کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا۔ اس نے بڑے یقین اور اعتماد سے کہا تھا کہ رمیش کا برا وقت آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہوگی لیکن اب اس کی بدلی ہوئی کیفیت —— اس کی بکھری بکھری سانسیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھیں۔ وہ عین اس وقت تھک کر ہانپنے لگا جب میرے والد کی موت کا پراسرار معمہ حل ہو چکا تھا۔ ساری گرہیں ایک ایک کر کے کھل چکی تھیں۔ مجھے اس چوہے دان کا سراغ بھی مل چکا تھا جہاں میرا مطلوب دشمن چھپا بیٹھا تھا —— میں نرلیش چندر سے فون پر دو باتیں کرنے کے بعد رمیش کے تعاقب میں جانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا جب اس طویل العمر سفید ریش بوڑھے نے اچانک سامنے آ کر مجھے گڑبڑا دیا۔ جوگیا اور اس بوڑھے کی شکلوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن یہ فرق جوگیا یا پھر رمیش کی شیطانی اور گندی قوتوں کی پیداوار بھی ہو سکتی تھیں۔ ممکن تھا کہ رمیش نے جوگیا کو ایک انوکھے روپ میں سامنے لا کر مجھے میرے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کی ہو؟''

''جوگیا —— '' میں نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کے بعد سفید ریش بوڑھے کو جوگیا

ہی کے نام سے مخاطب کر کے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔ ''تمہاری یہ حالت کس نے بنا دی ـــــ؟''

''اسی نے ـــــ'' بوڑھے نے کھرکھراتی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اس کے سوا کون کسی کی کایا پلٹ سکتا ہے ـــــ؟''

''اوہ ـــــ'' میں چونکا۔ ''کیا تم سے بھی کوئی بھول ہوگئی تھی جو وہ غالب آگیا ـــــ؟''

''وہ ہمیشہ سے غالب تھا ـــــ غالب ہے اور ـــــ غالب رہے گا۔'' بوڑھے نے ایک طویل سانس لے کر سنجیدگی سے جواب دیا تو میں تلملا اٹھا۔ خطرے کی ایک سرد لہر میرے وجود میں سرایت کر گئی۔ شاید رمیش نے جوگیا کو پوری طرح سفلی کے گندے شکنجوں میں جکڑ رکھا تھا۔ ان دو خوفناک اور پراسرار قوتوں کا گٹھ جوڑ میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ میں ابھی اس بدلی ہوئی صورتِ حال کے بارے میں عقلی گھوڑے دوڑانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ بوڑھے نے دیدے نچا کر میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

''اتنی جلدی خوفزدہ ہوگیا؟ ـــــ موت سے ڈر رہا ہے جس کا ذائقہ ایک نہ ایک دن سب کو چکھنا ہے۔''

''ہاں ـــــ'' میں نے حوصلے سے کام لے کر جواب دیا۔ ''میں تمہاری بات کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن تم خود اپنے بارے میں کیا کہو گے؟ کیا موت ہی کے خوف سے تم نے بھی اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ـــــ؟''

''میری مان تو، تو بھی اس کے سامنے جھک جا ـــــ ماتھا ٹیک دے زمین پر، اسی میں تیری بھلائی ہے۔'' بوڑھے نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''وہ ناراض ہو گیا ـــــ اگر اس نے نظریں پھیر لیں تو روئے زمین پر تجھے کہیں پناہ نہیں ملے گی ـــــ سن رہا ہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''میں سن بھی رہا ہوں ـــــ دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں کہ تم کس کی زبان بول رہے ہو ـــــ'' میں نے قدرے جھلا کر کہا۔ ''اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ڈر کر جس نے تمہیں اپنی طاقت کے جال میں جکڑ لیا ہے ـــــ کیوں؟ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔''

''ہاں ـــــ میں نے اس سے خوفزدہ ہو کر اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ـــــ''

بوڑھے نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ اس کے تنفس کی غیر یقینی رفتار بتدریج بحال ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے ڈھیلے تیزی سے سرخی مائل ہونے لگے۔ وہ مجھے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

''مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔'' میں نے محتاط انداز اختیار کیا۔ ''تم شاید زندگی بچانے کی خاطر میرے دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہو۔ انجلا نے تمہیں بھی کوئی پُر فریب خواب دکھایا ہو گا ـــــ کوئی ایسا سبز باغ...... جسے دیکھ کر تمہاری رال ٹپک پڑی ـــــ''

''گھٹیا باتوں سے پرہیز کر بدبخت ـــــ'' بوڑھا سرسراتے لہجے میں بولا۔ ''ساری دھن دولت اور قصے کہانیوں کو ٹھوکر مار کر تو بھی میرا ہاتھ تھام لے ـــــ مگر ایک شرط ہو گی ـــــ پھر کبھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنا۔''

''اور اسے بھی بھول جاؤں جو میرے بے گناہ باپ کا قاتل ہے ـــــ؟'' میری رگوں میں دوڑتے خون کی حدت تیز ہونے لگی۔ میں نے بوڑھے کو جو میرے خیال کے مطابق جوگیا کے سوا کوئی اور نہیں تھا، بدلی ہوئی نظروں سے گھورتے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم، رمیش گپتا اور انجلا سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے جو آپس میں مل گئے لیکن میں ـــــ جب تک اپنے انتقام کی آگ کو اپنے والد کے قاتلوں کے خون سے بجھا نہ لوں، سکون کا ایک لمحہ بھی اپنے اوپر حرام سمجھتا ہوں ـــــ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

سفید ریش بوڑھے نے میرا جواب سن کر ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کیا، پھر دوسرے ہی لمحے بڑی سنجیدگی سے بولا۔ ''اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی خاطر تو بھی عام لوگوں کی طرح حرام اور حلال کے چکروں میں الجھ گیا ـــــ اونچے سُروں میں بول رہا ہے جو اسے پسند نہیں ـــــ جانے کس کی بات کر رہا ہے؟ ـــــ کیا بک رہا ہے؟''

''میں بکواس نہیں کر رہا ـــــ اسی رمیش گپتا اور انجلا کی بات کر رہا ہوں جنہوں نے تمہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔'' میرے لہجے میں کرختگی تھی، نفرت تھی، حقارت کی آمیزش بھی تھی۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر بوڑھے کو گھور رہا تھا جو رہ رہ کر آنکھیں پٹ پٹا رہا تھا ـــــ میں نے احتیاط اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ دیا۔ میں مسلمان تھا۔ میرا ایمان تھا کہ موت برحق ہے۔ مجھے یقین تھا کہ خدا کے حکم کے بغیر آندھیوں کے تیز جھکڑ بھی کسی سوکھے پتے کو بھی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر نہیں کر سکتے۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ انجام خواہ

کتنا ہی بھیانک اور اذیت ناک کیوں نہ ہو، میں باطل قوتوں کے سامنے سرنگوں ہونے کی غلطی نہیں کروں گا۔ میرے اندر لاوا اُبل رہا تھا جب بوڑھے نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔

''سانپ گزر گیا—— تو ابھی تک لاٹھی پیٹ رہا ہے؟'' اس کے لہجے میں اس بار میرے لئے ہمدردی کا جذبہ بھی شامل تھا۔ ''اندر سے کچھ اور ہے—— اوپر سے کچھ اور—— کس سے دل لگی کر رہا ہے؟ مجھ سے؟—— یا اوپر والے سے؟''

''جوگیا——'' میں غصے میں بل کھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سانپ گزر جانے والی بات شاید میرے والد کی پراسرار موت سے منسوب کی تھی یا پھر اشاروں کنایوں میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ رمیش نے وہ ٹھکانا بدل دیا ہے جہاں وہ اب تک چھپا بیٹھا تھا۔ میرے اندر سلگتے آتش فشاں میں اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ میں نے بوڑھے کو قہر آلود نظروں سے گھور کر کہا۔ ''میں سمجھ رہا ہوں کہ تم نے یہ روپ کیوں اختیار کیا ہے لیکن اب تمہیں اپنے مکروح اور ناپاک ارادوں میں کامیابی نہیں ہو گی—— بہتر ہو گا کہ تم میرے اور رمیش کے راستے سے علیحدہ ہو جاؤ ورنہ——''

''چپ ہو جا عقل کے اندھے—— زبان کو لگام دے۔'' بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تیرے اندر جو آگ بھڑک رہی ہے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر—— تو جس کا نام بار بار زبان پر لا رہا ہے اس نے بھی تجھ سے یہی کہا تھا کہ سب کچھ اوپر والے کے ہاتھ سونپ دے، وہی انصاف کرنے والا ہے—— انسان ساحل پر بنائے گئے اس ریت کے محل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا جو بڑا ناپائیدار ہوتا ہے۔ اسی کے حکم سے ایک بپھری ہوئی لہر اٹھتی ہے—— سب کچھ ملیا میٹ ہو جاتا ہے—— ٹائیں ٹائیں فش۔''

''تم——'' میں نے پہلی بار اسے بہت غور سے گھورا۔ ''کیا تم وہ نہیں ہو جو میں سمجھ رہا ہوں——؟''

''اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لے—— تو بھی بار بار سانپ کی طرح کینچلی بدل رہا ہے۔'' بوڑھے نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ابھی تیرے اندر سے ایمان کی ایک لہر اٹھی تھی۔ خدا کا نام تیرے دل و دماغ میں جاگا تھا۔ تو موت کے برحق ہونے پر غور کر رہا تھا—— پھر تیرے قدم ڈگمگانے لگے، ڈھلمل

یقین ہو گیا—— آنکھ کے اندھے۔''

''تو کیا—— کیا تم جوگیا نہیں ہو——؟'' میں نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔ بوڑھے کی باتیں مجھے الجھا رہی تھیں۔

''پھر ناموں کے چکر میں پڑ گیا۔'' وہ زہر خند سے بولا۔ ''ناموں میں کیا دھرا ہے؟ جو سیدھا راستہ اپنا لے وہی منزل تک پہنچ سکتا ہے باقی سب فریب ہے—— اور کیا جاننا چاہتا ہے——؟''

اس بار بوڑھے کے لب و لہجے میں کوئی ایسی تاثیر موجود تھی جسے محسوس کر کے میری حالت غیر ہونے لگی۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ میں اسے جس رنگ میں دیکھ رہا تھا اس کے علاوہ بھی اس کے کئی رنگ تھے۔ وہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ تھا جو مجھے ہدایت کا روشن راستہ دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے تن بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ میں اس کی حقیقت کو پانے سے قاصر تھا لیکن میرے دل کی بے ترتیب دھڑکنیں اس بات کی گواہ تھیں کہ میں اسے جس مقام پر دیکھ رہا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

جوگیا کے سلسلے میں اس کا جواب میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا جب اس نے میری کیفیت محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''جس قدر مل جائے اسی پر گزارا کرنے کی عادت ڈال لے۔ دو اور دو چار کے حساب میں الجھ گیا تو پھر بھٹک جائے گا—— اس نے بھی یہی کہا تھا کہ کیول اپنے پرماتما پر وشواس کرنے کی ٹھان لے—— جو سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں اوپر والا انہیں کبھی نراش نہیں کرتا—— سن رہا ہے نا میری بات؟''

بوڑھے نے جوگیا کا کہا ہوا جملہ دہرایا تو میرے دل کی دھڑکنیں اور تیز ہو گئیں۔ میں نے تیزی سے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لینے کی کوشش کی لیکن وہ میرا ارادہ بھانپ کر برق رفتاری سے اٹھ کر ایک طرف ہو گیا۔

''جھکنا ہے تو اس کے سامنے ماتھا رگڑ جو عظیم تر ہے—— دوسروں کی انگلی تھام کر کب تک چلتا رہے گا——؟''

''تم—— تم اگر دلوں کا بھید جانتے ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ میں اپنے باپ کے قاتلوں کو فراموش نہیں کر سکتا۔'' میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ ''رمیش گپتا کا گندا وجود

اگر باقی رہا تو وہ دوسروں کے لئے بھی خطرناک ثابت ہوگا۔ ایک بار اس کا کریا کرم ہو جائے تو پھر میں کبھی پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھول نہیں کروں گا ــــ یہ میرا وعدہ ہے۔"

سفید ریش بوڑھے کی روشن نگاہیں میرے وجود کے گرد منڈلانے لگیں۔ شاید وہ میری کہی ہوئی بات کو اپنی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا۔ اس کی تیز نظریں میرے وجود کا ایکسرے کر رہی تھیں۔

"میری بات کا یقین کرو ــــ" میں نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "میری ماں مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ رمیش گپتا نے اس کو بیوگی کے غم سے دوچار کر کے میری روح کو جو زخم لگایا ہے اسے مندمل کر دو۔ اس کے بعد تم جو کہو گے میں وہی کروں گا۔"

"شرط لگا رہا ہے ــــ؟" اس کی آنکھوں کے ڈھیلے سرخ انگاروں کی مانند دہکنے لگے۔ اس کی پلکیں مشینی انداز میں جھپکنے لگیں۔

"نہیں ــــ" میں نے عاجزی کا اظہار کیا۔ "میں صرف درخواست کر رہا ہوں۔ میرے دل میں جو آگ بھڑک رہی ہے اسے رمیش کے خون کے چھینٹے درکار ہیں۔ وہ شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔ میں تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"کفر بک رہا ہے ملعون۔" بوڑھا غصے سے لرزنے لگا۔ "اس کو کیوں فراموش کر رہا ہے جو ذوالجلال والاکرام ہے۔ وہ چاہے تو مردوں میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔ وہ سب سے عظیم تر ہے۔ باقی سب ہیچ ہیں۔ ایک ہی نعرہ لگانے کی عادت ڈال لے ــــ حق اللہ ..... حق اللہ ..... حق اللہ۔"

"میں تمہارے کسی حکم سے انکار نہیں کروں گا لیکن ــــ"

"بدبخت ــــ کم عقل ــــ اس کی طاقت کا کرشمہ دیکھنا چاہتا ہے؟" بوڑھے کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ وہ تادیر مجھے خشمگیں نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر اس نے اپنی الجھی ہوئی داڑھی کا ایک سفید بال نوچ کر میری طرف اچھال دیا۔ سپاٹ لہجے میں بولا۔ "لے ــــ اسے سنبھال کر رکھ لے۔ جب ہر طرف سے مایوسی ہو تو سچے دل سے خدا کا نام لے کر اسے اس کافر کی طرف ہوا میں لہرا دینا۔ پھر اس کا تماشہ بھی دیکھ لینا جس کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔"

میں نے لپک کر خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کی داڑھی کے بال کو زمین سے اٹھا کر

پوری قوت سے مٹھی میں بند کر لیا پھر میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر نگاہیں بلند کیں تو مجھے مایوسی ہوئی۔ خدا کا وہ نیک بندہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ کمرے میں مشک وعنبر کی ملی جلی تیز خوشبو پھیل رہی تھی۔ میرے اوپر وجد کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ میں اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑا اس سفید ریش بزرگ کو یاد کرتا رہا جو مجھے ایک نایاب تحفے سے نواز کر غائب ہو گیا تھا ــــ

وہ کون تھا؟ ــــ جوگیا سے اس کا کیا تعلق تھا؟ ــــ اس نے جوگیا کی کہی ہوئی باتوں کو دہرا کر مجھے کیا باور کرانے کی کوشش کی تھی؟ ــــ مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ خدا کے حکم سے میری مدد کو آیا تھا پھر واپس لوٹ گیا۔ میں بڑی دیر تک خاموش کھڑا اس کی باتوں کو یاد کرتا رہا پھر میں نے نریش چندر سے فون پر گفتگو کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور رمیش گپتا سے براہِ راست ٹکرانے کا آخری فیصلہ کر لیا ــــ!



ڈیش بورڈ کے میٹر پر رفتار بتانے والی سوئی ستر اور اسی کے ہندسے کے درمیان متحرک تھی۔ میرے دونوں ہاتھ بڑی مستعدی سے اسٹیئرنگ کنٹرول کر رہے تھے۔ میرے ذہن میں انتقام کی چنگاریاں چیخ رہی تھیں۔

برگزیدہ بوڑھے کا کہا ہوا ایک ایک جملہ میرے ذہن میں گونج رہا تھا۔ میں اس کے اور جوگیا کے درمیان کوئی تعلق نہیں تلاش کر سکا تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ جو کوئی بھی تھا اسے جوگیا اور میرے درمیان تمام تعلقات کا بخوبی علم تھا۔ اس نے گفتگو کے دوران جوگیا کی کہی ہوئی کچھ اہم باتوں کو دہرایا بھی تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی مقناطیسی کشش تھی جس نے میرے دل و دماغ کو تسخیر کر لیا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں ایسا جادو تھا جس نے مجھے اسیر کر لیا تھا۔ میں اس کے وجود کے سائے کو اپنے ساتھ ساتھ محسوس کر رہا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو شاید میں اس وقت رمیش گپتا کی شیطانی قوتوں سے تن تنہا ٹکرانے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔ وہ سفلی جیسے گندے اور ناپاک علم کا ماہر تھا۔ میں اپنی آنکھوں سے اس کی بے پناہ قوتوں کا مظاہرہ دیکھ چکا تھا۔ میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود بوڑھے کی آمد کے بعد میرے اندر اس سے ٹکرانے کا جذبہ پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔

ایکسیلیٹر پر میرے پیر کا دباؤ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں جوگیا کا تصور ابھرا۔ اس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ میری زندگی کا کھیل اسی وقت ختم ہو جاتا جب میں نے روپ نگر میں کشمیرامپوریم پر ضرغام کی روح سے باتیں کی تھیں۔ جوگیا کی کہی ہوئی بات میں وزن تھا ــــ رمیش گپتا اگر میرے والد کے خون سے ہاتھ رنگ سکتا تھا، ضرغام اور اپنے راستے کے دوسرے کانٹوں کو درمیان سے نکال کر پھینک سکتا تھا تو وہ ضرغام کی روح سے میری گفتگو سننے کے بعد مجھے بھی کسی حقیر چیونٹی کی طرح اپنے پیروں تلے کچل سکتا تھا لیکن جوگیا کے درمیان میں آ جانے سے میں بچ گیا تھا۔

جوگیا کو میری ذات سے کیا دلچسپی تھی، میں ہنوز اس کا سبب نہیں جان سکا تھا لیکن ایک بار اس نے دبی زبان میں مجھ سے کہا تھا کہ اگر میرے پرکھوں (بزرگوں) کا اس کی ذات سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو وہ میرے اور رمیش گپتا کے درمیان آنے کی بھول کبھی نہ کرتا۔ جوگیا نے قدم قدم پر میری پشت پناہی کی تھی۔ مجھے اور میری ماں کو زندگی کا تحفظ فراہم کیا تھا۔ میری رہنمائی کی تھی۔ وہ بھی لازوال قوتوں کا مالک تھا۔ نہ ہوتا تو رمیش کی طاغوتی قوتیں اسے بھی موت کی نیند سلا چکی ہوتیں۔ میں نے کئی موقعوں پر یہ محسوس کیا تھا کہ جوگیا کے مقابلے میں رمیش زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن جوگیا نے اس کا کریا کرم کرنے کی کوشش بھی کبھی نہیں کی ــــ آخر کیوں؟

اور اب جوگیا کے بعد خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کا درمیان میں آ جانا مجھے الجھا رہا تھا ــــ وہ کون تھا؟ جوگیا کے بارے میں وہ سب کچھ کیسے جانتا تھا؟ ــــ ان دونوں کے درمیان کیا تعلق تھا؟ ــــ جوگیا کا میرے بزرگوں کے ساتھ کیا تعلق تھا جس نے اسے رمیش کے مقابلے پر میری مدد کرنے کو مجبور کر دیا تھا ــــ؟

میرے ذہن میں متعدد سوالات گڈمڈ ہو رہے تھے جب جوگیا کی مانوس آواز میرے کانوں میں کہیں بہت دور سے ابھرتی سنائی دی۔

"بالک ــــ تو قسمت کا دھنی ہے جو نیلی چھتری والا تیرے اوپر مہربان ہو گیا ــــ میری بات دھیان سے سن، تجھے تیرے بھاگیہ (قسمت) سے جو سنہری موقع ملا ہے اسے کھو مت دینا۔ بھگوان کے اس اوتار نے تجھے درشن دے کر امر کر دیا ہے۔ ایسے شبھ مواقع جیون میں بار بار نہیں آتے۔ اگر تو نے یہ موقع گنوا دیا تو پھر سارا جیون ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔"

"جوگیا ــــ" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا ــــ؟"

"زیادہ کھنگالنے کی کوشش مت کر مورکھ ــــ جو کہہ رہا ہوں اسے گرہ سے باندھ لے۔" جوگیا نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ "رمیش کے برے دن اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں ــــ اب شاید اس کی شیطانی شکتیاں بھی اس کا ساتھ نہ دے سکیں گی۔ مگر تو اپنے قدم دھرتی پر مضبوطی سے جمائے رکھنا ــــ اس مہان منش نے تجھے جو پوتر تحفہ دان کیا ہے، اسے بھول مت جانا۔ اس کی باتوں کا دھیان رکھنا۔ رمیش کی پلید قوتیں تیرا دھیان

بتانے کی کوشش اوش کریں گی پرنتو تو اپنے پرماتما پر پورا وشواس رکھنا ـــــ نراش مت ہونا ـــــ تیرے قدم ڈگمگا گئے تو پھر سب کچھ چوپٹ ہو جائے گا ـــــ وہ بھی منہ پھیر لے گا جو تیری سہائتا کرنے کو سامنے آ گیا ـــــ سن رہا ہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟''

''ہاں ـــــ میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، لیکن ـــــ''

''میرے پاس سمے کم ہے ـــــ میں جا رہا ہوں، میری باتوں کا دھیان رکھنا، اسی میں تیری مکتی ہے۔''

جوگیا کی مدھم آواز دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے غیر اختیاری طور پر کار کی رفتار اور بڑھا دی۔ میں نریش چندر کے فارم ہاؤس کے راستوں سے بخوبی واقف تھا۔ مجھے وہاں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شام کا ملگجا اندھیرا آہستہ آہستہ اپنے دامن پھیلا رہا تھا۔ میں فارم ہاؤس کا ایک لمبا چکر کاٹ کر اس کے عقبی حصے کی طرف پہنچ گیا جہاں گودام واقع تھا۔ جوگیا نے امیت مہتا کے روپ میں یہی اطلاع دی تھی کہ میرا مطلوبہ دشمن رمیش گپتا اسی گودام کے انڈر گراؤنڈ حصے میں چھپا بیٹھا تھا۔

میں نے اپنی کار گودام کے صدر پھاٹک سے دور روک دی اور نیچے اتر کر پیدل چل پڑا۔ گودام کے بڑے دروازے پر اس وقت بھی دو مسلح گارڈ بڑی مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس وقت مجھے کسی مخصوص اجازت نامے کے بغیر اندر جانے کی اجازت کبھی نہ دیں گے۔ میں انہیں نریش چندر کا حوالہ ضرور دے سکتا تھا، اپنی حیثیت سے بھی روشناس کرا سکتا تھا لیکن ان باتوں کی نوبت نہیں آئی۔

میں پھاٹک کے قریب پہنچا تو ایک لمحے کو دونوں گارڈ پوری طرح محتاط ہو گئے۔ ان دونوں کی نظروں میں میرے لئے اجنبیت کا احساس موجود تھا۔ انہوں نے اپنے خود کار اسلحہ کے دستے پر اپنی گرفت بھی مضبوط کر لی۔ لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا۔ وہ اچانک میری طرف سے توجہ ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''کیا بات ہے ـــــ؟'' ایک نے دوسرے سے دریافت کیا۔ ''تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو ـــــ؟''

''میں نے ابھی کسی کو دیکھا تھا لیکن وہ پل بھر میں میری نظروں سے اوجھل ہو گیا ـــــ''

دوسرے نے ہونٹ چباتے ہوئے ڈھلمل یقین لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم نے بھی ایسی کوئی بات محسوس کی تھی ـــــ؟''

''سمجھ گیا ـــــ'' پہلے نے قدرے ناگوار انداز میں جواب دیا۔ ''دارو کی چسکا لگائے بغیر تو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی نہیں بھگتا سکتا ـــــ جا، جا کر حلق تر کر لے۔ لیکن ایک بات کا خیال رہے، اگر تو نے آج بھی زیادہ چڑھا کر رام کلی کو یاد کر کے الٹی سیدھی بکواس کی تو میں کل منیجر سے تیری رپورٹ ضرور کر دوں گا۔''

دوسرے نے شکایتی انداز میں اپنے ساتھی کو دیکھا۔ شاید اسے رام کلی کے سلسلے میں اپنے ساتھی کی خشک بات پسند نہیں آئی تھی مگر اس نے بات بڑھانے کی کوشش نہیں کی، خاموشی سے پھاٹک کھول کر اندر جانے لگا تو میں بھی لپک کر اندر داخل ہو گیا۔ شاید کسی غیبی قوت نے مجھے دونوں گارڈز کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا راہداری کو عبور کر کے گودام کے اندر داخل ہو گیا۔ میں اس روز سے قبل کبھی وہاں نہیں گیا تھا۔ راستے میرے جانے پہچانے بھی نہیں تھے لیکن کوئی نادیدہ قوت ہی میری رہنمائی کر رہی تھی جو میں گودام کے انڈر گراؤنڈ میں واقع اس حصے تک پہنچ گیا جسے میں خواب میں دیکھ چکا تھا۔ اسی حصے کے ایک کمرے میں، میں نے رمیش اور رنجنی کی تصویر کو فریم میں دیکھا تھا۔ میں مدھم پاور کی روشنی میں اس کمرے کے باہر کھڑا ایک لمحے تک قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا، پھر اس سمت قدم اٹھانے لگا جہاں میں رمیش کو ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ خواب میں دیکھ چکا تھا۔

کمرے کے قریب پہنچ کر میرے قدم رک گئے۔ میرے وجود کے اندر سلگتی چنگاریاں بھڑک کر شعلے کا رنگ اختیار کرنے لگیں۔ میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ میں نے کچھ توقف کے بعد کمرے کے دروازے کو آہستہ سے کھولا تو میری نگاہوں میں خون اتر آیا۔ میرا ابد ترین دشمن ـــــ میری خوشیوں اور میرے باپ کا قاتل رمیش گپتا اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ میری نظروں کے سامنے موجود تھا۔ وہ کمرے میں تنہا نہیں تھا، نریش چندر کی دھرم پتنی انجلا بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس خوبصورت ناگن نے بھی مجھے ڈسنے کی دھمکی دی تھی جو اس وقت نیم برہنہ حالت میں بڑی بے غیرتی سے رمیش کی آغوش میں لیٹی اسے خوابیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں صرف ایک چراغ روشن تھا جس

کی کپکپاتی روشنی انجلا کے کندن جسم کے نشیب و فراز سے کھیل رہی تھی۔

"انجلا ــــ" رمیش نے ٹھوس اور سرسراتے لہجے میں کہا۔ "آج میرے جیون کا سب سے شبھ دن ہے۔ تو بھی میرے پاس ہے اور سمے بھی میری مٹھی میں بند ہے۔ کل سے ہم ایک دوجے کے لئے اجنبی نہیں رہیں گے۔ نریش کا کانٹا آج رات ہمارے راستے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ اب تو کیول رمیش کے من مندر کی رانی کہلائے گی۔"

"اور رنجنی ــــ"

"اسے بھول جا ــــ" رمیش نے سرد اور تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر انجلا کو گھورتے ہوئے بولا۔ "یدھ اور پریم میں کچھ پاپ اور پن نہیں ہوتا۔ وجے اسی کی ہوتی ہے جو دوسرے سے اپنا ادھیکار چھیننے کی شکتی رکھتا ہے اور تو جانتی ہے کہ میں نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا ــــ"

انجلا نے کوئی جواب نہیں دیا، خالی خالی نظروں سے اس طرح رمیش کو تکتی رہی جیسے وہ اس کی کسی بات سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتی۔ میں سمجھ گیا، رمیش نے غالباً اپنے کسی شیطانی عمل سے انجلا کے دل و دماغ پر قبضہ جما رکھا تھا۔

"میری بات دھیان سے سن ــــ" رمیش نے اس بار بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے تیرے اور رجنی کے کارن بڑے پاپڑ بیلے ہیں، بڑی تپسیا کی ہے، بڑے دکھ جھیلے ہیں پرنتو آج تجھے میرے کارن...... اپنے پریمی کے کارن کچھ بلیدان دینا ہوگا۔ کیا تو میری آگیا کا آنکھ بند کر کے پالن کرے گی ــــ؟"

"ہاں ــــ" انجلا نے خواب بیداری کی حالت میں جواب دیا۔ "تم جو کہو گے میں وہی کروں گی۔"

"میں تجھے راکھ کی ایک چٹکی دوں گا ــــ" رمیش نے بدستور انجلا کی آنکھوں میں دور تک جھانکتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "تجھے وہ راکھ دوا کی اس شیشی میں ڈالنی ہوگی جو نریش کو دی جا رہی ہے ــــ تجھے کسی بات کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے بھی وہی ہوتا رہا جو رمیش نے چاہا۔ اب بھی ویسا ہی ہوگا جو میرا من چاہے گا ــــ دھرتی کی کوئی شکتی میری وِدّیا ــــ میرے جنتر منتر کا توڑ نہیں کر سکتی۔ قانون کے رکھوالے پھر ٹاپتے رہ جائیں گے۔ نریش کی موت کا کھوج بھی کوئی نہیں لگا سکے گا۔ اس کا کریا کرم ہو

جانے کے بعد سب کچھ تیرا ہو جائے گا۔ تو رانی سے مہارانی بن جائے گی۔ سمجھ رہی ہے میری چال ــــ؟"

"ہاں ــــ لیکن رنجنی....."

انجلا کی زبان پر دوبارہ رنجنی کا نام ابھرا تو رمیش کی آنکھوں کے ڈھیلے سرخ انگاروں کی مانند دہکنے لگے۔ اس کے تیور بڑے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ میں خاموش کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ رمیش کے ہونٹ بدبدانے لگے۔ اس نے کچھ پڑھ کر انجلا کے چہرے پر پھونک ماری، پھر درشت انداز میں بولا۔

"اب رنجنی کا نام تیری زبان پر کبھی نہیں آئے گا ــــ میں نے اسے اس کے بالک کی آتما سے ملا دیا ہے۔ اس نے دیوی دیوتاؤں سے یہی پرارتھنا کی تھی جسے پورا کرنے کے بعد میں نے اسے بھی جیون کی قید سے آزاد کر دیا ــــ کان کھول کر سن لے ــــ رنجنی کے شریر اور آتما کا سمبندھ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ پرلوک سدھار چکی ہے ــــ اب وہ میرے تیرے بیچ نہیں آ سکے گی ــــ اس کی یادوں کو اب اپنے من سے کھرچ کر نکال دے ــــ جو بیت چکا اسے بھول جا ــــ جو آنے والا ہے کیول اس کا وچار کر۔"

"میں تمہاری آگیا کا پالن کروں گی ــــ" انجلا نے سپاٹ خوابیدہ انداز میں کہا۔ "میں رنجنی کو کبھی یاد نہیں کروں گی۔"

"آج رات تجھے کیا کرنا ہے ــــ؟" رمیش نے تھوڑے توقف کے بعد بڑے اعتماد سے سوال کیا۔

"تم مجھے راکھ کی ایک چٹکی دو گے ــــ مجھے وہ راکھ اس دوا کی شیشی میں ملانی ہوگی جو نریش کو دی جا رہی ہے۔ اپنا کام پورا کرنے کے بعد میں ہمیشہ کی طرح ہر بات بھول جاؤں گی۔"

"جے بھوانی ــــ جے بجرنگ بلی۔" رمیش نے خوشی میں لہرا کر نعرہ بلند کیا، پھر اس نے جھک کر اپنے غلیظ ہونٹ انجلا کے گلابی ہونٹوں پر رکھ دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے چراغ کی لو پھڑ پھڑانے لگی اور رمیش اس طرح انجلا کو چھوڑ کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا جیسے کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے خوفناک اور پُرتجسس نظروں سے اطراف کا جائزہ لیا پھر اس کی خونخوار نظریں میرے وجود پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے قہر آلود انداز میں لب کشائی

کی۔

''تو میری نظروں کے سامنے کھڑا ہے ـــــ؟ میرے استھان پر؟ ـــــ مجھے وشواس نہیں آرہا۔''

بوڑھے کی داڑھی کا متبرک بال میری مٹھی میں بند تھا شاید اس لئے رمیش کا رعب میرے اوپر غالب نہیں آرہا تھا۔ میں اس وقت جو کچھ دیکھ چکا تھا، سن چکا تھا میرے لئے وہی بہت تھا۔ میرے اندر کا آتش فشاں کسمسانے لگا۔ میں نے رمیش کو سرتاپا نفرت سے گھورتے ہوئے کہا۔

''نمک حرام، کمینے ـــــ تو اب تک جس ہانڈی میں کھاتا رہا، آج اسی میں چھید کرنے کی سوچ رہا ہے۔ کیا تیرے گندے وجود میں شرافت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی؟''

انجلا نے میری آواز سنی تو وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے سوتے سے بیدار ہوئی ہو۔ مجھے دیکھ کر اس کی بے غیرت آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔

''رمیش ـــــ'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ کر بولی۔ ''اس حرامی کے ساتھ کوئی دیا مت کرنا ـــــ میں جیون میں کبھی تیری کسی بات سے انکار نہیں کروں گی مگر تجھے میری ایک آشا پوری کرنی ہو گی ـــــ'' اس نے بدستور مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اس کی موت اسے یہاں تک کھینچ ہی لائی ہے تو پھر اسے بچ کر نہ جانے دینا ـــــ اپنے کالے علم سے اس مُسلے کو ایسا کشٹ دے کہ اس کی آتما بھی نرک میں بیاکل رہے ـــــ اس سنپولیے کو بھی وہیں پہنچا دے جہاں تو نے اس کے باپ کو بھیجا تھا ـــــ تجھے انجلا کی سوگند۔''

''تو چنتا مت کر میری رانی ـــــ'' رمیش میرے چہرے پر نظریں جمائے جمائے بڑی خباثت سے بولا۔ ''آج یہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔''

''تو بھول رہا ہے بدبخت ـــــ'' میں نے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ''اس سے پیشتر بھی تو کئی بار مجھے مارنے کی کوشش کر چکا ہے لیکن نتیجہ کیا نکلا ـــــ؟ ایک بات یاد رکھ، مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔''

''کیا یہی بھاشن دینے کے کارن یہاں تک دوڑا چلا آیا؟'' اس نے زہرخند سے جواب دیا پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ ''آج دھرتی کی کوئی شکتی تجھے رمیش کے ہاتھ سے نہیں بچا سکے گی۔ وہ بھی نہیں جو اب تک تیری سہائتا کرتا رہا تھا۔''

میں جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن رمیش نے موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے پہل کرنے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ گلے سے مفلر ہٹا کر اس نے اپنے بجبجاتے زخم سے ایک کیڑا نکال کر میری سمت پھینکا۔ مجھے یوں لگا جیسے کئی ہٹے کٹے پہلوانوں نے مجھے پل بھر میں جکڑ کر ہوا میں بلند کیا، پھر بڑی بے رحمی سے ننگے فرش پر پوری شدت سے پھینک دیا۔ میرا جوڑ جوڑ کڑکڑا کر رہ گیا۔ میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کچھ نادیدہ قوتوں نے مجھے پوری طرح اس پھرتی سے اپنی گرفت میں لیا کہ میں جسم کے کسی عضو کو بھی حرکت دینے سے قاصر ہو گیا۔ مجھے کوئی نظر نہیں آرہا تھا لیکن میں ان کے ہاتھوں کے نادیدہ شکنجوں کو محسوس کر رہا تھا۔ ایک لمحے کو میرے وجود میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔

ضرورت سے زیادہ خوش فہمی بھی انسان کو ناقابل یقین شکست سے دوچار کر دیتی ہے۔ میں نے بھی شاید بوڑھے بزرگ کے متبرک بال کو استعمال کرنے میں تاخیر کر کے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا ـــــ'' رمیش نے حقارت سے میرے منہ پر تھوکتے ہوئے لہرا کر کہا۔ ''آج تیرے ستارے گردش میں ہیں۔ وہ بھی تیرا ساتھ چھوڑ گیا جو کل تک تیرے پٹھے پر ہتھیلی جمائے ہوئے تھا ـــــ کوئی اور ہو تو اسے بھی آواز دے کر دیکھ لے۔''

رمیش کا حقارت آمیز اور رکیک لب و لہجہ میرے تن بدن میں آگ لگا رہا تھا۔ وہ میرے سامنے فاتحانہ انداز میں سینہ تانے کھڑا تھا اور میں اپنی بے بسی پر تلملا رہا تھا۔

''کس دچار میں گم ہے ـــــ؟'' اس نے آگے بڑھ کر میری پسلی پر بھرپور ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تو بڑے اونچے سُروں میں ہانڈی اور چھید کی بات کر رہا تھا ـــــ مارنے اور جلانے والی شکتی کا بھاشن دے رہا تھا۔ اب تجھے سانپ کیوں سونگھ گیا ـــــ؟''

''رمیش ـــــ'' انجلا نے چیخ کر کہا۔ ''تو پھر لمبی چوڑی باتیں کرنے لگا ـــــ؟ میرا کہا مان، اس سنپولیے کا سر کچلنے میں دیر مت کر۔ اسے بھی نرک میں جھونک دے جہاں اس کا باپ اس کی راہ تک رہا ہو گا۔ اس کی آتما بھی شانت ہو جائے گی۔''

میں نے انجلا کو نفرت سے گھورا۔ میں اس بدذات اور بے شرم کو اس کا اصلی چہرہ دکھانے کی خاطر کچھ سخت سخت کہنا چاہتا تھا لیکن میری آواز نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ جسمانی قوتوں کے علاوہ میری قوتِ گویائی بھی سلب ہو گئی تھی۔

"تو جو کہے گی تیرا پریمی وہی کرے گا لیکن مرنے سے پہلے میں اسے تھوڑا سا اشنان کرا دوں——" رمیش نے اپنا جملہ مکمل کرنے کے بعد اپنے جسم سے لنگوٹی بھی اتار کر ایک طرف پھینکی تو میں اس کا ناپاک ارادہ بھانپ کر تڑپ اٹھا۔

وہ اخلاق سوز منظر میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ میں نے تلملا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل ہی دل میں انتہائی مایوسی کی حالت میں خدا کو یاد کیا۔ میرے لہجے میں گڑگڑاہٹ تھی۔

"میرے معبود—— اپنے حقیر اور بے بس بندے کی فریاد سن لے—— اس سے پیشتر کہ کوئی کافر میرے اجلے اور پاک جسم کو اپنی غلاظت سے ناپاک کرے تو میری مدد کر—— یا پھر مجھے موت دے دے۔"

میرے قلب سے نکلی ہوئی دعا ضائع نہیں گئی۔ گھپ اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن پھوٹی۔ میرے کانوں میں اسی خدا کے برگزیدہ بوڑھے بندے کی مانوس آواز گونجی جس نے مجھے اپنی داڑھی کے سفید بال سے نوازا تھا۔

"مایوسی گناہ ہے—— ایمان کی قوت کے سامنے دنیا کی ہر طاقت ہیچ اور کمتر ہے—— تو نے سچے دل سے اس ذوالجلال والاکرام کو یاد کیا ہے تو اسی کا پاک نام لے کر اپنی مٹھی کھول اور سفید بال کو اپنے دشمن کی جانب ہوا میں لہرا دے۔"

میں نے وہ آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔ رمیش فاتحانہ انداز میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا میری جانب بڑھ رہا تھا۔ وہ مادر زاد برہنہ تھا۔ اس کے ارادے نیک نہیں نظر آ رہے تھے۔ میں نے خدا کا نام لے کر بند مٹھی کھولنے کی کوشش کی۔ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ میں نے مٹھی کھول کر سفید بال کو رمیش کی طرف اچھال دیا۔ پھر جو ہوا وہ مشیت ایزدی کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔

سفید بال میری مٹھی سے نکلا تو ہر طرف سے گھن گرج کی ہولناک آوازیں بلند ہونے لگیں۔ زمین کے علاوہ پوری عمارت اس طرح لرزنے لگی جیسے شدید زلزلے کی لپیٹ میں آ گئی ہو—— رمیش گپتا اس طرح چونکا جیسے اسے موت کا فرشتہ نظر آ گیا ہو۔ وہ پاگلوں کی طرح دیدے پھاڑ کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے علاوہ انجلا کا چہرہ بھی تاریک پڑ گیا۔

"رمیش——" انجلا دیوانوں کی طرح چیخی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟—— کیا بھونچال آ گیا؟"

"تو چنتا مت کر—— سب ٹھیک ہو جائے گا۔" رمیش نے خود کو گرنے سے سنبھالتے ہوئے جواب دیا پھر اپنے گلے کے زخم میں رینگتے ہوئے کیڑوں کو نکال نکال کر چاروں طرف پھینکنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے بھی خوف جھانک رہا تھا۔

اچانک بجلی اتنی زور سے کڑکی کہ سارا ماحول لرز اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی میں شیطانی بندشوں سے آزاد ہو گیا۔ انجلا دوڑ کر رمیش سے لپٹ گئی۔ درودیوار بدستور لرز رہے تھے۔ زلزلے کی وہ کیفیت جو خدا کے عتاب کی شکل میں نازل ہوئی تھی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر چھت کے پلاسٹر کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرا تو رمیش اور انجلا دونوں لہولہان ہو گئے۔ دونوں ہی اس وزنی سیمنٹ کے تودے کے نیچے اس طرح دب گئے کہ ان کا آدھا جسم نظر آ رہا تھا اور آدھا چھپ گیا تھا۔ دونوں کی کربناک چیخ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

میرے لئے بھی قدم زمین پر جمائے رکھنا دشوار ہو رہا تھا جب اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی سرد ہاتھ نے میری کلائی سختی سے پکڑ لی ہو۔ میرے ذہن پر غنودگی کا حملہ اتنی شدت سے ہوا کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا——!

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو میں اپنی خوابگاہ میں بستر پر لیٹا تھا—— سامنے دیوار پر لگی گھڑی میں صبح کے سات بج رہے تھے۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے لباس پر نظر ڈالی تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرا لباس نہ صرف گرد آلود ہو رہا تھا بلکہ جگہ جگہ سے پھٹا نظر آ رہا تھا۔ میں نے نریش چندر کے گودام کے انڈر گراؤنڈ حصے کے بارے میں سوچا پھر اٹھ کر واش روم میں چلا گیا۔ گزری ہوئی ایک ایک بات میرے ذہن میں تازہ ہونے لگی۔ میں نیم گرم پانی سے غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد باہر نکلا تو ماں میری خوابگاہ میں بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات دیکھ کر میں تڑپ اٹھا۔

"کیا بات ہے امی جان——؟" میں نے قریب جا کر پوچھا۔ "آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں——؟"

ماں نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ میں دبا ہوا اخبار میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے سرخی پر نظر ڈالی تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ نریش چندر کے گودام والے علاقے میں گزشتہ شام

آنے والے زلزلے کی خبر بڑی سنسنی خیز تھی۔ موقع کی کئی چھوٹی بڑی تصویریں بھی شائع ہوئی تھیں۔ ایک تصویر میں رمیش گپتا اور انجلا کو ٹوٹی ہوئی چھت کے انبار تلے دبا دکھایا گیا تھا۔ دونوں ہی کے چہرے بری طرح مسخ ہو چکے تھے۔ جسم زخموں سے چور چور نظر آ رہے تھے۔

نریش چندر کی ایک تصویر بھی شائع کی گئی تھی جو ہسپتال میں پڑا زیر علاج تھا۔ نریش چندر کی کاروباری حیثیت اور شہرت کے حوالے سے انجلا کی لاش کا کسی اجنبی کے ساتھ گودام کے کھنڈرات میں پایا جانا بھی خبروں میں موضوع بحث بنا تھا۔ میں ابھی خبروں کی تفصیل پڑھ رہا تھا جب ماں کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"خدا کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے لیکن..... مجھے نریش چندر جی سے ہمدردی ہے۔ اس کی کوئی نیکی کام آ گئی جو وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے ورنہ شاید وہ بھی ـــــ" ماں اپنا جملہ پورا نہ کر سکی۔ میں نے اس کے چہرے پر غم کی پرچھائیں لرزتے دیکھی۔ اس کرب کے پیچھے نہ جانے کتنی ایسی کہانیاں بھی ہوں گی جو میرے علم میں نہیں آ سکی تھیں۔ حادثے کی اطلاع نے ان کے زخموں پر جمے کھرنڈ کو بھی ضرور ٹھیس پہنچائی ہو گی۔ میں نے اخبار کو ایک طرف رکھ دیا۔ ماں کی دلجوئی کی خاطر کہا۔

"جو کچھ ہوا اس پر مجھے بھی افسوس ہے لیکن اس کی مصلحتوں کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"ہاں ـــــ" ماں نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "اس کے بھید وہی بہتر جانے۔"

"آپ نے ناشتہ کر لیا ـــــ؟" میں نے موضوع بدلنے کی خاطر دریافت کیا۔

"تمہارے بغیر کیسے کر سکتی تھی؟" ماں نے مجھے پیار سے دیکھا تو میں ممتا کے اس جذبے کو محسوس کر کے بے اختیار اس کے گلے لگ گیا۔

ناشتے کی میز پر میں نے ماں کا دل بہلانے کی خاطر بیگم نفیس اور فاخرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ ایک دو بار ماں کے چہرے پر میری خوشیوں کا تصور تبسم کی شکل میں جاگا لیکن وہ بار بار ملول ہو جاتی تھیں۔ میں نے انہیں زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔ ناشتے کے بعد میں دفتر جانے کے لئے تیار ہوا تو ماں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"تم آج دفتر جاتے ہوئے نریش چندر جی کو انجلا کا پرسہ ضرور دے آنا ـــــ اس

آڑے وقت میں انہیں اپنے مرحوم دوست کی کمی بھی ضرور محسوس ہو رہی ہو گی۔ دونوں میں اتنا پیار تھا کہ ایک دوسرے کی جدائی برداشت نہیں کرتے تھے لیکن ـــــ"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں آفس جانے سے پیشتر ہسپتال ہی جاؤں گا۔"

ماں کو باتوں میں بہلا کر میں دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔ رمیش گپتا کی ناپاک توتیں خدا کے عتاب سے ملیامیٹ ہو چکی تھیں۔ انجلا دیوی کا کانٹا بھی درمیان سے نکل گیا تھا۔ میرے اور نریش چندر کے درمیان اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ گئی تھی۔

میں نے ہسپتال پہنچ کر پہلے ڈاکٹر سے مل کر مریض کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا پھر نریش چندر کے وی آئی پی روم میں گیا جہاں وہ بستر پر پڑا خالی خالی نظروں سے چھت کو گھور رہا تھا۔ چہرے پر بڑی سوگوار سی سنجیدگی مسلط تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اس نے میری طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا لیکن پھر ہونٹ چبا کر رہ گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ حادثے کی خبر سے بے خبر نہیں تھا۔

"ہمت سے کام لیں انکل ـــــ" میں نے اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے ہمدردی کا اظہار کیا۔

"دانش پتر ـــــ" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج میں بالکل تنہا رہ گیا ـــــ مجھے انجلا کی موت کا دکھ ہے نہ گودام کی بربادی کا۔ دھن دولت تو ہاتھ کا میل ہے لیکن ـــــ آج مجھے اپنے سورگ باشی متر (دوست) کی یاد آ رہی ہے جس کی آتما بھگوان کے چمتکار کو دیکھ کر ضرور سکھی ہو گی۔"

"جو ہو گیا اسے بھولنے کی کوشش کریں۔" میں نے نریش چندر کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "والد صاحب نہ رہے لیکن میں تو ہوں آپ کے پاس۔"

"بھگوان تمہیں اور تمہاری ماتا جی کو سدا سکھی رکھے ـــــ"

ہمارے درمیان خاصی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ میں اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ نریش چندر انجلا کی موت پر کسی غم کا اظہار کرنے کی بجائے میرے مرحوم والد کی بھولی بسری باتوں کو زیادہ یاد کر رہا تھا۔ اس ملاقات کے بعد خود میری طبیعت بھی اتنی مکدر ہو گئی تھی کہ میں دفتر جانے کی بجائے گھر واپس آ گیا۔ لباس تبدیل کر کے کچھ دیر آرام کرنے کی

خاطر بستر پر لیٹا تو یکلخت مجھے روپ نگر میں کشمیر امپوریم سے خریدی ہوئی چیزوں کا خیال آ گیا۔ میں بچے کی آنکھ والا پراسرار پیپر ویٹ اور اس سفید موتی کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا جس نے مجھے باپ کے قاتلوں تک پہنچنے میں ناقابل یقین مدد فراہم کی تھی۔

میں نے اٹھ کر کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا، تیزی سے پلٹ کر کپڑوں کی الماری کھولی پھر بوکھلاہٹ میں ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی لیکن وہاں ان پراسرار چیزوں کا کہیں کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں تھک ہار کر دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو اس بوڑھے کا نورانی چہرہ میرے تصور میں ابھرنے لگا جس نے مجھے اپنی داڑھی کے بابرکت بال سے نوازا تھا۔ میرے کانوں میں اس کی آواز صدائے بازگشت بن کر گونجنے لگی۔

”وہ چاہے تو مُردوں میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔ وہی سب سے عظیم تر ہے، باقی سب ہیچ ہیں ـــــ ایک ہی نعرہ لگانے کی عادت ڈال لے ـــــ حق اللہ ـــــ حق اللہ ـــــ حق اللہ ـــــ!!“

(ختم شد)